# تذکرہ

# شعرائے وارثیہؒ

میاں عطا اللہ ساگر وارثیؒ

# تذکرہ شعرائے وارثیہ

میاںؔ عطا اللہ ساگر وارثی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم




نام کتاب ———— تذکرہ شعرائے وارثیہ

مصنف ———— میاں عطاء اللہ ساگر وارثی

ناشر ———— میاں غلام فرید وارثی۔ شہزاد وارثی

تاریخ اشاعت (طبع اوّل) اپریل ۱۹۹۳ء

تعداد ———— تین سو (۳۰۰)

طابع ———— فائن مکسن پرنٹرز

کتابت ———— اسرار احمد

ہدیہ ———— ۱۵۰ روپے

پتہ: وارثی منزل

پاک سٹریٹ، اسلام آباد کالونی

سمن آباد - لاہور




بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم الوارثین

بارگاہِ قدس عالیہ وارثیہ کے چمنستان کی بہاروں
لسان الطریقت حضرت میاں بیدم شاہ وارثی،
قبلہ میاں اوگھٹ شاہ وارثی، قاضی اکمل شاہ
وارثی اور میاں حیرت شاہ وارثی رحمۃ اللہ علیہ
اجمعین کی خدماتِ بابرکات میں

# نذر

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

خادم الفقراء

میاں عطاء اللہ ساگر وارثی عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# "حرفِ اوّل"

سرزمینِ دیوہ شریف (ضلع بارہ بنکی انڈیا) سے طلوع ہونے والا آفتابِ محبّت، جسے دُنیا حاجی وارث علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی سے جانتی ہے اور جن کے ہر قوم میں ارادتمند موجود ہیں، اُن کی نسلوں کو پار کر جانے والی نظر نے مجھے بھی اپنی روشنیوں میں باندھ رکھا ہے۔ اولیاء و اصفیاء کے تمام سلسلوں میں یہ ایک منفرد سلسلہ ہے۔ حاجی صاحب قبلہ کی ساری عمرِ عزیز سفر میں گزری، بے شمار حج کیے، اسی لیے "حاجی صاحب" عرفیت پڑی۔ خلقِ خدا سے محبّت آپؒ کا منشورِ حیات تھا اور ہر کسی سے فرماتے "محبّت کرو محبّت"۔

بزرگانِ دین کی اکثریت شعر بھی کہتی تھی، لیکن آپؒ شعر نہ کہتے تھے، تاہم یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ آپ کے مریدوں میں شاعروں کی قطاریں لگی ہیں۔ ساگر وارثی صاحب نے غالباً اسی ریکارڈ کو محفوظ کرنے کے لیے "تذکرہ شعرائے وارثیہ" ترتیب دیا ہے اور اُن کی یہ کوشش یقیناً لائقِ تحسین ہے۔

منظفر وارثی

۶، نومبر ۱۹۹۲ء

# فہرست

# دیباچہ

ایسا کوئی دور نظر نہیں آتا کہ صنفِ شعروادب اہلِ اللہ کی توجہات سے محروم ہو۔ تبلیغِ دین کے سلسلے میں جہاں اہلِ تصوف نے اور بہت سے طریقے اختیار فرمائے وہاں محافلِ شعروادب سے بھی کام لیا۔ صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات گرامی ہی نہیں، سید عبدالقادر جیلانی کے منظوم اقوال ہی نہیں۔ شبلیؒ وعطارؒ اور مولانا رومؒ تک ہی نہیں۔ مولانا نظامی گنجوی، شیخ سعدی شیرازی، حافظ شیرازی، حاجی سلطان الہند خواجہ غریب نواز اجمیری، حضرت داتا گنج بخش، حضرت بو علی شاہ قلندر صاحب، حضرت محبوب الٰہی خواجہ قطب صاحب، بابا فرید صاحب کے علاوہ اور بھی بے شمار اہل اللہ اور بزرگان دین کے جامع کلام مختلف زبانوں میں زبان زد خاص وعام ہو کر مذکور الصدور دعوے کی ناقابلِ تردید دلیل ہیں۔ اب سے چھ سو سال پیشتر زمین ہند دلی میں حضرت امیر خسرو نے جہاں فارسی زبان میں عدیم النظیر جواہر پاروں سے اہلِ مذاق کو استفادہ کا موقع مرحمت فرمایا، وہاں پر بابا فرید علیہ الرحمۃ نے اشلوک کی صورت میں حضرت سید میراں شاہ بھیک نے ہندی زبان میں، خواجہ غلام فرید نے سرائیکی زبان، حضرت شاہ لطیف بھٹائی نے سندھی زبان، سلطان باہو نے پنجابی زبان میں شاعری کی ہے۔

مندرجہ بالا حضرات سلسلۂ فقراء سے منسلک تھے جہاں صرف عشق ومحبت کے دروس ہی سے آشنائی پیدا کی جاتی ہے۔ محبت پروان چڑھتی ہیں اور ایسی کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ دل ہاتھ سے جاتا رہتا ہے، انسان بے بس ہو کر رہ جاتا ہے، جدائی اور تنہائی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ فراق ہینی وبینک سے کوسوں دور بھاگتا ہے۔ وصال چاہتا ہے فراق نہیں چاہتا۔ ایسی بے خودی کا عالم چاہتا ہے کہ جس میں خدا نہ یاد رہے۔ دریار کی سرزمین کو آسمان سمجھنے والے اور کوچۂ یار کو دارالاماں سمجھنے والے کب یہ گوارا کرتے ہیں کہ اُن کے دل کی بھڑاس بھی نہ نکل سکے، جذبات کا اظہار بھی نہ ہو سکے، مگر ایک بات کوئے بتاں کی وبال جان دلچسپیاں اور آوارۂ کوئے بتاں میں جو مزہ ان کو ملتا ہے وہ اپنے محبوب کو رجھانے کے لیے سب کچھ قربان کر دیتے ہیں۔ بقول:

دل مانگتے ہیں آپ حقیقت ہے دل کی کیا
حاضر ہیں آپ کے لیے ایمان وجاں سے ہم

ایک مدت سے آرزو تھی آرزو بھی کیا! جس کو پورا کرنے کے لیے ایک عرصہ درکار تھا۔ یہ آرزو تھی کیا۔ "تذکرۂ شعراء وارثیہ" کو کتاب کی صورت میں زیورِ طبع سے آراستہ کیا جائے۔ یہ سلسلہ عالیہ وارثیہ صوبہ متحدہ اودھ قصبہ دیویٰ شریف ضلع بارہ بنکی (یو پی بھارت) سے چلا ہے اور اس سلسلہ وارثیہ کے بانی مبانی حضرت حافظ حاجی سید وارث علی شاہ اعلیٰ مقامہ تھے۔ پنج تن علیہ السلام کے گھرانے کے فرد تھے۔ حسنی وحسینی سید تھے۔ آباؤ اجداد نیشاپور (ایران) سے ہجرت کر کے ہندوستان تشریف لائے اور یہ خاندان رسول پور کنتور۔ بڑیلا ضلع بارہ بنکی میں سکونت پذیر ہوئے۔ جو حضرات آپ کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوتے وہ نام کی مناسبت سے وارثی کہلاتے ہیں۔ اس سلسلے کا پھیلاؤ پورے ہندوستان میں ہے بلکہ غیر ممالک میں بھی ہے۔ آپ کے سلسلے

میں دو طرح کے مرید ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو فقیر کہلواتے ہیں اُن کے لباس میں زرد رنگ کی دو چادریں جو زیب تن رہتی ہیں، وہ احرام پوش کہلواتے ہیں۔ دوسرے وہ مرید جو فقیر نہیں ہوتے اور وہ دُنیادار ہوتے ہیں۔

سلسلے کی تبلیغ و ترقی کے لیے ضروری ہے کہ تعلیم یافتہ ہو اور قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم سے بخوبی واقفیت رکھتا ہو۔

آمدم بر سرِ مطلب! خود حضرت وارث پاک علیہ الرحمۃ شعر کو پسند فرماتے تھے۔ آپ کے پاس ایک بیاض رہتی تھی جس میں مختلف صوفیا حضرات کا منتخب کلام درج تھا۔ آپ کے من پسند اشعار!

اس بُت کے عشق میں بھی کہاں سے کہاں گیا ؛ کاشی گیا پراگ گیا اور گیا گیا

---

عشق میں تیرے کوہِ غم سر پہ لیا جو ہو سو ہو ؛ عیش و نشاط زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

---

گرد سے کپٹ سنت سے چوری ؛ کیا ہوئے اندھا کیا ہوئے کوڑھی

---

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دلِ مارا ؛ بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا

---

تنِ او را غلافِ نور کردند ؛ پئے عالم بشر مشہور کردند — وغیرہ وغیرہ

---

کبھی کبھار جب آپ موج میں ہوتے تھے شعر گنگناتے رہتے تھے۔ اکثر دربار وارثی کے شعراء کرام جن کی بیعت آپ ہی کے دستِ حق پرست پر تھی، آپ کی محبت سے سرشار ہوتے شعر کہتے اور پھر آپ ہی کو سناتے۔ کوئی نعت شریف پڑھتا، کوئی خمسہ، مسدس اور مثنوی کہتا۔ گویا کہ ہر سمت پھول کی بہار اسی باغِ انجمن میں تھی۔

مذکورہ بالا تذکرہ کی تدوین کے لیے لائبریریوں کی کتابوں اور رسائل کو کھنگالنا پڑا۔ وارثی شعراء کے کلام کو حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کر کے مختلف کتابوں، جرائد اور اخباروں سے اکٹھا کیا گیا ہے۔ کچھ ایسا بھی کلام ہے کہ جو کتابی شکل میں موجود نہیں بلکہ ایک آدھ چیز کسی رسالہ میں چھپ گئی ہے۔ جس کلام کو رسالوں سے حاصل کیا گیا ہے اس کا حوالہ بمعہ سن و تاریخ دیا گیا ہے۔ کچھ ایسے بھی وارثی حضرات تھے جن کے پاس بہ نفسِ نفیس جانا پڑا اور مایوس بھی لوٹنا پڑا۔

جہاں تک میری کوششوں کا تعلق ہے میں نے ان وارثی شعراء حضرات کے خاکہ جات حیات (جو میسر ہو سکے) بھی درج کر دیے ہیں۔ دیوی شریف میں آستانہ اقدس کی سالانہ عرس پاک کاتک کی تقاریب میں ایک تقریب وارثی مشاعرہ کی بھی ہوتی تھی۔ اس کاتک کے میلے میں تمام پاک و ہند کے شعراء کرام وارثی مشاعرے میں مشاعرہ پڑھنے کے لیے آتے تھے اور اس کی رُوداد بہ اہتمام حضرت مولانا افقر موہانی الوارثی شائع ہوتی تھی لہٰذا دیوی شریف کے ایک مشاعرہ کی رُوداد بھی درج ہے۔ اس کے علاوہ حضرت میاں بیدم شاہ وارثی کے ہم عصر اکبر آباد کے مولانا سید نثار صاحب (استاد مکرم) کے خاص خاص شاگردوں (اُستاد بھائی بیدم شاہ وارثی) کا چیدہ چیدہ کلام بھی درج کیا گیا ہے۔ مولانا سید نثار اکبر آبادی کا منتخب شدہ کلام بھی بطور امتثالاً درج کیا گیا ہے۔

ان شعراء اکرام کا اُردو کے کلام کے علاوہ فارسی، عربی اور ہندی کا کلام بھی پیشِ ناظرین اکرام کیا گیا ہے۔ کچھ حضرات ایسے بھی ہیں جو نظم، غزل وغیرہ کچھ نہیں صرف نثر لکھتے ہیں۔ ان کی تحریروں کو بھی بطور امتثالاً درج کیا گیا ہے۔ وارثی شعراء حضرات

نے سرکار پاک وارث علیہ الرحمۃ کے مشن تبلیغ و ترقی کے لیے مختلف ادوار میں ماہوار اُردو رسائل بھی نکالے ہیں، جن کے نام مقام مندرجہ ذیل ہیں:

ان میں سب سے پہلا رسالہ "الحافظ" یہ صوفیانہ ماہوار رسالہ جو ہر قمری مہینہ کی بارہویں تاریخ کو چھوٹی تقطیع پر دو جز کا میرٹھ سے شائع ہوتا تھا۔ سرشار وارثی اور صوفی کریم الدین وارثی میرٹھی کی ادارت میں نکلتا تھا۔ یہ رسالہ حافظ گنجینۂ توحید وارث خزینہ اصلی حضرت جناب حافظ پیاری صاحب وارثی قبلہ کی سرپرستی میں نکلتا تھا۔

حضرت وارث پاک علیہ الرحمۃ کے مشن کی خاطر جو رسائل نکلتے تھے وارثی شعراء کا کلام ان رسائل سے بھی اخذ کیا گیا ہے ساغر موہانی صاحبؒ کی ادارت میں لکھنؤ سے ایک جریدہ "جامِ جہاں نما" نکلتا تھا۔ جب جام جہاں نما بند ہو گیا تو انہوں نے "بارگاہ" اور "جلوہ گاہ" نکالنے شروع کر دیئے تھے۔

سلسلہ عالیہ وارثیہ کے بانی مبانی حضرت مخدوم وارث پاک علیہ الرحمۃ بہ نفسِ نفیس خود شعراء حضرات سے کلام سماعت فرماتے تھے جن اشعار کو مزاجِ اقدس پسند کرتا تھا ان اشعار اور شاعر دونوں کی حوصلہ افزائی اور کرم نوازی فرماتے تھے۔ مثلاً خیرآباد ضلع سیتاپور (بھارت یوپی) میں ایک روحانی محفل میں سرکار وارث پاک علیہ الرحمۃ شریک تھے۔ محفل سماع اس وقت پورے جوبن پر بہار دے رہی تھی کہ یکایک حضرت مضطر وارثی خیرآبادی نے فی البدیہہ شعر کہہ کر قوالوں کو دیا۔ اُنہوں نے سامعین کے سامنے پڑھا۔ شعر مندرجہ ذیل ہے:

آنکھوں سے کیوں نہ چوموں میں پائے جناب وارث
بے وارثوں کے وارث آئے جناب وارث

جس کو سرکار وارث پاک نے سماعت فرما کر کہا "سنا سنا مضطر وارثی بڑا نامی ہے۔"

ایسے ہی حضرت قبلہ میاں بیدم شاہ وارثی کی عادت شریفہ تھی جب جب بھی شعر و شاعری کرتے، کسی کو سُنانے سے پہلے حضرت مخدوم وارث پاک علیہ الرحمۃ کے آستانہ اقدس پر حاضر ہو کر غزل یا جو کچھ بھی ہوتا بارگاہ وارث میں پیش کرتے۔ یہ نقطہ محبتوں کے تقاضے ہیں۔ فرمان وارث پاک علیہ الرحمۃ ہے "علم اور چیز ہے میرے ہاں تو محبت ہی محبت ہے"۔ بھارت میں آج بھی جس جس جگہ وارثی خانقاہ ہے وہاں پر مشاعرہ کا انعقاد ہوتا ہے۔ قلم نگار اور ذوق و شوق رکھنے والے حضرات کب موقع ہاتھ سے جانے دیتے ہیں۔ پھر دہلی، رام پور، صوبہ بہار اور حیدرآباد دکن جیسا علاقہ جو اہلِ زبان ہیں اُردو اُن کی مادری زبان ہو، بلکہ اوڑھنا بچھونا ہو۔ تذکرہ ہذا میں اُردو کے علاوہ وارثی فقراء کا ہندی کلام بھی درج کیا گیا ہے۔ پوربی بھاشا اور پنجابی بھاشا میں بھی چند فقراء کے کلام کا اندراج ہے۔ بقول:

ہر پھول کی بہار ہمارے چمن میں ہے

پنجابی زبان میں شعر کہنے والے حضرت ابر شاہ وارثی ہیں جو قبلہ میاں بیدم شاہ وارثی کے دست حق پرست پر بیعت رکھتے تھے۔ اُن کا پہلا مجموعہ کلام "ابرِ کرم" شاہ ولی پبلشرز تاجران کُتب جالندھر (بھارت مشرقی پنجاب، تقریباً ۱۹۴۲ء میں چھپا ہے۔ اس کے بعد "ابرِ رحمت" "ابرِ بہار" وغیرہ جالندھر ہی میں چھپیں۔ پاکستان میں بھی اُن کے کئی ایک مجموعے چھپے۔

ہندی زبان میں کلام تقریباً پچاس فیصد ہے۔ میاں بیدم شاہ وارثی نے ہولی، بسنت، ملہار، دادرہ اور ٹھمری وغیرہ تک لکھا ہے۔ اسی طرح حضرت مضطر وارثی خیرآبادی نے بھی یہی نقشِ قدم استعمال کیا ہے۔ میاں مخدوم اوگھٹ شاہ وارثی

کے ہندی بھاشا میں دو سے قابلِ صد افتخار ہیں۔ ان دو بولوں کا گمان حضرت میراں شاہ بھیک پر ہوتا ہے جن کے پڑھنے سے سامعین کے مزاج میں ایک خاص ذوق پیدا ہوتا ہے۔ ایسا سرور اور خمار پیدا ہوتا ہے کہ پڑھنے والا جھوم جھوم جاتا ہے۔

پوربی بھاشا میں قبلہ رحیم شاہ وارثی علیہ الرحمۃ کا کلام بھی ملتا ہے۔

بہت سے وارثی حضرات نے نثر میں بھی کتابیں لکھی ہیں اور مختلف رسائل میں ان کے مضامین مختلف موضوعات پر ملتے ہیں۔ وارثی خواتین نے بھی اس مد میں طبع آزمائی کی ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ میں محبانِ اولیاء سے یہ درخواست بھی کروں گا کہ تذکرہ ہذا کی ترتیب میں جہاں غلطی پائیں اس کو براہ کرم دامانِ عفو سے چھپائیں اور میرے لیے دُعا فرمائیں۔ جو حضرات اور درویشان اس تذکرہ ہذا کا مطالعہ کریں، اللہ تعالیٰ اس کے کبیرہ و صغیرہ گناہ بحرمت مرشد سرکار وارث پاکؒ اور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم والی دو جہاں معاف فرمائیں۔

اللھم وارثنا آمین

میاں ساگر وارثی عفی عنہٗ

یکم دسمبر ۱۹۹۲ء

---

## قطعہ سالِ طبع

"بر کتاب تذکرہ شعرائے وارثیہ"

فیضِ وارثؒ ہے کمالِ شاعرانِ وارثی
شانِ حق وارثؒ خصالِ شاعرانِ وارثی
کو بکو جلوہ نما ہے چار سُو ہے ضو فشاں
اللہ اللہ یہ "جمالِ شاعرانِ وارثی

---

۱۴ ھ ۱۳

آصف صابری جالندھری

۲ ربیع الاوّل ۱۴۱۳ھ

یکم ستمبر ۱۹۹۲ء تاندلیانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# سلام

السّلام اے حضرتِ مخدومِ وارث السّلام
السّلام اے پیرِ کامل مرشدِ عالی مقام
السّلام اے رہبرِ راہِ مقامِ احتشام
سب مریدوں کے دلوں میں ہے تمہارا احترام

---

السّلام اے راز دانِ سرِّ کون و مکاں
السّلام اے وارثِ وجہِ ظہورِ دو جہاں
السّلام اے کاروانِ زندگی کے روحِ رواں
اے کلیدِ کامرانی واعظِ شیریں بیاں

---

السّلام اے صاحبِ چشمِ بصیرت السّلام
السّلام اے دائمی مہر و محبّت السّلام
السّلام اے رہبرِ راہِ ہدایت السّلام
السّلام اے واقفِ سرِّ حقیقت السّلام

---

تیرے ساگر وارثی کا دست بستہ السّلام
السّلام اے وارث ہم بے کسوں کا السّلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# پیش گفتار

حمد محمودے کہ در جملہ صور — شد بانوار محمدؐ جلوہ گر

سنہ ۴۴-۱۹۴۳ء کی بات ہے جبکہ میرا لڑکپن تھا، امرتسر کے مشہور "چوک فرید" سے اگلا چوک جس کا نام "ڈھوبے والا چوک"، تھا، ایک شیخ صاحب فروٹ کی دکان کرتے تھے، ہر رات ان کی دکان کے باہر ایک محفل منعقد ہوتی تھی جس میں شعر و ادب اور فنونِ لطیفہ سے دلچسپی رکھنے والے احباب تشریف فرما ہوتے تھے۔ ان میں سے تین احباب کو تو میں بخوبی جانتا تھا۔ ایک تو امرتسر کے رئیس میاں شیخ حبیب اللہ جو موسیقی کے استاد مانے جاتے تھے، دوسرے مشہورِ زمانہ بینڈ ماسٹر عالمگیر خاں اور تیسرے فاضل محترم میر منظور ولی وارثی ہر روز موجود ہوتے تھے۔ اس محفل میں ہفتہ عشرہ بعد ایک احرام پوش بزرگ نظر آجاتے تھے جو میرِ محفل کی حیثیت سے رونق افروز ہوتے تھے۔ اس احرام پوش کی ہیئت کذائی ننگے سر، ننگے پاؤں، لمبے بال، خوش شکل، فربہ بدن، آنکھوں پر چشمہ، میرے لیے ایک نئی اور عجیب بات تھی۔

آخر یہ بزرگ ایک روز ظہر کے وقت میرے والد ماجد قبلہ علیہ الرحمۃ کی ملاقات کے لیے تشریف لے آئے تو میں نے بڑے بھائی صاحب (حکیم محمد جلال الدین مرحوم) سے پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ ـــ انہوں نے بتایا "یہ ہیں مشہور صوفی شاعر پیر حیرت شاہ وارثیؒ جالندھری" ـــ اس کے بعد بھائی صاحب مرحوم و مغفور نے سلسلہ وارثیہ اور حضرت حیرت شاہ صاحب سے مزید متعارف کرایا ـــ پھر کچھ عرصہ بعد میں نے انہیں مخدوم العلماء علامۃ الدہر حضرت قبلہ محمد عالم آسی (امرتسری) رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دیکھا، وہ حضرت آسی سے علمی استفادہ و استفاضہ کر رہے تھے۔ ازاں بعد حضرت خواجہ میاں محمد شاہ چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ (بستی نو۔ ہوشیار پور) کے عرس شریف کی محافل میں انہیں رونق افروز دیکھا تو اجنبیت یکسر ختم ہوگئی۔

پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد حضرت حیرت شاہ نے چنیوٹ کے قریب دریائے چناب کے کنارے ڈیرہ ڈال لیا تھا اور نام اس کا رکھا تھا "مقامِ حیرت" ـــ یہ بورڈ میں نے اُدھر سے گزرتے ہوئے پڑھا تھا، مگر سیلاب

کی تباہ کاریوں نے انہیں کراچی منتقل ہونے پر مجبور کر دیا۔ حضرت الحاج پیر میاں حیرت شاہ وارثی رحمۃ اللہ علیہ پاکپتن شریف حضرت خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر قدس سرہ کے عرس مقدس میں ضرور شرکت فرماتے تھے، اور میرے مرشدِ ارشد فرید العصر حضرت میاں علی محمد خان چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی گہری عقیدت کا اظہار کرتے تھے۔ سرکار خواجہ گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے عرس شریف پر حضرت صوفی شرف الدین وارثی میرٹھی، صوفی خادم شاہ وارثی امرتسری، جناب منور شاہ وارثی ایڈووکیٹ جو میرے بڑے بھائی حضرت حکیم شمس الدین صاحب مدظلہ (مقیم پاکپتن شریف) کے کلاس فیلو تھے اور حضرت حیرت شاہ وارثی جناب حکیم صاحب موصوف کے ہاں چائے پر مدعو تھے۔ اس محفل عشاق گنج شکر میں احقر بھی پہنچ گیا اور ان حضرات کو چائے وغیرہ پیش کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت حیرت شاہ صاحب نے حاضرین میں سے ایک شخص کو فرمایا:۔

"حکیم صاحب حضرت میاں صاحب قبلہ کے دامن گرفتہ ہیں"

دامن گرفتہ کی اصطلاح نے بے حد محظوظ کیا۔

حضرت شاہ صاحب موصوف کے وصال کے چند سال بعد یہ معلوم ہوا کہ مخدومی حضرت پیر غلام قادر اشرفی ضیائی قلندر لالہ موسیٰ (رحمۃ اللہ علیہ) حضرت حیرت شاہ صاحب سے گہری عقیدت رکھتے تھے اور شاہ صاحب ان کے ہاں کئی کئی دن تک قیام پذیر رہتے تھے۔ میرے علم میں یہ بھی ہے کہ آپ ہر سال حرمین شریفین حاضری دیتے تھے۔ لالہ غلام حسن متوم مرحوم میونسپل کمشنر نے بتایا کہ میں ۱۹۲۸ء میں حج کرنے گیا تھا تو مدینہ منورہ میں حضرت حیرت شاہ صاحب سے ملاقات ہوئی تھی۔ لالہ جی فرماتے تھے کہ ایک نجدی نے بڑی گستاخانہ بات کی تو اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ حیرت شاہ صاحب نے فرمایا: " لالہ جی اپنا کام کیے جاؤ کتوں کی طرف دھیان نہ دو۔"

جناب محترم میاں عطاء اللہ ساگر وارثی صاحب جو حضرت الحاج پیر حیرت شاہ وارثی نور اللہ مرقدہ، کے اخص الخواص مریدین میں سے ہیں اور اپنے مُرشد ارشد سے کسبِ سلوکِ وارثیہ کے ساتھ ساتھ شعر و ادب اور تصنیف و تالیف میں ملکہ بھی حاصل کیا ہے۔ انہوں نے قبلہ حضرت سیّد وارث علی شاہ علیہ الرحمۃ اور دیگر مشائخ کرام کا تذکرہ "خیر الوارثین" کے نام سے لکھا جو زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر شرفِ قبولیت حاصل کر چکا ہے۔ ۱۹۹۲ء میں ان کی نہایت گراں قدر تالیف "تذکرہ مشائخ ہوشیار پور" منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی جسے اہلِ صفا کے علاوہ تاریخ و تذکرہ سے دلچسپی رکھنے والوں نے بنظرِ استحسان دیکھا۔

اب حضرت ساگر وارثی مدظلہ العالی کا ایک اور عظیم کارنامہ آپ کے پیشِ نظر ہے یعنی " شعرائے وارثیہ" جس میں تقریباً ایک سو وارثی شعرائے کرام کا ذکرِ جمیل اور ان کا کلام بلاغتِ نظام درج ہے۔ اس کتاب میں بانی و امام سلسلہ وارثیہ حضرت الحاج قبلہ سیّد وارث علی شاہ اعلی اللہ مقامہ، اور ان کے خلفاء کرام اور مریدانِ باصفا کے

اذکارِ جمیلہ کے علاوہ سلسلہ عالیہ کے تقریباً تمام نامور شعراء کے حالاتِ زندگی اور نمونۂ کلام مرقوم ہے۔ لہٰذا یہ کتاب شعرائے وارثیہ کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ اولیاء اللہ اور خدام اولیاء اللہ کے حالاتِ بابرکات کا ایک حسین و جمیل مرقع بھی ہے۔ چنانچہ حضرت ساگر وارثی کی یہ پیش کش صرف وارثی حضرات کے لیے ہی نہیں بلکہ صوفیائے کرام کے حالاتِ بابرکات سے دلچسپی رکھنے والوں کے علاوہ تاریخ سے تعلق رکھنے والوں کے لیے بھی یہ ایک بیش بہا تحفہ اور اُردو ادب میں ایک قیمتی اضافہ ہے۔

پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد اس طرز کے تصنیفی کاموں پر انتہائی توجہ کی ضرورت تھی، مگر افسوس کہ اربابِ علم و دانش نے اس پر کچھ توجہ نہیں دی۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ زمانۂ قدیم سے مؤرخین بادشاہوں اور ان کے حاشیہ برداروں کے گرد طواف کرتے رہے۔ پھر انگریزی عہد میں ان کے نیاز مندوں اور اسی قبیل کے نام نہاد پیروں، خطاب یافتہ مولویوں اور ملت فروشوں کو اہمیت دے کر مسلمانوں کی تاریخ کو سقیم بنا دیا گیا۔

مسلمانوں کی تاریخ کو صحیح کرنے کے لیے مجاہد علماء، مشائخ عظام، صوفیہ صافیہ، غازیوں اور شہیدوں کے تذکروں کی اشاعت کی اشد ضرورت ہے۔ مشرقی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں کی تباہ کاریوں اور وہاں کے خانقاہی نظام کی بربادی، مساجد و مقابر کے انہدام، لاکھوں نفوس کی شہادت، کتب خانوں کے ضیاع وغیرہ پر بھی بہت زیادہ کام ہونا چاہیے تاکہ آئندہ نسلوں اور مؤرخین تک یہ حقائق پہنچ سکیں۔ مَیں جناب ساگر وارثی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے یہ کتابیں لکھ کر تاریخ نگاروں کو صحیح راہ دکھائی ہے۔ ان کے فرائض میں شامل ہے کہ تذکرہ "مشائخ جالندھر" مرتب فرمائیں۔

بعض علماءِ حق اور بزرگانِ دین سلسلہ وارثیہ کے اکابر کے بارے میں کچھ اچھے خیالات نہیں رکھتے، جو محض ایک دوسرے سے دُوری کی بنا پر ہیں۔ صاحبانِ جذب و حال ہر سلسلہ میں پائے جاتے ہیں۔ جن علماء کو ان قلندر منش بزرگوں سے ربط و تعلق ہوتا ہے وہ اس قسم کے "تشدد" سے باز رہتے ہیں۔ احقر نے ایک روز حضرت مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری علیہ الرحمۃ خطیب مسجد وزیر خان سے خطبۂ جمعہ میں حضرت حاجی صاحب کو خاتم الاولیاء کہتے سنا تھا۔

آخر میں یہ دُعا ہے کہ قارئین کرام کو اپنے مشائخ عظام کے اتباع کی توفیق عطا ہو اور فاضل مؤلف سلسلہ تصنیف و تالیف جاری و ساری رکھیں۔ آمین ثم آمین بجاہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم۔

خاکِ راہِ دردمنداں

**محمد موسیٰ عفی عنہ**

۶ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ بمطابق یکم مارچ ۱۹۹۳ء۔ لاہور

# تقریظ

"تذکرہ شعرائے وارثیہ" میرے محترم میاں عطاء اللہ ساگروارثی کی گراں قدر تالیف ہے۔ تذکرے تاریخ ادب کی ایک شاخ ہیں۔ ماضی قریب تک ان کی بہت اہمیت رہی، لیکن فی زمانہ اس موضوع پر کام کم کیا جا رہا ہے۔ ایسے میں "تذکرہ شعرائے وارثیہ" تذکرہ نویسی کی راکھ میں سے برآمد ہونے والی ایک روشن چنگاری ہے۔

تاریخ زمانے اور اس کے حالات و واقعات سے بحث کرتی ہے اور تذکروں میں تاریخ ساز شخصیات اور ان کے ادبی کارناموں کے احوال قلمبند ہوتے ہیں۔ تذکروں کی نایابی یا کمیابی صورت میں تاریخ اپنی درست سمت میں مرتّب نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ "تذکرہ شعرائے وارثیہ" ساگروارثی صاحب کا قابلِ قدر کارنامہ ہے جس میں حضرت وارث پاکؒ کے مریدین و متوسلین شعرا کا شعری کاوشوں کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے۔ تذکرے میں اُردو کے علاوہ فارسی، پنجابی، ہندی، سنسکرت کلام کے نمونے موجود ہیں۔ موضوعات کے اعتبار سے حمد، نعت، غزل، منقبت اور ہیئت کے لحاظ سے قصیدہ، مثنوی، مسدس، مخمس، قطعہ، رباعی کے نمونے تذکرے میں پائے جاتے ہیں۔ اس طرح یہ تذکرہ ہر نوعیت سے منفرد اور بھرپور دکھائی دیتا ہے۔

حضرت وارث پاکؒ سے ساگروارثی کی محبت و عقیدت مثالی ہے۔ انہوں نے "خیرالوارثین" کے نام سے اپنے مرشد پاک کا تذکرہ جس مثالی ارادت اور مثالی کتابت و طباعت سے شائع کیا، اسی نے مجھے بہت متأثر کیا تھا۔ پھر ان کی "مشائخ ہوشیارپور" تذکروں کی دُنیا میں انوکھی کتاب کی حیثیت سے سامنے آئی جس میں حالاتِ زمانہ اس انداز میں بیان کیے گئے ہیں کہ اس کتاب سے استفادے کے بغیر تاریخ کو پُوری جزئیات کے ساتھ بیان کرنا مشکل ہوگا۔ اب "تذکرہ شعرائے وارثیہ" کے مسودے نے میرے لیے اس خوشگوار حیرت کا اہتمام کیا ہے کہ یہ درویش صفت بزرگ جانکاہی اور جاں سوزی کی کن کیفیتوں میں کیسے یہ زندہ رہنے والے کام انجام دیتے ہیں۔

تذکروں میں معاصرین کا ذکر سب سے مشکل ہوتا ہے اور کم ہی لوگ اس سے کماحقہٗ عہدہ براء ہو سکتے ہیں، کیونکہ اس میں تاثرات و تعصبات اپنا رنگ ضرور جماتے ہیں، لیکن ساگروارثی اس مشکل مرحلے سے بھی بطریقِ احسن گزر گئے ہیں اور میرے نزدیک یہ ان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔

اللہ کریم اپنے حبیب پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے طفیل ساگر صاحب کو ایسی بیسیوں کامیابیوں سے نوازے جو دراصل قارئین کرام کی کامیابیاں ہیں کہ ایسے بصیرت افروز مضامین ان کی رُوح و جاں کو مستنیر کرنے کے لیے ملیں گے۔

**راجا رشید محمود** (ایڈیٹر ماہنامہ "نعت" لاہور)

۲۶ مارچ ۱۹۹۳ء - ۲ شوال ۱۴۱۳ھ

# تقریظ

بعض حضرات کے اندازِ زلیست اور مشاغلِ حیات سے قطعاً پتہ نہیں چلتا کہ ان کا تعلّق تصنیف وتالیف اور تحریر وزنگارش کے سلسلے سے بھی ہوسکتا ہے۔ میاں عطا اللہ ساگر وارثی کا شمار انہی حضرات میں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو لکھنے پڑھنے کی دولت سے خوب نوازا ہے۔ ان کا آبائی وطن مشرقی پنجاب کا ضلع ہوشیار پور ہے' کچھ عرصہ پیشتر انہوں نے "مشائخ ہوشیار پور" کے نام سے کتاب لکھی تھی جو شائع ہوکر قارئین کے مطالعہ میں آچکی ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع کی منفرد کتاب ہے اور اس میں ضلع ہوشیار پور کے تمام مشائخ وصوفیائے کرام کے حالات مناسب تفصیل کے ساتھ آگئے ہیں۔ اپنے علاقے کے اہلِ علم اور اصحابِ خیر کے حالات معرضِ تحریر میں لانا بہت بڑی خدمت ہے جو ساگر وارثی نے انجام دی ہے۔

مشائخ ہوشیار پور کے بعد انہوں نے ایک اور کتاب "تذکرہ شعرائے وارثیہ" نہایت محنت اور انتہائی شوق ولگن سے ترتیب دی ہے۔ اس کتاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس موضوع سے متعلّق ان کا مطالعہ کتنا وسیع ہے اور ان کی معلومات کا دامن کہاں تک پھیلا ہوا ہے۔

سلاسلِ تصوّف وطریقت میں سلسلہ وارثیہ کو برِصغیر میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کے بانی حضرت سیّد وارث علی شاہ تھے' جن کا تعلّق دیوہ شریف (ضلع بارہ بنکی، یوپی، ہندوستان) سے تھا۔ وہ اپنے دور کے معروف روحانی بزرگ اور مشہور عالمِ دین تھے۔ ان کے عقیدت مندوں کا دائرہ بڑا وسعت پذیر ہے۔ برِصغیر کے متعدد ممتاز شعراء ان کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ ان شعرائے نامدار میں سیماب اکبر آبادیؒ، مضطر خیر آبادیؒ، بیدمؔ وارثی اور اکبرؔ وارثی کے نام خاص طور سے لائقِ تذکرہ ہیں۔ ان حضرات کے کلام کو برِصغیر میں ہمیشہ قبولیت حاصل رہی اور بڑے ذوق وشوق سے سُنا اور پڑھا گیا۔

میاں ساگر وارثی نے "تذکرہ شعرائے وارثیہ" میں تقریباً ایک سو وارثی شعراء کے حالات وکوائف قلم بند کیے ہیں اور ان میں سے ہر شاعر کے چیدہ چیدہ اشعار بھی درج کتاب کیے ہیں۔ خود سلسلہ وارثیہ کے بانی جناب سید وارث علی شاہؒ کے حالاتِ زندگی اور ان کے پسندیدہ اشعار کتاب کی زینت ہیں۔

ایک خاص سلسلے سے انسلاک وتعلّق رکھنے والے ایک سو شاعروں کے حالات جمع کرنا اور ان کے کلام کا سراغ لگانا بہت بڑا محنت طلب کام ہے۔ ساگر وارثی صاحب باہمت اہلِ علم ہیں جنہوں نے ملازمت کی نازک ذمّے داریوں کے باوجود یہ مشکل ترین مرحلہ طے کرلیا۔ انہوں نے گذشتہ دور کے شعراء کی بہت بڑی جماعت سے خوبصورتی کے ساتھ

قارئین کرام کو متعارف کرا دیا ہے اور ان کا نمونۂ کلام دے کر یہ وضاحت کر دی ہے کہ وہ کس درجے کے شاعر تھے اور ان کے کلام میں کتنا نکھار اور سلجھاؤ ہے۔

"تذکرہ شعرائے وارثیہ" کا شمار آگے چل کر کتب حوالہ میں ہوگا اور برصغیر کی شعر و شاعری اور رجال پر کام کرنے والوں کے لیے یہ کتاب نہایت مفید ثابت ہوگی۔ ساگر وارثی اس خدمتِ علمی پر بجا طور سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔

محمد اسحاق بھٹی

ایڈیٹر رسالہ "ماہنامہ المعارف" ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور

۲۱ / مارچ ۱۹۹۳ء

---

# قطعۂ تاریخِ طباعت

(بر کتاب موسومہ "تذکرہ شعرائے وارثیہ" مصنفہ جناب میاں عطاء اللہ ساگر وارثی)

خوب ہے کیا حضرت ساگر کی تصنیفِ منیف
حکمت و علم و ادب کا ہے شگفتہ اک چمن

اہلِ بینش کے لیے راہِ حقیقت کی کتاب
اک صحیفۂ طریقت نذرِ اہلِ فکر و فن

حضرت وارث کے انوار و کرم سے فیض یاب
امتزاجِ خوشبوئے دیویٰ سے بامُشکِ خُتن

آئینہ دارِ رموز و راز ہائے حُسن و عشق
گیسوئے مشکینِ احمدؐ کا حسیں اک بانکپن

فکرِ سالِ طبع میں اس کے ہوئے غلطاں جو ہم
بولا ہاتف اے فدآ "میخانۂ شعر و سخن"

---

رقیمہ ابوطاہر فدا حسین فدآ ۱۹۹۲ء

مدیرِ اعلیٰ ماہنامہ "مہر و ماہ" لاہور

## حضرت سیدّنا

# حاجی وارث علی شاہؒ

جس وقت آپ نے ہوش سنبھالا مُلک میں سیاسی و سماجی بحرانی کیفیت طاری تھی اور ایک عجیب کش مکش تھی۔ سیاسی اقتدار کی مالک الیسٹ انڈیا کمپنی تھی۔ بادشاہت ختم ہوچکی تھی۔ نمائشی بادشاہ مغلیہ سلطنت کی آبرو بچائے تھا۔ کمپنی کے اقتدار کے ہمدوش مذہب عیسوی نے فروغ حاصل کرنا شروع کر دیا تھا۔ ممتاز حکام مسیحی تنظیموں کی سرپرستی کرنا اپنا فرضِ منصبی سمجھتے تھے۔ ان تمام پیچیدگیوں نے بغاوت کا جذبہ بیدار کر دیا۔ علماء بھی میدانِ جنگ میں سینہ سپر ہوگئے۔ انگریزی ڈپلومیسی سے ہندوستانی شکست کھا گئے۔ انگریزوں کو مکمّل اقتدار اعلیٰ حاصل ہوگیا۔ مُلک تاجِ برطانیہ کے زیرِ نگیں ہوگیا۔

انگریز مُسلمانوں سے سخت بدگماں تھے۔ اُن کے ظُلم وستم کا نشانہ بھی سب سے زیادہ مُسلمان تھے۔ مسیحی اخباروں اور رسالوں میں زیادہ تر بوچھاڑ اسلام پر ہوتی۔ اسلامی تعلیم کی بُرائیاں ظاہر کی جاتیں۔ بانئ اسلام کے اخلاق وعادات پر انواع و اقسام کی نکتہ چینیاں ہوتی تھیں۔ حیات شبلی کے دیباچہ میں علاّمہ سیّد سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں :

"انگریزوں کے برسرعروج آتے ہی تین طرف سے حملوں کا آغاز ہوا۔ عیسائی مشنریوں نے اپنی نئی سیاسی طاقت کے بل بوتے پر اسلام کے قلعہ روئیں پر حملے شروع کر دیئے۔ دوسری طرف ہندوؤں میں آریہ تحریک نے اپنے سابق حُکمرانوں سے نجات پا کر ان پر حملہ کی جُرات پائی اور سب سے آخر میں یورپین علوم وفنون اور تمدن کی ظاہری چمک ومک مسلمانوں کی آنکھوں کو خیرہ کرنے لگی۔"

انگلینڈ میں ملکہ وکٹوریہ کی حُکمرانی تھی۔ یہ دورِ حُکومت وہاں کی تاریخ میں عہدِ زرّیں کہلاتا ہے۔ اس زمانے میں علمی وادبی سائنسی ترقی نقطۂ عروج پر تھی۔ اس کا براہِ راست اثر ہندوستان پر پڑ رہا تھا۔ مشرقی ذہن مغربی خیالات سے متاثر ہو رہا تھا۔ اس نے مشرق کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اسی وقت سر سید نے مغربی تعلیم وتہذیب کی تحریک چلائی جس نے پُورے مُسلم معاشرہ میں ہلچل مچا دی۔

خیالات کی افراتفری میں مادی رجحانات قوی ہونے لگے۔ اس وقت سرکار وارث پاک کا ظہور ہوتا ہے۔ روحانیت کا ایک چوندھیا دینے والا کرشمہ سامنے آتا ہے۔ حاجی صاحب مذہب کے شارح یا واعظ نہیں تھے۔ انہوں نے خیال اور عمل سے اسلام کی تبلیغ کی اور وہ پیغام جو حضرت خاتم المرسلین، محبوب رب العالمین رحمۃ اللعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت مبارکہ کا مقصد تک اس دور میں لاکھوں

بندگانِ خدا تک پہنچایا وہ مجروح دلوں کے لیے مرہم شفا بنا۔

## خاندانی حالات

خلیفہ محتشم باللہ کے دورِ حکومت میں ہلاکو خاں نے بغداد پر حملہ کر کے بڑی تباہی مچائی۔ ترکِ وطن کا سلسلہ جاری ہوا۔ اس نازک دور میں ایک عالم اشرف ابی طالب معہ اہل وعیال نیشا پور سے ہندوستان تشریف لائے۔ کنتور ضلع بارہ بنکی میں قیام فرمایا۔ یہ بزرگ حضرت سرکار وارث پاک کے مورثِ اعلیٰ ہیں۔ سید اشرف ابی طالب کے پوتے سید علاء الدین کا شمار شاہ نصیر الدّین چراغ دہلوی کے خلفاء میں ہوتا ہے۔ سید اشرف ابی طالب کی آٹھویں پُشت میں سیّد عبدالاحد گزرے ہیں۔ انہوں نے ۱۱۲۷ھ میں کنتور سے ہجرت فرما کر دیویٰ میں قیام فرمایا اور درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت سید عبدالاحد کے پر پوتے سیّد سلامت تھے۔ آپ کے دو صاجزادے سیّد خُرم علی اور سیّد باقر علی تھے۔ سیّد قربان علی کے صاجزادے حضرت حافظ حاجی وارث علی شاہ تھے۔ آپ کی پیدائش دیویٰ میں یکم رمضان المبارک ۱۲۳۸ھ کو ہوئی۔

آپ کا مکمّل نسبی شجرۂ ضمیمہ سیر السادات میں اس طرح تحریر ہے :۔

حضرت حاجی حافظ سیّد وارث علی شاہ ابنِ حکیم سیّد قربان علی شاہ ابن سید سلامت علی ابنِ سیّد کرم اللہ ابنِ سیّد احمد ابنِ سیّد عبدالاحد ابن سیّد عمر نور ابنِ سیّد زین العابدین ابنِ سیّد عمر شاہ، ابن سیّد عبدالواحد ابنِ سیّد عبدالآد ابنِ سیّد علاؤ الدین اعلیٰ ابنِ سیّد عز الدّین، ابن سیّد اشرف ابی طالب ابن سیّد محروق ابن سیّد ابوالقاسم ابن سیّد عسکری ابنِ سیّد ابومحمّد، ابنِ سیّد محمّد جعفر ابن سیّد محمّد مہدی، ابن سیّد علی رضا ابن سیّد قاسم حمزہ ابن سیّد حضرت امام موسیٰ کاظمؑ ابنِ سیّد امام جعفر صادقؑ ابنِ حضرت امام محمّد باقرؑ ابنِ حضرت امام زین العابدینؑ ابن حضرت امام حسینؑ ابنِ حضرت علی شیرِ خداؑ۔

## عام حالات

خدا کی شان بڑی نرالی ہوتی ہے۔ دو سال کی عمر میں شفیق باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ تین سال کی عمر میں آغوشِ مادرِ مہربان سے محروم ہو گئے۔ بے بس اور بے کس بچہ کی پرورش دادی محترمہ نے کی۔ دس سال کی عمر ہوتے ہی دادی محترمہ نے بھی اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کا سفر فرمایا۔ اس وقت اُن کے حقیقی بہنوئی حضرت حاجی سیّد خادم علی شاہ لکھنؤ لے آئے۔ تعلیم ظاہری و باطنی سے سرفراز فرمایا۔

لہ حضرت حاجی سیّد خادم علی شاہ کا وصال ۱۴ صفر ۱۲۵۳ھ کو ہوا۔ کرسچن کالج لکھنؤ میں مزار ہے۔

بعد وصال حضرت حاجی سیّد خادم علی شاہ آپ ان کے سجادہ نشین قرار پائے۔ رسم دستار بندی ادا ہوئی۔ آپ کا سلسلہ قادریہ چشتیہ تھا۔ کچھ عرصہ لکھنؤ میں رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد عازمِ سفر حرمین شریفین ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر شریف پندرہ سال کی تھی۔ مختلف ممالک کی سیاحت فرماتے ہوئے چار سال بعد واپس ہوئے۔ اسی طرح تین بار ہندوستان سے آپ نے پاپیادہ

سفر حج کیا اور چار پانچ سال کے وقفہ سے واپس ہوتے رہے۔ اس مدت میں نہ صرف ہندوستان بلکہ غیر ممالک انگلینڈ، روس، جرمن، جاپان، یونان، بلقان، خراسان، بلخ بخارا، چین، قسطنطنیہ، دمشق، کربلا معلیٰ، سیستان، مازندران، طہران، مصر، رے، کوفہ، حضرموت، یروشلم، قندھار، غزنین اور کوہ قاف وغیرہ کی سیاحت فرمائی۔ اکثر اولیائے کرام و مشائخ عظام سے فیوض روحانی حاصل کئے۔ اس کے علاوہ ہزاروں، لاکھوں کی تعداد میں لوگ آپ کے مرید ہوئے۔

عمر کے آخری پچیس تیس سال کا زمانہ وطن و اطرافِ وطن میں گزارا۔ ۱۳۱۷ھ سے دیوہ میں مستقل قیام فرمایا۔ آخری چار پانچ سال کی مدت استغراق اور سُکر کی کیفیت میں گزری۔ زیادہ تر آپ خاموش اور تہبند سے منہ لپیٹے رہتے تھے۔ خبرداری کی حالت میں مریدوں اور معتقدین سے گفتگو کرتے۔ مولانا اعجاز احمد ہاشمی دیوی نے آپ کی سیرت کے بارے میں لکھا ہے،

"طبقہ اعلیٰ و ادنیٰ سب کے ساتھ یکساں محبت اور رواداری کا برتاؤ تھا۔ مہمانوں سے آپ کو بہت محبت تھی۔ بغیر کھانا کھلائے کوئی مہمان رخصت نہ کرتے تھے۔ عام زائرین سے آپ کا برتاؤ نہایت ہی محبت آمیز تھا۔ مخالف سے بھی پیار و اخلاص سے پیش آتے تھے۔ گفتگو شیریں، دلکش اور مختصر تھی۔"

حج کے دوران آپ نے احرام باندھا۔ وہ آپ کو اس قدر پسند آیا کہ ساری زندگی زیب تن کیے رہے۔ آپ کا احرام رنگین (زرد یا زردی مائل بادامی) سوتی کپڑے کا اور عرض میں ڈیڑھ گز اور طول میں چھ گز ہوتا تھا۔ آپ نے جن مریدوں کو احرام بخشا وہ بھی مستقل احرام پوش رہے ہیں۔

آپ کی تمام عمر تجرد میں گزری۔ بظاہر یہی وجہ بیان کی جاسکتی ہے کہ جب آپ سنِ بلوغ کو پہنچے۔ کوئی مربی و سرپرست نہ تھا جو اس رسم کو ادا کرتا۔ اس کے علاوہ آپ محو باللہ تھے۔ آغازِ شباب ہی میں دنیا کو ترک کر کے اپنی حیات کو جاں آفریں کے سپرد کر دیا تھا۔

## عبادت و ریاضت

حضرت وارث پاک ابتدا سے تمام رات نوافل اور تلاوت قرآن پاک میں مصروف رہتے۔ بعد کو مسلسل روزہ رکھنے کا بھی سلسلہ جاری رہا۔ صبر و رضا اور توکّل آپ کا زیور تھا۔ تمام عمر اسی طرح گزار دی۔ آپ نے درگاہ شاہ ولایت دیوہ، غارِ حرا، غارِ ثور اور مسجد نبوی میں چلّہ کشی بھی فرمائی ہے۔

## مسلک عشق

اسلام میں انسانیت نوازی اور رحم پروری کے باعث اس کی گنجائش ہے کہ اس کو عشق و محبت کا مذہب قرار دیا جاسکے۔ صوفیائے کرام نے اس گنجائش سے فائدہ اٹھایا ہے اور عشق و محبت کو اپنا مذہب قرار دیا۔ ان کے فکر و عمل کی بنیاد دو باتوں پر ہے۔ اوّل یہ آیتِ کریمہ "الذین اٰمنوا اشد حبًا للہ" اہلِ ایمان کی محبت (عشق مولیٰ) میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ دوم یہ حدیث مقدس "الخلق عیال

اللہ" مخلوق خدا کا کُنبہ ہے۔ ان بنیادی اصولوں پر فکرِ عمل کی تعمیر ہوئی یعنی اللہ سے محبت اور عشق مولیٰ، بندگانِ خدا سے محبت اور خلقِ خدا کی ہمدردی، رواداری اور دوسری ملّتوں کے لیے فراخی، حوصلہ یہی مسلک عشق حاجی وارث علی شاہ کا ہے۔ یہی جذبہ اُن کے حالاتِ زندگی سے نمایاں ہے۔

ہر انسان جس نے محمدؐ رسول اللہ کا دامن تھام لیا ہے اس کو سراسر رحمت ہونا چاہیے۔ سراسر رحمت ہی صوفیاء کرام کے الفاظ میں سراسر عشق ہے۔ عاشقانِ مصطفیٰ اور محبّانِ خدا کے یہاں محبت ہی محبت اور عشق ہی عشق ہے۔ عشق اسی وقت بیدار ہوتا ہے جب جذبہ پیدا ہو، عنایت خصوصی متوجہ ہو، انانیت ختم ہو جائے۔ مَیں کچھ ہُوں کا احساس ختم ہو جائے۔ یہی عشق مولانا روم حضرت امیر خسروؒ، خواجہ اجمیری اور حضرت صابر کلیری، حضرت نظام الدین اولیاء اور سرکار وارث پاک کے یہاں موجزن ہے۔ سب میکدہ عشق و محبت کے ساقی بنے ہوئے ہیں۔ اس طرح اسلام کی کشش کو باقی رکھ کر بچھڑے ہوؤں کو ملایا، دلوں کو جوڑا اور کلمۃ اللہ بلند کیا۔

## وصالِ پاک

۱۷ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ سے آپ کو بخار آنا شروع ہوا۔ علاج ہوا، اسی دوران مثانہ کی تکلیف شروع ہو گئی۔ علاج ہوتا رہا لیکن افاقہ نہیں ہوا۔ آخر کار ۳۰ محرم الحرام بروز پنجشنبہ دن گزار کر بوقت صبح چار بج کر تیرہ منٹ پر عالمِ حقیقی سے جا ملے۔ یکم صفر ۱۳۲۳ھ بروز جمعہ حافظ عبدالقیوم صاحب وارثی رئیس کرنال پنجاب نے نماز پڑھائی اور بعد عصر جسدِ اطہر کو سپردِ خاک کیا۔

سے "پس چراشد آفتاب اندر حجاب" ۲۳ ہجری ۱۳

روضہ مبارک کی تعمیر کی ابتدا ۱۹۰۵ء میں ہوئی۔ درمیان میں کچھ عرصہ تعمیری کام ملتوی رہا۔ اس طرح دس سال کے عرصہ میں ۱۹۱۵ء میں مکمل ہوا۔ مزار اقدس کی تعمیر میں ٹھاکر پنچم سنگھ اور دیگر محبّانِ وارثی نے نمایاں حصہ لیا۔

## اقوالِ وارث

۱۔ محبت عین ایمان ہے۔

۲۔ اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اگر اس پر سچّا بھروسہ ہے تو پھر روزمرّہ کی ضروریات کے لیے پریشان ہونا عبث ہے۔

۳۔ نماز ضرور پڑھنی چاہیے یہ نظامِ عالم ہے اگر چھوڑ دی جائے گی تو انتظامِ عالم میں خرابی آ جائے گی۔

۴۔ جو ہم سے محبت کرے ہمارا ہے۔ منزلِ عشق میں خلافت نہیں ہوتی۔

۵۔ دو بھائیوں میں عداوت ہونا اس کی دلیل ہے کہ ان کو باپ سے محبت نہیں۔

۶۔ حسد میں سوائے نقصان کے فائدہ نہیں۔

۷۔ اپنی بھلائی چھپاؤ، کسی کی بُرائی نہ دیکھو۔

۸۔ دوسرے کا احسان یاد رکھو اپنا احسان بھول جاؤ، اپنے احسان کا ذکر کرنا احسان کے فائدے کو مٹا دیتا ہے۔

۹۔ وعدہ کرو تو اس کو پورا کرو کیونکہ ایفائے وعدہ نہ کرنا گناہ ہے۔

۱۰۔ کسی مذہب کو بُرا نہ کہو، کیونکہ اس کے ملنے کے راستے بے شمار ہیں۔

۱۱۔ عاشق کے عشقِ صادق کی علامت یہ ہے کہ ذکرِ یار کی کثرت ہو۔ ۱۲۔ عاشق کا ایمان رضائے یار ہے۔

# نظامِ آستانہ شریف

حضرت حاجی حافظ وارث علی شاہ نے اپنا جانشین و سجادہ کسی کو مقرر نہیں کیا تھا۔ اس سلسلہ میں ایک باضبط تحریر جسٹس سیّد شرف الدین و منشی نادر حسین نگرمی کے پاس محفوظ کرا دی تھی۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کی ہمشیرہ کے نواسے حضرت سیّد ابراہیم شاہ وارثی بحیثیت جانشین و سجادہ آستانہ پر رہے۔ اس کے بعد حضرت سیّد ابراہیم شاہ کے نواسے[1] علی احمد عرف کلن میاں شاہ جانشین و سجادہ مقرر ہوئے۔ محبانِ وارثی نے اس طرزِ عمل کے خلاف جدوجہد کی اور ۱۹۱۵ء میں درگاہ وارثی ایسوسی ایشن کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے سیکرٹری بابو کنہیا لال وکیل منتخب ہوئے۔ اس ایسوسی ایشن کی جدوجہد سے، ۱۹۱۷ء میں "ٹرسٹ مقبرہ حاجی سیّد وارث علی شاہ دیوی" کا قیام عمل میں آیا۔ اس ٹرسٹ کے فرائض میں مسجد و مقبرہ اور خانقاہ کی مناسب مرمت کرانا اور ان کو اچھی حالت میں رکھنا اور ایسی ترقی ان میں کرنا جو بلحاظ سرمایہ ہو سکتی ہے۔ عُرس اور فاتحہ کا انتظام مقرر کرنا۔ حسب دستور مروجہ مزار پہ روشنی کرنا۔ زائرین کے لیے آسانیاں پیدا کرنا۔ ۱۹۱۷ء سے ٹرسٹ کمیٹی کے زیر اہتمام نظم آستانہ اقدس جاری و ساری ہے اور درگاہ وارثی ایسوسی ایشن ممد و معاون ہے۔ ٹرسٹ کمیٹی کے آنریری مینیجر جناب رضی احمد تھے۔

حلقہ فقرائے وارثی کا قیام ۲۳ جولائی ۱۹۱۸ء کو عمل میں آیا۔ باضابطہ رجسٹرڈ جماعت ہے۔ اس کے فرائض میں حتی الامکان فقرائے طریق کی اصلاح، احکاماتِ وارثی کی پابندی کی تاکید اور تعلیمات وارثی کے متعلق جملہ غلط فہمیوں کا ازالہ بطریقِ احسن کرتے رہنا ہے۔

سرکار وارث پاک کے وصال کی تاریخ یکم صفر المظفر ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۷ چیت سمبت ہے۔ یکم صفر کا عرس منجانب ٹرسٹ کمیٹی ہوتا ہے۔ ۱۷ ماہ چیت میں عرس فقرائے وارثی کی طرف سے بمنظوری ٹرسٹ کمیٹی ہوتا ہے جس میں کُل اخراجات کا تمام و کمال انتظام فقرائے وارثی کرتے ہیں۔

# کراماتِ وارث

حاجی حافظ حضرت وارث علی شاہ سے بہت سی کرامتیں ظہور میں آئی ہیں۔ مختصراً چند کرامتیں پیش کی جاتی ہیں۔

---

[1] کلن میاں کے صاحبزادے وصی احمد عرف شبن میاں ہیں۔ وہ احرام پوش ہیں۔ فی الحال وہ حضرت میاں قربان علی شاہ کے مزار مبارک کے سجادہ نشین ہیں۔

(۱) رمضان کے آخری ہفتہ میں بارش ہوگئی۔ بارش میں کمی نہیں ہوئی۔ قصبہ کے لوگ حاضرِ خدمت ہوتے اور گزارش کی سرکار چاند کیسے دیکھیں گے اور نماز عید کس طرح ادا ہوگی۔ یہ سُن کر آپ مسکرائے، باہر نکل کر آسمان پر نگاہِ کرم دوڑائی۔ شام تک بارش رُک گئی، چاند دیکھا گیا صبح نماز عید بخیر و خوبی ادا ہوگئی۔

بعد نماز عید بارش ہوگئی۔ اس وقت پھر استدعا کی گئی۔ عید ابھی نہیں منائی بارش رُک جائے تو بہتر ہوگا۔ آپ نے فرمایا ہم زیادہ دخل نہیں دے سکتے ہماری منزل تسلیم و رضا ہے۔ لوگوں نے اصرار کیا، آپ نے انکار کیا۔ اس پر آپ کے ہم سبق اور بچپن کے دوست جناب غلام قادر[1] عرف چھوٹے میاں رئیس و زمیندار لالہ پور نے ضد کی۔ آپ نے خاموشی اختیار کر لی۔ لوگوں نے چھوٹے میاں کو شہ دی۔ انہوں نے جیب سے چاقو نکالا اور بولے مٹھن میاں[2] پانی رکوایئے ورنہ اسی چاقو سے اپنی گردن کاٹ ڈالوں گا۔ حضور کو جذبہ پیدا ہوگیا۔ فرمایا اگر پانی رُک جائے اس وقت کیا ہوگا؛ چھوٹے میاں بولے یہ چاقو میری جیب میں چلا جائے گا۔ آپ نے فرمایا صبر کرو۔ پانی کچھ دیر میں رُک گیا۔ نہایت تیز دھوپ نکلی اور سخت گرمی پڑی۔ اس کا اثر یہ ہوا چھوٹے میاں کو ہیضہ ہوگیا، بچنے کی امید نہیں رہ گئی۔ سرکار کو اس کی اطلاع دی گئی۔ آپ نے متبسّم ہوکر فرمایا؛ رحیم شاہ! چھوٹے میاں مشیت سے جھگڑا کرتے ہیں اتنی تکلیف برداشت کرنا پڑے گی۔ ان کو اطلاع کردو بارش ہونے کے بعد اچھے ہوجائیں گے۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کئی دن بعد موسلا دھار بارش ہوئی اور چھوٹے میاں روبصحت ہوگئے۔

اگر چشم یقیں داری و در دارِ محن بینی : بہر سو مبتلائش جملہ شیخ و برہمن بینی
ز وحشی خاصیت گردد لقائے روئے مرسیما : مگر آں دم کہ بگذاری زخود ایں خویشتن بینی

آپ براہِ خشکی ولائے بیت الحرام میں ایک دن مصروفِ سفر تھے ناگاہ گزر آپ کا ایک وادیٔ مینوسواد میں ہوا جو ایک بیابان و صحرائے ریگستان میں واقع تھی۔ ہر طرف سبزہ اُگا ہوا سایہ دار درخت اپنی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا سے راستہ چلنے والوں کو خود بخود اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ ایک چشمہ نہر جاری تھی جس کو دیکھ کر تشنگان مسافرت آبِ حیات کا دھوکہ کھاتے اور بغیر سیراب ہوئے قدم نہ اٹھاتے۔ مختصر یہ کہ اس بیابان میں ایسی بہشت نظر آئی کہ سرکار عالی وقار نے اس روز اپنی منزل وہیں ختم کی اور وہاں کی نیچری دلفریبیاں کچھ ایسی پسند خاطر ہوئیں کہ آپ کا ارادہ دو چار روز وہاں کے قیام کا ہوا۔ دن ڈھل چکا تھا۔ شام ہونے کو ایک پہر سے بھی کم رہ گیا تھا۔ آپ کسلمند تو تھے ہی ادھر دیکھا سبزہ اور جوئبار ذرا دم لینے کو اسی فرش خاک زمرد اساس پر آرام فرما ہوئے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے اپنی غمازی سے اس موقع پر بھی کمی نہ کی اور آخر کار سرکار کو مصروفِ خواب کر کے ہی چھوڑا۔

"صاحب ملفوظات وارثی" اس موقع پر اپنی تنقید گرامی سے اس طرح ناقل ہے کہ جب آنحضرت مصروف خواب تھے تو وہ سہ پہر کا

---

[1] آپ کی کنیت عبدالقادر اور نام غلام قادر تھا۔
[2] سرکار وارث پاک کی عرفیت تھی۔

وقت تھا۔ قضاراً اسی اثنا میں گزر ایک دیوزاد داز قسم آسیب خبیث جن (یا دیگر بلیات) کا وہاں ہوا جو اپنی خباثت سے باز نہ آیا اور سرکار پر حملہ آور ہونے کو بڑھا۔ خدا کی قدرت کے صدقے، فدا، نثار ہونے کے ایسے ہی مواقع ہوتے ہیں۔ حقیقت بیں آنکھیں ہمیشہ ایسے ہی مناظر کی طالب رہتی ہیں۔ اور معرفت آگاہ قلوب ایسے ہی حقائق و معارف کو ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ یعنی وہ دیو ملعون بڑھتا تو تھا حملہ آوری کو مگر ہو گیا مہربان اور دوست۔ جس قدر سرکار کے قریب ہوتا جاتا تھا اتنی ہی محبت اور عقیدت آپ سے اس کے دل میں نزدیک ہوتی جاتی تھی۔ القصہ جب آپ تک پہنچا تو تبدیل ہیئت کر کے ایک خوبصورت دوشیزہ لڑکی کی شکل میں باادب آپ کے قریب جا پہنچا اور فرطِ ادب سے پائے مبارک دابنے لگا۔ سرکار جو بظاہر مصروفِ خواب اور بباطن مشغول اذکار و افکار تھے۔ بیدار ہوئے اور اس کو دیکھ کر مسکرائے اور پائے مبارک کھینچ لیے۔ اسی دوران میں اس نواح کا امیر سیر و تفریح کی غرض سے اس طرف آنکلا وہاں کی سبزہ زار کیفیت درختوں کی شادابی۔ نہر کی روانی جو پسند آئی مع ہمراہیوں کے مصروف تفریح ہوا۔ ناگاہ نظر اس کی سرکار اور اس زن مکار پر پڑی۔ یکایک دونوں کا حسن و جمال دیکھ کر وارفتہ و حیران ہوا اور تفحص کناں آپ کے پاس آیا۔ آپ نے بیٹھنے کو ارشاد فرمایا۔ وہ بیٹھا اور دریافتِ حال کے واسطے سلسلۂ کلام شروع کیا۔ آپ نے اپنی سرگزشت (وطن چھوڑنے، پیادہ پا مسافت طے کرنے، حج کے قصد سے بیت اللہ شریف جانے۔ اور اس وادی کو خوشگوار پانے و ٹھہرنے کی) مفصل اس امیر سے بیان فرمائی۔ امیر نے سرکار کے حالات معلوم کر کے ازراہ محبت اور عقیدت استدعا کی کہ دو چار روز کے واسطے غریب خانہ کو سرفراز فرمایئے اور دعوت حقیر قبول فرمایئے جس سے ہمیں بھی سعادت دارین حاصل ہو۔ آپ نے اپنی کریم النفسی کی بنا پر اس کی منت و استدعا کو قبول فرمایا اور اسی وقت اس کے ہمراہ تشریف لے چلے۔ وہ زن خوبصورت دیو سیرت بھی ساتھ ہوئی۔ الحاصل امیر نے مکان پر پہنچ کر بہ نہایت خلوص اور عقیدت سے اہتمام آپ کی دعوت و مہمان داری کا کیا۔ اور انواع انواع اغذیہ و اقسام اقسام فواکہات سرکار کی نذر پیش کیے۔ آپ نے حسبِ عادت بدرجہ اقل خود نوش جاں فرمائے ماںقی سب تقسیم کر دیے۔ جب رات ہوئی اور امیر اندر محل کے آرام کرنے چلا گیا اور سب نوکر چاکر مصروف خواب ہو چکے تو وہ زن فرطوت دوبارہ تبدیل ہیئت کر کے بصورت دیوزاد اندر محل کے گئی اور امیر و بیگم کا پلنگ الٹ دیا اور تمام اساسہ امارت کو شکست و ریخت کرنا شروع کیا۔ امیر و بیگم اس کی صورت کو دیکھ کر ایسے خائف ہوئے کہ مارے خوف کے پھر آنکھ نہ کھولی اور اپنے سروں پر قضائے مبرم و بلائے اعظم کو موجود پا کر دم بخود رہ گئے۔

الغرض تمام رات اسی کرب و بے چینی میں بسر ہوئی۔ کبھی وہ ملعون شیشہ و آلات کو توڑتا، کبھی اپنی مہیب آواز سے ان کو ڈراتا رہا۔ جب اسی پریشانی و حیرانی میں آثارِ صبح نمودار ہوئے تو وہ دیوزاد حسبِ معمول وہاں سے اس باغ کو پھر چلا گیا۔ یہاں امیر و بیگم بہزار دشواری دحالت تباہ سرکار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعہ رات کا جو کچھ ہوا تھا آپ سے بیان کیا۔ آپ نے پہلے تبسم فرمایا پھر ان کو تسکین و تسلّی دی اور فرمایا کہ اب وہ کبھی یہاں نہ آوے گا۔ تم لوگ مطمئن رہو۔ مگر اس تسکین و تسلّی پر بھی وہ لوگ

کچھ ایسے خوف زدہ تھے کہ سرکار کو ایک ہفتہ اپنے مکان سے نہ آنے دیا۔ جب بالکل اطمینان اور بھروسا اس بلائے بے درماں کے نہ آنے سے ہو گیا تو آٹھویں دن آپ کو مجبوراً رُخصت کیا اور ایک گھوڑا صبا رفتار اور زرِ بے شمار بصد اصرار و تکرار آپ کی نذر میں پیش کیا۔ آپ نے بہت کچھ عذر و حیلہ اس کے قبول کرنے میں کیا مگر امیر کے اصرار و منت و خوشامد سے بقدرِ ضرورت سفرِ بیت اللہ کچھ خرچ اور گھوڑا لے کر وہاں سے رُخصت ہوئے۔

ایک دفعہ شہر سروئی میں کہ جو اجمیر شریف سے بارہ منازل پر واقع تھا گزر کیا۔ وہ شہر ایک کوہستانی سلسلہ میں تھا اور جا بجا عمیق نالوں اور دریاؤں سے وہاں کا راستہ نہایت پُرخطر اور ہولناک تھا۔ علاوہ ازیں سحر و ساحری کا چرچا اس نواح میں ازحد جاری و ساری سُنا جاتا تھا۔ ایک دن قیام سرکار کا اس شہر کی سرا میں ہوا۔ ایک جمعیت کثیر اس سرا میں مقیم تھی۔ منجملہ اس کے ایک عبدالمجید نامی رہزن بھی اس دن وہیں قیام پذیر ہوا تھا کہ بظاہر صورت ایک پارسا۔ مردِ مشیخت اور بہ سیرت باریا و رہزن تھا۔ بمصداق فرد:

بس جامۂ خوش کہ زیرِ چادر باشد　　　چوں باز کنی مادرِ مادر باشد

اس نے رسمِ نیاز کے حیلہ سے ایک ایک لڈو با تکلف جمیع حاضرین کو اس رات دیا۔ حتّٰی کہ چالیس لڈو جن پر سحر وم کیا ہوا تھا تمام سرا میں اسی طرح تقسیم کیے۔ اور خود ایک گوشہ سرا میں چھپ کر بیٹھ رہا۔ جن لوگوں نے لڈو پائے تھے فوراً کھا لیے، مگر سرکار نے ایک رومال میں لپیٹ کر رومال کو طاق پر رکھ دیا۔

القصّہ جب نصف رات گزر گئی اور سب مسافرانِ سرا گہری نیند سو رہے تو اس قزاق نے آواز دی کہ "اے لڈو اُٹھو اور تیاری سفر کی کرو۔ سحر کی تاثیر سے وہ لڈو مسافروں کے پیٹ سے آواز دینے لگے اور جواب میں کلمہ "لبیک" پکار اٹھے۔ اسی طرح وہ لڈو بھی جس کو سرکار نے رومال میں لپیٹ کر طاق پر رکھ دیا تھا بولا۔ سرکار یہ آواز سُن کر سخت متعجب و متحیر ہوئے۔ بعد اس کے وہ تمام مسافر کہ جنہوں نے لڈو کھائے تھے بیدار ہوئے اور اپنے اپنے مرکبوں پر سوار ہو کر چلے۔ سرکار یہ نیا واقعہ طلسم دیکھ کر پریشان ہوئے اور مشتاق ہوئے کہ دیکھیں اب کیا تماشہ نظر آتا ہے۔ چنانچہ خود اسی گروہ میں شامل و داخل ہو کر انہیں مسافروں کے ہمراہ چلے۔ ایک حصّہ راستہ کا طے ہوا تھا کہ وہ قزاق ٹھہرا اور اس طرح حُکم دیا کہ "اے لڈو اپنی اپنی سواریوں سے زمین کے اوپر اُتر آؤ"۔ لڈو "لبیک" کہتے ہوئے اپنے اپنے کھانے والوں کو گھوڑوں سے نیچے اتار لائے۔ اس وقت اس ساحر نے تلوار نیام سے نکالی اور کہا کہ اے لڈو اس وقت اپنی اپنی گردن اس تلوار سے کاٹو۔ سب لوگ بے قرار ہو کر تلوار کی طرف دوڑے۔ سرکار یہ حال دیکھ کر ضبط نہ کر سکے اور جلدی سے تلوار اس ساحر سے لے کر اس پر حملہ کیا اور اس کو زمین پر گرا کر اس کے سینے پر آ بیٹھے اور خنجر اس کی گردن پر رکھ دیا۔ اور فرمایا اگر اپنی جان کی خیر چاہتا ہے تو ان سب مسحورین کو ہوش میں لاؤ ورنہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو۔ اس وقت وہ راہزن خوشامد اور زاری کرنے لگا اور عرض کی ذرا توقف اور صبر فرمائیے اور مجھ کو امان دیجیے۔ آپ نے فرمایا جب تک یہ لوگ اپنے ہوش و حواس میں نہ آ جائیں

گے تیری رہائی نہیں ہو سکتی ہے۔ ہاں یہ اقرار کرتا ہوں کہ جب یہ لوگ بعافیت اپنی اپنی راہ چلے جائیں گے تو تجھے بھی چھوڑ دیا جائے گا اور کچھ ضرر نہ پہنچے گا۔ اسی طرح وہ ساحر آپ کی خوشامد و منت ایک پہر تک کرتا رہا، مگر آپ نے اس کو نہ چھوڑا اور اس کے سینے پر بدستور بیٹھے رہے۔ جب ایک پہر رات باقی رہی تو ان لوگوں کو کچھ کچھ ہوش آیا مگر طاقت بات کرنے کی نہ تھی۔ کچھ وقفہ کے بعد جب وہ لوگ بالکل اپنے ہوش و حواس میں آگئے تو سرکار کی طرف متوجہ ہوئے اور اس ساحر کی حالت اور آپ کا اس کے سینہ پر بیٹھنا دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ساحر ہے جس نے تم لوگوں کے ہلاک کرنے کو رات کے وقت لڈو سحر پڑھ کر دیئے تھے۔ باقی تمام کیفیت جو کچھ گزری تھی بیان فرمائی۔ جب حقیقتِ حال ان مسافروں کو اس ساحر کی معلوم ہوئی تو قصد اس کے مار ڈالنے کا کیا مگر سرکار نے سفارش کی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنی حفاظت میں لیا اور اس رہزن سے نجات دی، لہٰذا تم بھی اس کو نجات دو۔ وہ ساحر اگرچہ زورِ بازو میں سرپنجۂ شیر کے مقابل تھا مگر اس وقت سرکار پاک کے قبضۂ قدرت میں تھا اور لب تک نہ ہلا سکتا تھا۔

القصہ آپ نے اس کو رہا کیا۔ فی الفور وہ تائب ہو کر اپنے اس ناہنجار پیشہ سے ہمیشہ کے واسطے کنارہ کشی کی اور حضور کے شرفِ بیعت سے مشرف ہوا۔ آپ نے اس کو کچھ تعلیم اور تلقین تصوف کی اس توجہ سے سمجھا دی کہ اس جنگل سے پھر باہر قدم نہ نکالا اور تاحیات وہیں ذکرِ الٰہی اور مشاہدات غیر متناہی میں مصروف و مشغول رہا۔ اللہ اللہ کیا شان مبارک سراپا خیر و برکت سرکار وارث پاک کی تھی۔ فرد ؎

رہزن را بیک دم ساختی ابدالِ حق ؛ اے شاہ دین و دنیا برحال عاصی کن کرم

ایک دن حضور صبح ہونے سے کچھ قبل ہی ولولۂ حج بیت اللہ شریف میں سرگرم مسافرت ہوئے۔ جب آفتاب نکلا تمازت و حدّت نے غلبۂ پیاس پیدا کیا، آپ کو سخت تشنگی محسوس ہوئی، لیکن راستہ بیابانی اور ریگستانی تھا۔ آبادی، کنواں، تالاب، دریا کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اسی طرح صابر و شاکر برضائے الٰہی چلے جا رہے تھے کہ دور سے ایک بلندی پر کچھ آبادی نظر آئی، آپ ادھر بڑھے۔ ایک عورت ایک تخت پر بیٹھی ہوئی نظر آئی۔ اس کے گرد چند نوکر چاکر بھی مصروف خدمت دکھائی دیے۔ آپ کو تسکین ہوئی اور خیال کیا کہ یہاں پانی ضرور ہوگا۔ جب قریب پہنچے تو اس عورت نے بہت خاطر داری سے آپ کو بٹھایا اور ایک گلاس شربت کو آپ کو تیار کرکے دیا۔ اور طعام کے واسطے بھی کمال اصرار کیا کہ میرے نوکر کباب بنا رہے ہیں ذرا دیر توقف فرمائیے۔ دو چار لقمۂ کباب تناول فرما کر چلے جائیے گا۔ وہ عورت سرگروہ قزاقوں کی تھی اور اسی طرح مہمان داری کرکے مسافروں کو لوٹا کرتی تھی اور اس کے نوکر چاکر سب ڈاکو و رہزن تھے، مگر آپ کی نظر ذات پاک پروردگار عالم پر ہر وقت تھی کچھ بھی خوف و اندیشہ دل میں نہ آیا اور آپ اس کے اصرار پر چند ساعت کے واسطے ٹھہر گئے۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ ایک مار خونخوار اس درخت پر نمودار ہوا جس کے سایہ میں وہ عورت بیٹھی تھی۔ وہ سانپ درخت سے اُڑ کر اس عورت کے سر پر آیا اور اس کی گردن میں لپٹ کر پھر اس کے ہونٹوں میں چپک گیا۔ عورت مارے دہشت کے

بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ ایک ہنگامہ واویلا وہاں بلند ہوا اور تمام نوکر وچاکر رونے پیٹنے لگے، مگر وہ سانپ بدستور اس کے گلے میں حمال تھا۔ سرکار دُور سے یہ تماشہ بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں اس عورت کا شوہر آپ کے قریب آپ کو فقیر صُورت پاکر رونے وچلّانے لگا اور اس عورت کے پاس لے گیا۔ جب آپ وہاں پہنچے تو وہ سانپ اس کے گلے سے نکل کر اُتر گیا اور درخت پر جا بیٹھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ قسم اجنا ایک جنّ تھا۔ غرض کہ سانپ کے اُڑجانے کے بعد وہ عورت ہوش میں آئی۔ تمام حاضرین آپ کی کرامت دیکھ کر بدل وجان آپ کے معتقد ہوئے اور وہ عورت وشوہر اور اس کے تمام خویش واقارب آپ سے بیعت کے خواست گار ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ صدقِ دل سے اس قزاقی کے پیشہ کو ترک کرو اور ہمیشہ کے لیے توبہ کرو تو ہم مرید کریں گے۔ الغرض سب نے قسم کھائی اور نہایت خلوص وصدق سے آپ کی خدمت میں اقرار کیا کہ اب تمام عمر ہم اس پیشہ کو نہ کریں گے، چنانچہ آپ نے ان کو مرید کیا اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ اس روز ان تمام لوگوں نے سرکار کی دعوت بڑے تزک واحتشام سے کی اور سرکار کو چار دن مقیم رکھا۔ جب یہ خبر راجہ مان سنگھ والئ جوٹ پور کو پہنچی تو بہت خوش ہوا اور سرکار کی خدمت میں تحائف ونذریں روانہ کیں۔ آپ نے وہ سب مساکین کو تقسیم کرادیں اور راجہ کو کہلا بھیجا کہ ان لوگوں نے قزاقی سے توبہ کرلی ہے لہذا ان کا کچھ وثیقہ مقرر کر دیا جائے۔ راجہ نے ایک معقول نکاسی کا علاقہ سرکار کی سفارش اور تحریک سے ان کو عطا کیا کہ نسلاً بعد نسلاً اُن کے اور اُن کی اولاد کے قبضہ میں رہے۔

حضرت وارث پاکؒ کو شعروشاعری سے بھی مَس تھا۔ اکثر آپ مولانا رُوم اور شاہ نیاز اللہ نیازؔ کے اشعار کو گنگنایا کرتے تھے۔ خواجہ شبلی کا قول ہے " المحبتہ کتمان الاحوال "، یعنی محبّت کی یہ تعریف ہے کہ احوال کو پوشیدہ رکھا جائے۔ پرستاران صادق نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اپنے جذبات کو نظم کے پردہ میں اظہار کرنے لگے۔ جس کی ابتدا تو قصیدہ نما یا بصورت مثنوی ہوتی تھی، مگر آگے درپردہ طلبِ محبت یا کسی فرض پیرایہ میں اپنے واردات وکیفیات کا مجملاً تذکرہ یا تمثیلاً عنایت وپرورش کی استدعا پر اس کو ختم کرتے تھے۔ اور خوش قسمتی سے وہ ارادت مند اپنی اس کوشش میں اس لیے اُمّید سے زیادہ کامیاب بھی ہوئے کہ خود قبلہ عالم کو کلام منظوم پسندیدہ تھا۔ اس واسطے جناب حضرت اس کو بہ رغبت سماعت فرماتے تھے اور اسی طرح نکات شاعرانہ اور محاورات کی بندش کی داد دیتے تھے کہ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ آپ بہت بڑے نقادِ سُخن اور فن شاعری میں یدِطولےٰ رکھتے تھے۔ الغرض یہ طریقہ جو " بیک کرشمہ دو کار " کا مصداق تھا، مشتاقینِ وارثی کو اس قدر مفید معلوم ہوا کہ اکثر برادران طریقت نے مدحت سرائی شروع کر دی اور تھوڑے عرصے میں یہ کیفیت ہوگئی کہ دس بیس نظمیں روزانہ پیش ہونے لگیں اور حضور قبلہ عالم کی یہ شان بندہ نوازی بھی مستقل ہوگئی کہ عربی، فارسی، اُردو، ہندی کے قصائد اور غزلیات بکمال دلچسپی آپ سُنتے اور مسرور ہوتے۔ رفتہ رفتہ یہ طرزِ استدعا ایسا ترقی پذیر ہوا کہ آستانہ اقدس پر دو چار ناظم ہر وقت نظر آنے لگے مثلاً منشی خدا بخش صاحب وارثی متخلص شائق دریاآبادی جو سرکار عالم پناہ کے قدیم مداح اور نہایت پُرجوش حلقہ بگوش تھے آپ کے ابتدائی حالات وواقعات ضبطِ تحریر میں لائے۔

کہاں تک صبر آخر کوئی حد ہے ظلم اٹھانے کی
تمہیں تو جیسے عادت پڑ گئی ہے دل دکھانے کی

مرے صیاد اب آنکھیں قفس میں بند ہوتی ہیں
خدارا ایک تو جھلکی دکھا دے آشیانے کی

ستمگر، بے وفا، بے مہر وہ سب کچھ سہی ناصح
اٹھائیں گے اگر ہم کو غرض ہے ناز اٹھانے کی

رہے یارب یہی رخ چاندنی کا صحنِ گلشن میں
قفس پر پڑتی ہے پرچھائیں میرے آشیانے کی

سراج اب زخمِ دل ناسور کے پردے میں روتے ہیں
کبھی تقلید کرتے تھے کسی کے مسکرانے کی

---

کہاں پھر یہ دلِ شیدا کہاں گردش زمانے کی
ستا لیں خوب حسرت ہو جنہیں میرے ستانے کی

الٰہی خاک میری اُڑ کے پہنچے چشمِ دشمن تک
میرے مرنے پہ گردش کم ہو جائے زمانے کی

کوئی اس سوختہ قسمت کی حسرت کو ذرا دیکھے
جو تنکے چن رہا ہو روشنی میں آشیانے کی

---

ازل کیا ابتدا حسن و محبت کے ترانے کی
ابد کیا صرف اک بدلی ہوئی سرخی فسانے کی

ہماری زندگی بھی ایک فرصت تھی مگر کتنی
فقط رنگِ تمنا کے چڑھانے یا اڑانے کی

تڑپتی بجلیاں پھر خانہ بربادوں کے در پر ہیں
قفس کی خیر یارب ہو چکی خیر آشیانے کی

قفس ایک تار ہے تن ایک مٹی کا گھروندا ہے
حقیقت قید کی یہ ہے یہ ہستی قید خانے کی

ہماری زندگی بد مستیوں کا دور تھی بے خود
ادھر ہو کر نہیں نکلی تمنا ہوش آنے کی

---

خدا رکھے وہ برکت ہے کسی کے آستانے کی
فرشتوں کو جہاں پر آرزو ہے سر جھکانے کی

یہ میں کیونکر کہوں مجھ کو عبث پیدا کیا لیکن
بنانا میرا اک تمہید ہے گویا مٹانے کی

ہوئے ہم حاملِ بارِ امانت کیا کلیجہ ہے
جو سچ پوچھو تو یہ شے تھی ہمارے ہی اٹھانے کی

نہ پوچھو سرگزشتِ عاشقِ ناشاد محشر میں
بڑی اک داستاں ہے دل کے آنے جانے کی

منیر اتنا بھی عجز و انکسار اچھا نہیں ہوتا
کہیں پامال کر ڈالے نہ رفتار اس زمانے کی

---

خدا محفوظ رکھے ان کو چشمِ زخمِ عالم سے
نگاہیں پڑ رہی ہیں انہیں پہ اک زمانے کی

مرے ارماں نے مجھ کو پیس ڈالا آسماں بن کر — فلک کو آرزو ہی رہ گئی میرے مٹانے کی
خدا کے واسطے اے موت دم بھر اور مہلت دے — ابھی امید کچھ باقی ہے اس ظالم کے آنے کی

---

# وارث پاکؒ پر شائع ہونے والی کُتب

## انگریزی:

(۱) اے نائنٹینتھ سینچری سینٹ (سیّد افتخار حسین کاکوروی)
(۲) الوارث (حاجی غفور شاہ وارثی) (۳) فزیکل آف اسلام (بشر حسین قدوائی)

## ہندی:

(۱) سرکار وارث پاک (رام کشور گپتا۔ بارہ بنکی) (۲) وارث گن پرکاش (حاجی اوگھٹ شاہ وارثی)

## اُردو/فارسی:

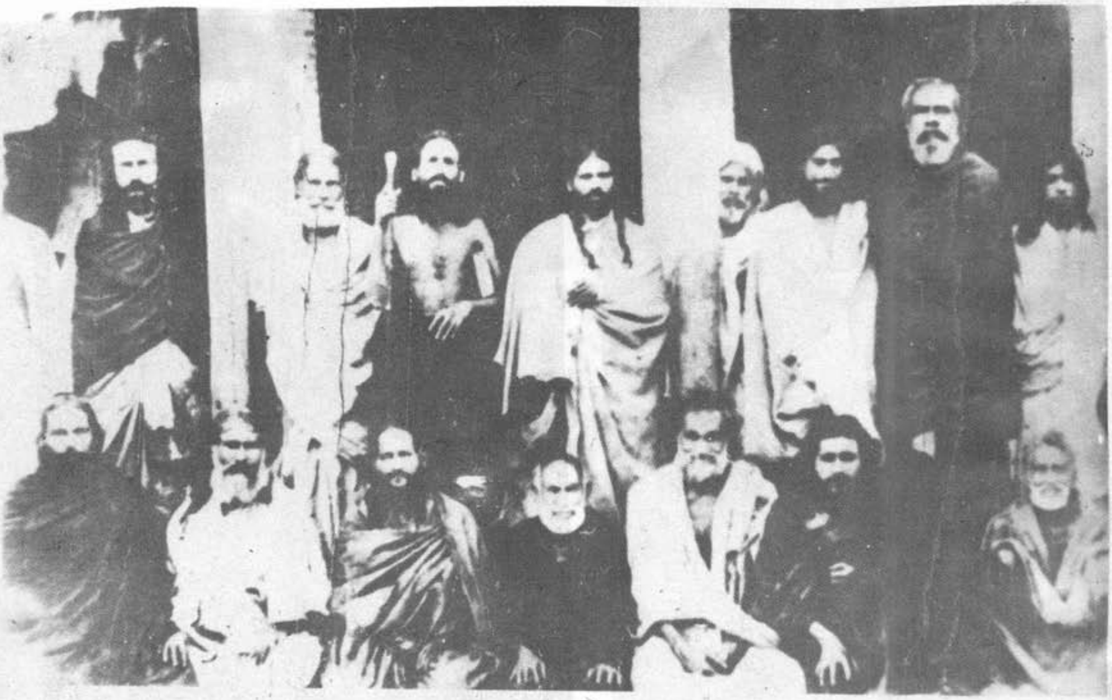
(۱) مشکوٰۃ حقانیت (شیخ فضل حسین صدیقی الوارثی اٹاوی) (۲) دانائے راز (سردار احمد علیگ)
(۳) ضیاء الوارث (حاجی مولانا محمد ابرار حسین فاروقی) (۴) عین الیقین (حکیم عبدالله شاہ تحیرؔ وارثی)
(۵) تذکرہ وارثؒ (شہاب چشتی صابری اکبر آبادی) (۶) پیغامِ اتحاد (حیات وارثی)
(۷) کلید معرفت المعروف بزم فاروقی (مہتاب شاہ وارثی) (۸) ارمغانِ وارث (مولانا افقر موہانی وارثی)
(۹) سیّد السادات (قلمی) (سید ناظم علی کنتوری رسول پور) (۱۰) ندائے غیبی (محبوب شاہ وارثی ہندی العربی)
(۱۱) سیرت وارثی (۱۲) جلوہ وارث (پنڈت دیندار شاہ وارثی) (۱۳) تحفۃ الاصفیاء (۱۴) سیرت السادات
(۱۵) خیر الوارثین (میاں عطاء اللہ ساگر وارثی) (۱۶) گلزارِ وارث (پنڈت دیندار شاہ وارثی)
(۱۷) اُنیسویں صدی کا ایک خدا رسیدہ بزرگ (ترجمہ: خاں بہادر جعفر علی خاں لکھنوی)
(۱۸) سرکار وارث پاک (سلطان حمید وارثی) (۱۹) حبیب وارث (۲۰) کرشمۂ وارث (۲۱) تنبیہ القول (قلمی)
(۲۲) حیات وارث (قلمی) (سیّد اعجاز احمد ہاشمی) (۲۳) برکت وارثی (۲۴) آئینہ وارث (خاں اسد وارثی)
(۲۵) معارف وارثیہ (۲۶) توصیف وارث (رضی احمد شیخ) (۲۷) وسیلۂ بخشش (قاضی بخشش علی)
(۲۸) تعارف جمعیتہ العاشقین (میاں بیدم شاہ وارثی) (۲۹) حیاتِ وارث (مرزا ابراہیم بیگ شیدا وارثی)
(۳۰) ظہورِ قدسی (عنبر شاہ وارثی)

---

## جن کتابوں اور رسائل سے استفادہ کیا گیا


**رسائل:** (۱) ماہنامہ "صوفی" لاہور اگست ۱۹۲۱ء اپریل، جون، ستمبر ۱۹۱۹ء اپریل ۱۹۲۰ء دسمبر ۱۹۲۷ء
(۲) ماہنامہ "پیام یار" لکھنؤ جولائی ۱۸۸۷ء (۳) ماہنامہ "آجکل" دہلی، دسمبر ۱۹۶۶ء جولائی ۱۹۶۸ء
(۴) ماہنامہ "عالمگیر" لاہور عید نمبر ۱۹۳۶ء (۵) ماہنامہ "نیرنگ خیال" لاہور مئی ۱۹۳۰ء
(۶) ماہنامہ "زمانہ" کان پور اکتوبر ۱۹۳۹ء جنوری ۱۹۲۶ء جنوری ۱۹۴۹ء (۷) ماہنامہ "منادی" نئی دہلی، جلد نمبر ۳۸ شمارہ نمبر ۳
(۸) ماہنامہ "شاعر" آگرہ دسمبر ۱۹۲۸ء، ستمبر ۱۹۳۷ء اکتوبر ۱۹۳۸ء (۹) ماہنامہ "ندیم" گیا، جون، اگست ۱۹۴۳ء، ۱۹۴۰ء (بہار نمبر)
(۱۰) "سلک مروارید" لکھنؤ (۱۱) علم مجلس حصہ پنجم، ہفتم (۱۲) اردوئے معلّٰی علی گڑھ نومبر ۱۹۱۲ء، فروری ۱۹۲۶ء
(۱۳) ماہنامہ "نعت" (مختلف شمارے) ایڈیٹر راجا رشید محمود، ایم اے (۱۴) "الوارث" کراچی
(۱۵) ماہنامہ "سہیل" علی گڑھ، جنوری ۱۹۳۶ء (۱۶) ہفت روزہ "اخلاص" پیلی بھیت، وارث پاک نمبر، اکتوبر ۱۹۷۵ء
(۱۷) ماہنامہ "مشورہ" آگرہ نمبر جولائی ۱۹۳۶ء (۱۸) "شاعر" بمبئی ۱۹۵۷ء (۱۹) "الناظر" لکھنؤ مارچ ۱۹۳۵ء
(۲۰) "شبستان اردو ڈائجسٹ" نئی دہلی، فروری ۱۹۶۹ء (۲۱) "صبح امید" لکھنؤ، دسمبر ۱۹۱۹ء (۲۲) "ریاض" لکھنؤ اپریل ۱۹۲۰ء
(۲۳) "شباب اردو" امرتسر جون جولائی ۱۹۳۱ء (۲۴) "مخزن" لاہور، مارچ، نومبر ۱۹۱۳ء (۲۵) "صحیفۂ وارث" ۱۳۳۶ھ (دیوی شریف)
(۲۶) "جلوہ گاہ" لکھنؤ (۲۷) ماہنامہ "منادی" جلد نمبر ۳۹ شمارہ نمبر ۶-۷ (۲۸) "حامئ سخن" (بمبئی، ۱۹۲۵ء)
(۲۹) "کمال" (دہلی، جنوری ۱۹۱۲ء)

**کتابیات:**
(۱) "یادگارِ نادم" (رحیم شاہ وارثی) (۲) "فیضان وارثی" (اوگھٹ شاہ وارثی) (۳) "حیاتِ وارث" (مرزا ابراہیم بیگ شیدا وارثی)
(۴) "مشکوۃ حقانیہ" (مولانا فضل حسین صدیقی وارثی) (۵) "دیوان قیصر" (سید عبد الغنی قیصر وارثی) (۶) مصحف بیدم (میاں بیدم شاہ وارثی)
(۷) "جگر پارہ" (میاں بیدم شاہ وارثی) (۸) "تعارف وارثیہ" (میاں بیدم شاہ وارثی) (۹) دیوان ابر (مختلف) ابر شاہ وارثی
(۱۰) "نذر خدا — دیوان مضطر خیر آبادی (سید محمد افتخار حسین) (۱۱) "الہامات" (مضطر خیر آبادی) (۱۲) "مسلم شعرائے بہار (جلد دوئم، سوئم، چہارم) حکیم سعید احمد اللہ (۱۳) "کون جیتا کون ہارا" (میر ولی وارثی) (۱۴) "دیوانِ تحیر" (حکیم سید عبد الآد شاہ وارثی)
(۱۵) "عکسِ حیرت" (میاں حیرت شاہ وارثی) (۱۶) "نقشِ حیرت" (میاں حیرت شاہ وارثی) (۱۷) "میلادِ اکبر" (خواجہ اکبر شاہ وارثی)
(۱۸) "شمس الضحیٰ" (قمر وارثی) (۱۹) "معطر معطر" (ستار وارثی) (۲۰) "نعت حامد" (حامد وارثی) (۲۱) "ریاض رضوان" (ریاض خیر آبادی)
(۲۲) ارمغانِ نعت (شفیق بریلوی) (۲۳) نغمۂ نور (علامہ حامد الوارثی) (۲۴) کرشمۂ وارثی المعروف صوتِ سرمدی (میاں بیدم شاہ وارثی)
(۲۵) نظر گاہ (سید افقر موہانی وارثی) (۲۶) حدیثِ معرفت (عزیز وارثی) (۲۷) محراب (عزیز وارثی) (۲۸) نغمۂ محبوب (محبوب احمد وارثی)
(۲۹) نعتِ حبیب (محمد سعادت حسین خاں وارثی شیدا) (۳۰) انجمنِ یادگارِ آرزو (وصی احمد صاحب انگر) (۳۱) ورقہ (سعید وارثی)
(۳۲) گلدستۂ حذاقت (فقیر سرور شاہ وارثی) (۳۳) جنّت کا نغمہ (حاجی باب اللہ خاں اشرفی)
(۳۴) نعتیں و سلام (محمد پالن حقانی - گجراتی) (۳۵) گنجینۂ نعت و مناقب (شاد قادری)



کھڑے ہوئے دائیں طرف : طالب شاہ وارثی ۔ عزیب شاہ وارثی ۔ لونگ شاہ وارثی ۔ فیضو شاہ وارثی
بکی شاہ وارثی ۔ حافظ پیاری شاہ وارثی ۔ تارر شاہ وارثی ۔ بیدم شاہ وارثی
حافظ حسن خان وارثی
بیٹھے ہوئے دائیں طرف : نوازش شاہ وارثی ۔ بگڑے دل شاہ وارثی ۔ نصیحت شاہ وارثی ۔ رحیم شاہ وارثی
سید معروف شاہ وارثی ۔ سردار شاہ وارثی ۔ حکیم عبدالآد شاہ وارثی



باں اوگھٹ شاہ وارثی



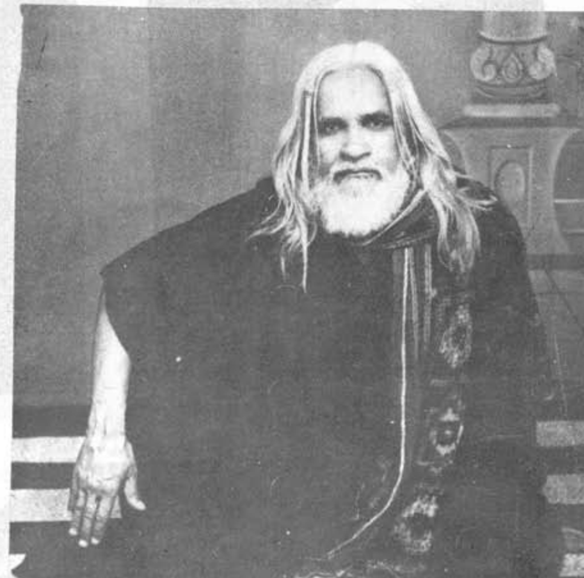
ابوالحسن شاہ وارثی



دائیں طرف سے ، امیر صابری ، میاں ساگر وارثی ، محمد شفیع ، خواجہ یعقوب وارثی ، منور شاہ وارثی ، عبد الرب وارثی



عنبر شاہ وارثی



پنڈت نایاب شاہ وارثی (دیوہ شریف)



میاں عطاء اللہ ساگر وارثی (صاحبِ تصنیف)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# نادم وارثی

آپ کی بیعت و احرام پوشی حضرت وارث پاک علیہ الرحمۃ سے تھی اور کافی عرصہ تک حضرت وارث پاکؒ کے خادم خاص کے ممتاز عہدے پر مامور رہے۔ سرکار عالم پاک کی مدحت سرائی کے پردہ میں ہمیشہ جذباتِ قلبی کا اظہار زبان بھاکا میں کیا حتّٰی کہ سرکار پاک کی اجازت سے اپنا تخلص "نادم" رکھا اور آپ کی تصانیف کا مجموعہ ۱۳۱۵ھ میں طبع ہوا جو "یادگار نادم" کے نام سے مشہور ہے۔

## نمونۂ کلام

جل کے اوپر بھم بچھایو پر تھی دیہو بسائی　　بنا ٹیک لے گنگن پھرایو یک چھن تھہر رہائی
پانی۔ پون۔ اگن اور کھیا، دینو ایک ملائی　　چاریو کا لے پنڈ بنایو، تہہ بیچ گئیو سمائی
جوگی بن کے جوگ کیئو ہے تپسی بن تپ لائی　　سنتن کے تت سنگ رہت ہو انت کیئو نہیں پائی
گھٹ سے جب پرگھٹ ہووے وارث دینو درس دکھائی　　نرکھٹ موہ گیئو من نادم نینن صورت سمائی

---

سُندر رُوپ سلونے نیننا　　جہہ چتوت تہہ مارت کٹاری
کتنو دہائے گرت چرنن پر　　کتنو آئے کے سمرت جوہاری
نادم جیا ترسے بن درشن　　کب درشن دیہین موہن مراری

---

وارث موری نیا کے تمہیں رکھوار

اگم اتھاہ بہیم کی ندیا جور بہت ہے دھار　　تہہ بیچ آئے پڑے بن کھیوٹ کوئی نہ سبھارن ہار
لکھ لکھ لہرا پار سمندر کی ڈر لاگے ادھکار　　جیا لرجے تن تھر تھر کانپے من نہیں پکڑے کرار

---

(حیات وارث۔ مرزا شیدا وارثی)

## بھاگ

کتھوں ملی ہر کی سُدھ ناہیں ۔۔۔ ہیر لے آون تہ جائے
ناجانوں دھون کب ہر جائے ۔۔۔ دیے ہیں درس دکھلائی
کوئی سوت سنگ پیت لگائی ۔۔۔ ہمری سورت بسرائی
نادمؔ چھن چھن برہ ستاوے ۔۔۔ پیا وارث بن آئی

---

(دگئی موری سیجیا پہ بندیا ہرائی)

کیتنوں کھوج کیوں نہیں پایوں ۔۔۔ کرون اب کون اوپائے
سن ہے ساس رکھ ہے رس ناہیں ۔۔۔ بجے ہے نندیا رسائی
ان چن اور کوؤ نہیں آیو ۔۔۔ گد لے کون چرائی
بارا دیو مورا جلم کا بیری ۔۔۔ من مورا تہ کاسو گائی
نادمؔ لاج رکھے پیا وارثؒ ۔۔۔ گیون جبہ ہاتھ بکائی

---

## پرَج

بن کے جوگن ہر نگر نگر ۔۔۔ ہر ہیر پھر دن سکھی سب گھر گھر
بن کنتھ پنتہ نہیں سوجھ پڑت ۔۔۔ پگ دہرت کنپت دہیاں دھر دھر
دینھوں سیّاں پہ وار سور ہو سنگار ۔۔۔ پھوڑیوں کر کے چوریاں سگری کر کر
نادمؔ پیا وارثؒ کو لاؤ منائی ۔۔۔ چرنن پراون کے سیس دھر دھر

---

## ہولی

(نہ جانوں کیسے مُرلی دیکھو موہن نے بجائی)

دہن سن گیو من میرو ۔۔۔ تن کی سُدھ بسرائی
ہوتی باور نکسی مندر سے ۔۔۔ بن جوگن بن دہائی
نادمؔ جیا لے گیو ہر وارثؒ ۔۔۔ پیا درشن دکھلائی

## پوربی

پیا وارثؔ اب درس دکھاؤ جیا ترست ہے ہمار ہو    ترے نام کی کرت ہوں سمرن نسدن سانجھ سکار ہو
ایک گھڑی پل چھن نہ بساروں ہٹی پرکھ رکھوں ادھار ہو    بھوساگر مان بن گن نیا بورٹ ہے لیہو او بھار ہو
کھیوٹ بن کے نیم دھرم سے کشتی لگاؤ وہ پار ہو    آن ملو ہر اپنے میاں سے دایا کرو ایک بار ہو
کہہ بہنیاں گر چرن لگاؤ نادمؔ ہے داس تمہار ہو

---

## ہولی

دیکھو جے گویاں پھاگن کی رت آئی    سیاں بن کے سنگ کھیلون جائی
رنگ کے راگ سکھی سب گادیں    گھر گھر دھوم مچائی
رچ رچ چاچر لاگن دہماری    ڈھول دف جھانجھ بجائی
وارث پیا بن جیا مورا نادمؔ    ہلس ہلس رہ جائی

---

جاؤ جاؤ موہن موسے اب نہ لگاؤ نینوان

بار بار برجوری کرت ہو چھوت ہو بار بے جوبنوان    جاؤ چلے جن رار بڑھاؤ مانو ہمرا کھنوان
سن پے ہیں کہون نگر کے لوگوا گھر گھر رہین بکھانواں    ساس نندیا بولن مرہیں سنگ کی سکھی دہیں تنوان
جو کوؤ نیہہ کرے پیا تم سے آپن کھوئے پرنوان    روئے روئے نسدن تن جارے ساجن ترے کرنوان
نادمؔ ہر وارث ہر جائے ان کا ہے کون ٹھکنوان    جائے پریت کھول انتے لگائے ہم سے کر کے بہنوان

جاؤ جاؤ موہن موسے اب نہ لگاؤ نینوان

---

(وارث نام کی میں بلہارو)

نرمل رنگ صورت من موہنی    روپ ہے جگ سے نیارو
کاٹ کٹیلے دوؤ نین رسیلے    مدھ سے بھرے متوارو
بن انجن رہیں کارو

ایسے میت سے پریت کیؤ    جن تن دھن دو کو لٹارو
دُور بھیؤ تن سے دکھ دارو    سکھ او پچیو ادھ کارو

بسر گیؤ اوگن سارو
پران نچھاور کر دیُو آپن سیس چرن پر ڈارو
نادم ہر درشن دکھلاؤ ہوی پرشن ایک بارو
سرن اب آئی تہارو

---

# فضیحت شاہ وارثی

حضرت فضیحت شاہ وارثی کا خاندانی نام ظہور علی تخلّص فضیحتؔ اور والد ماجد کا نام دیوان نور علی صاحب ہے۔ موضع بازید پور ضلع گیا وطن۔ آپ کا خاندان بیٹی کی طرف سے محمود شاہ صاحب بازید پوری سے تعلق رکھتا ہے جس کے افراد خاندان بکثرت پھیل گئے ہیں۔ حضرت فضیحت وارثی کی بیعت حافظ سیّد وارث علی شاہ (دیوی شریف) سے ہے۔ بیعت حاصل کرنے کے بعد آپ فقیری کی طرف مائل ہو گئے۔ سرکار وارث پاک علیہ الرحمۃ کی طرف سے فضیحت شاہ وارثی نام رکھا گیا اور احرام پوش ہو گئے۔ بستی کے ایک صاحب سیّد طیّب حسین نے اپنے مکان کا بیرونی حصّہ ان فقراء کے لیے مخصوص کر دیا تھا جہاں حضرت بربادشاہ وارثی کی اقامت زیادہ رہتی تھی۔ اور اس اقامت گاہ کا نام اُنہوں نے "کٹّی" رکھ دیا تھا۔ حافظ پیاری صاحب وارثی علیہ الرحمۃ بھی اس کٹّی میں ٹھہرا کرتے تھے۔ حضرت فضیحتؔ شاہ وارثی کا وصال ۱۹۱۶ء میں ہوا۔ مزار اقدس بازید پور میں ہے۔ اور ہر سال ۲۸ ذوالحجہ کو عرس ہوتا ہے۔ آپ کے تین لڑکے تھے۔ (۱) سیّد ابوالحسن (۲) سیّد علی کریم (۳) سیّد مہدی حسن۔ آپ کا کلام میجر سیّد آفتاب حسن صاحب ایم۔ ایس، اے کے پاس قلمی نُسخہ کی صُورت میں موجود ہے۔

## نمونۂ کلام

ہمارے گھر میں آ کر یار اٹکا؛ رقیبوں کی نظر میں خار اٹکا
قلابازی کرے کیا میرے آگے رقیب روسیہ بچہ یہ نٹ کا
خجل ہو کر رہ گیا ہے ساقی بھی چلا آگے مرے بس کا نہ لٹکا
یہ کوچہ عشق کا مشکل ہے ایسا کہ زاہد آ کے اس رستے سے بھٹکا
فضیحتؔ پیتے ہی زاہد نے اک جام
عمامہ پاؤں پر ساقی کے پٹکا

ازل سے ہوا ظاہر آثارِ عشق　　ابد تک رہے یہ آزارِ عشق
یہ منصور بولا سرِدار عشق　　میں سر دے ہوتا ہوں سردارِ عشق
گرا ہے چاہِ بابل میں ہاروت بھی　　فرشتوں سے رکھتا نہیں وارِ عشق
یہ معصوموں کو بھی نہیں چھوڑتا　　ولی اور نبی ہیں گرفتارِ عشق
نہ باور ہو تو سورہ یوسف پڑھو　　خدا کی زباں پر ہے اذکارِ عشق

---

تم سا دیکھا نہیں خدائی میں　　دلنوازی میں دلربائی میں
دل ہو آزردئے دید کی نظر　　گیا ایمان رونمائی میں
دین و ایمان پر گری بجلی　　لگ گئی آگ پارسائی میں

---

بزمِ گل میں وہ گلعذار نہیں　　فصلِ گل ہے مگر بہار نہیں
کون سا دل ہے درد سے خالی　　کون سا دیدہ اشکبار نہیں
کر فضیحت رہِ تجرد طے　　یہ وہ صحرا ہے جس میں خار نہیں

---

اے زکثرت بر رُخ وحدت نقاب انداختے　　طالباں را ازیں حجاب اندر عذاب انداختے
چوں مرا دیدی بروئے خود نقاب انداختے　　چہ حجابست ایں کہ خود را حجاب انداختے
گرچہ من مست و خرابم طاعتم را رد مکن　　چوں در ایں کارم بہ اُمید ثواب انداختے
از نگہ دزدیدہ و دزدیدی متاعِ جان و دل　　وز دو زلفِ عنبریں در پیچ و تاب انداختے
کیست در عالم کہ در دل طالبِ دیدار نیست　　تخمِ عشق اندر دلِ ہر شیخ و شاب انداختے
زاں تجلائے صفات تو کہ شد بر کوہِ طور　　موسیٰ عمران را در اضطراب انداختے
عاشقِ بے باک را باشد چہ خوف از یومِ حشر　　دفترِ اعمال مارا چوں در آب انداختے
آبروئم ریختے در بزمِ خود کردے خجل　　ایں بطِ بے پر تکال را بہ آب انداختے
شد فضیحت چوں گدائے کوئے تو در عشق تو　　ایں گدا را ازچہ رو در اضطراب انداختے

---

# سیّد معروف شاہ وارثی

حاجی سیّد معروف شاہ صاحب وارثی علیہ الرحمۃ دیوئ شریف ضلع بارہ بنکی یو۔پی بھارت کے باشندے تھے۔ رئیس زادے تھے۔ آپ کی بیعت اور احرام پوشی حضرت وارث پاک علیہ الرحمۃ کے دست حق پرست پر ہوئی۔ آپ کے آباؤ اجداد محمود غزنوی کی فوج کے ساتھ ہندوستان آئے تھے اور خاندان کرمانی کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کا سلسلہ بیعت وسیع پیمانہ پر جاری رہا۔ وصال شریف ۱۱ ربیع الاوّل ۱۳۴۶ھ بمطابق ۱۰ ستمبر ۱۹۲۶ء کو دیوئ شریف میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ فرمایئے :-

## سلامِ محبّت

السّلام اے مونس و غم خوار ما — السّلام اے دلبر و دلدار ما
السّلام اے مردم چشمانِ من — خون شدہ اے دیدۂ گریان من
السّلام اے یوسف کنعانِ من — السّلام اے دلبر جانانِ من
السّلام اے مظہرِ انوار حق — السّلام اے مصدرِ اسرار حق
السّلام اے وجہِ تسکین روئے تو — السّلام اے رُوح جانم بوئے تُو
السّلام اے معدنِ صدق و صفا — السّلام اے مخزن علم و حیا
السّلام اے جانِ من قربان تُو — ہر دو عالم تابع فرمانِ تُو
السّلام اے چشمِ پُر شرم و حیا — سوئے زنداں مے برد زلفِ دوتا
السّلام اے منزلِ ما کوئے تُو — میکشد آں خنجر ابروئے تُو
السّلام اے ابرِ رحمت السّلام — السّلام اے بحرِ شفقت السّلام
السّلام اے قوّتِ ادراک ما — السّلام اے مرہم و تریاک ما
السّلام اے درد تُو مارا دوا — خاک پایت بہر ما خاکِ شفا
السّلام اے قوّتِ بازوئے ما — دل شدہ از دست وازقابوئے ما
السّلام اے ماہِ تاباں السّلام — السّلام اے شاہِ خُوباں السّلام
السّلام اے وارثِ عالم پناہ — السّلام اے بیکساں را تکیہ گاہ
السّلام اے چارۂ بے چارگاں — السّلام اے مرہم دل خستگاں
السّلام اے نورِ چشم آرزو — خاک در ہجرت فشاں دم گو بگو

فرقتِ تو کرد عالم را تباہ — شد نصیب خادماں روزِ سیاہ
گشت ویراں خانۂ آباد ما — رحم کُن برنالہ و فریادِ ما
یاد باد آں حالتِ دیوانگاں — یاد باد آں خدمتِ دلدادگاں
یاد باد آں محفلِ شعر و سُخن — یاد باد آں مجلسِ اربابِ فن
یاد باد آں دعوتِ شیرازِ ما — یاد باد غیظ تو آں نازِ ما
یاد باد آں خندہ و آں طنطنہ — یاد باد آں نغمہ و آں زمزمہ
یاد باد آں شیوۂ جانانِ تو — یاد باد آں طرز و رنگ و گفتگو
ما کجاؤ تو کجا ذکرت کجا — اللہ اللہ نسبتِ شاہ و گدا
باد شاہا آبروئے ما توئی — جانِ ماہم گفتگوئے ما توئی
درفگن آتش بر ملک جانِ ما — زود کن از قیدِ غم مارا رہا
وارثا بنما جمالِ خویشتن — رحم کُن بر ما بحقِ پنج تن
قصۂ معروفؔ غمگیں اے صبا — وارساں در حضرت سلطانِ ما

کُن فنا در ذاتِ خود ما را تمام
ختم شد ایں قصہ اکنوں والسّلام

---

# میاں بیدم شاہ وارثی

حضور میاں بیدم شاہ وارثی علیہ الرحمۃ ۱۸۷۶ء میں بمقام اٹاوہ (نیا شہر) میں پیدا ہوئے۔ آپ کی علومِ رسمیہ کی ابتدائی اور آخری تعلیم اٹاوہ (یو۔ پی بھارت) ہی میں ہوئی۔ طبیعت میں شاعرانہ وجدان فطری طور پر ودیعت تھا۔ دوسروں کی غزلیں سُنتے اور گنگناتے رہتے۔ رفتہ رفتہ اس مشق نے ارتقاء کی منزلیں طے کیں اور خود شاعر بننے کی تمنّا ازلی آپ کو آگرہ لے گئی جہاں دوسرے احباب و اربابِ وطن بھی موجود تھے۔ جناب خواجہ آتش لکھنوی مرحُوم کے شاگردوں میں جناب وحید صاحب مانک پُوری گزرے ہیں۔ ان کے جانشین اور مقرب باکمال شاگرد سید نثار اکبر آبادی کا حلقۂ تلامذہ اس وقت آگرہ میں عروج پر تھا۔ آپ بھی اس حلقہ میں داخل و شامل ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد نغز گو شاعر کا درجہ حاصل کر لیا۔ اسی سلسلہ میں اُستاد کے فیضانِ صُحبت سے متأثر ہو کر سلسلۂ وارثیہ میں مرشدِ دوراں حضرت حاجی وارث علی شاہ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور احرام پوش ہو گئے۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد آپ "سراج الشعراء" اور "لسان الطریقت" کے خطاب سے مخاطب کیے جانے لگے جو اُن کی موجودہ شخصیت کے

شایانِ شان بھی تھا۔ آپ کو حضور مرشدِ دوراں، امام الاولیاء سیّد حاجی وارث علی شاہ کی خدمتِ بابرکت میں رہنے کا کافی سے زیادہ موقع حاصل رہا۔ آپ کو حاجی باباؒ سے والہانہ محبّت تھی۔ فقر و فاقہ کی زندگی میں بھی آپ کے کچھ معمولات تھے جو آخر وقت تک قائم رہے۔ بہ حیثیت شاعر مشاعروں میں عامیانہ شرکت سے ہمیشہ اجتناب رہا۔ بربنائے تعلّقات کبھی کبھی چلے بھی گئے، مگر وہ شاذ ہی۔ جب کوئی غزل یا منقبت کہی کسی کو سنانے سے پہلے آستانہ وارثی (دیویٰ شریف) پر حاضر ہو کر سنا آتے تھے پھر دوسروں کو سناتے تھے۔ تمام عمر کسی اہلِ دُنیا کی مدح سرائی نہیں کی اور نہ اس کی تعظیم کو سراہا۔ آپ ہمیشہ رات کے آخری حصّہ میں ذکر و فکر سے کبھی غافل نہیں رہے۔ ملنے والے سے ملنے میں سبقت کرتے اور وضع داری کے ہمیشہ پابند رہے۔ ؏

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

۱۹۰۵ء میں مرشدِ برحق امام الاولیاء حضور بندہ نواز وارثِ عالم پناہ نے اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف سفرِ آخرت فرمایا۔ اپنے مرشدِ برحق کے وصال فرمانے کے بعد آپ اکتیس سال زندہ رہے اور ۲۴، نومبر ۱۹۳۶ء میں خود بھی پردہ فرمایا۔ اِنّا لِلّٰہ وَاِنّا الیہ راجعون ؁ اور شاہ اویس کے گورستان دیویٰ شریف ضلع بارہ بنکی (یوپی) میں دفن ہوئے۔ آپ کی تاریخ وصال ۸، رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ بمطابق ۲۴، نومبر ۱۹۳۶ء ہے۔

---

# انوارِ تغزل

عدم سے لائی ہے ہستی میں آرزوئے رسولؐ
کہاں کہاں لیے پھرتی ہے جستجوئے رسولؐ

خوشا وہ دل کہ ہو جس دل میں آرزوئے رسولؐ
خوشا وہ آنکھ جو ہو محوِ حُسنِ روئے رسولؐ

تلاش نقشِ کفِ پائے مصطفےٰ کی قسم
چُنے ہیں آنکھوں سے ذراتِ خاکِ کوئے رسولؐ

پھر اُن کے نشۂ عرفان کا پوچھنا کیا ہے
جو پی چکے ہیں ازل سے مے سبوئے رسولؐ

بلائیں لوں تیری اے جذبِ شوق صلِّ علیٰ
کہ آج دامنِ دل کھنچ رہا ہے سوئے رسولؐ

شگفتہ گلشنِ زہراؓ کا ہر گلِ تر ہے
کسی میں رنگِ علیؓ اور کسی میں بوئے رسولؐ

عجب تماشا ہو میدانِ حشر میں بیدمؔ
کہ سب ہوں پیشِ خدا اور میں روبروئے رسولؐ

---

میرا دل اور میری جان مدینے والے
تجھ پہ سو جان سے قربان مدینے والے

باعثِ ارض و سما صاحبِ لولاک لما
عین صُورتِ حق انسان مدینے والے

بھر دے بھر دے مرے داتا میری جھولی بھر دے
اب نہ رکھ بے سرو سامان مدینے والے

کل کے مطلوب کا محبوب ہے معشوق ہے تو
اللہ اللہ رے تیری شان مدینے والے

اُڑتے آتی ہے تیری ذات ہر اک دکھیا کے
میری مشکل بھی ہو آسان مدینے والے

پھر تمنائے زیارت نے کیا دل بے چین
پھر مدینے کا ہے ارمان مدینے والے

تیرا در چھوڑ کے جاؤں تو کہاں جاؤں میں
میرے آقا میرے سلطان مدینے والے

سگِ طیبہ مجھے سب کہہ کے پکاریں بیدمؔ
یہی رکھیں میری پہچان مدینے والے

---

مرے آئینہ دل میں ہے پر تو روئے احمدؐ کا
سوادِ دیدہ میں پنہاں ہے سایہ اُس شہی قد کا

نشاں پُوچھا جو گُلشن میں کبھی نامِ محمدؐ کا
تو غنچوں نے دیا کھُل کر پتہ میم مشدّد کا

عجب شرینی ہے اس نام کی قربان ہو جاؤں
چمٹ جاتے ہیں لب جب نام لیتا ہوں محمدؐ کا

غش آیا طور پر موسیٰ کو حیرت ہو گئی طاری
جو دیکھا سامنے آئینہ رخسار محمدؐ کا

رہیں ابرار جنّت میں کہ جائیں خُلد میں زاہد
نہ چھُوٹے جیتے جی ہم سے مگر کوچہ محمدؐ کا

ہوئیں ہیں پردۂ اخفاء سے ساری مشکلیں آساں
لیا ہے جب کبھی مشکل میں ہم نے نام احمدؐ کا

ہمیں بھی غم نہیں کچھ تابشِ خورشید محشر سے
ہمارے سر پہ بھی سایہ ہے دامانِ محمدؐ کا

اسی حسرت میں مرتا ہوں اسی پر جان دیتا ہوں
کہ ہو جائے مجھے نظارہ اس پر نور گُنبد کا

اگر چشمِ بصیرت ہے تو چل کر دیکھ طیبہ میں
کہ کرتا ہے طواف ہر وقت چرخ اس سبز گُنبد کا

نہ مسجودِ ملائک حضرتِ آدم کبھی ہوتے
اگر پیشانی میں ہوتا نہ اُن کے نُورِ احمدؐ کا

کلیم اللہ سے پُوچھو کہ آخر غش ہوئے کس پر
جمال للّٰہی تھا وہ کہ جلوہ تھا محمدؐ کا

تمنائیں دلِ افسردہ کی دل ہی میں رہتی ہیں
شکارِ دامِ مجبوری ہے ہر ارماں مقید کا

سفر طیبہ کا اور اس درجہ ضعف و ناتوانی پر
خدا حافظ ہے اے بیدمؔ تمہارے شوقِ بے حد کا

ممنون ساقیا ترا ہر بادہ خوار ہے — عمرت دراز باد کی ہر سو پکار ہے
وہ پیر میرا وارثِ عالی وقار ہے — پروانہ وار جس پہ زمانہ نثار ہے
دل کو نہ چین ہے نہ جگر کو قرار ہے — یارب یہ کس بلا کی شب انتظار ہے
کیا اُس نے دیکھ لی کہیں رفتارِ یار ہے — اِٹھلا کے چل رہی ہے جو نسیمِ بہار ہے
دِل مضطرب ہے اور جگر بے قرار ہے — محشر کا روز ہے کہ شبِ انتظار ہے
اس زُلف و رُخ کی مجھ کو زیارت نصیب ہو — حق سے دُعا یہی مری لیل و نہار ہے

بیدمؔ وصال میں جو پلائی تھی یار نے
اب تک اُسی شراب کا باقی خمار ہے

---

کاش مجھ پر ہی مجھے یار کا دھوکا ہو جائے — دید کی دید تماشے کا تماشا ہو جائے
دیدۂ شوق کہیں راز نہ افشا ہو جائے — دیکھ ایسا نہ ہو اظہارِ تمنّا ہو جائے
آپ ٹھکراتے تو ہیں قبر شہیدانِ وفا — حشر سے پہلے کہیں حشر نہ برپا ہو جائے
آپ کا جلوہ بھی کیا چیز ہے اللہ اللہ — جس کو آ جائے نظر وہ بھی تماشا ہو جائے
شرم اس کی ہے کہ کہلاتا ہوں کشتہ تیرا — زندہ عیسیٰ سے ہو جاؤں تو مرنا ہو جائے
دُور ہو جائیں جو آنکھوں سے حجاباتِ دوئی — پھر تو کچھ دوسری دُنیا میری دُنیا ہو جائے
اس کی کیا شرم نہ ہو گی تجھے اے شانِ کرم — تیرا بندہ جو تیرے سامنے رسوا ہو جائے

تو اسے بھول گیا وہ تجھے کیونکر بھولے
کیسے مُمکن ہے کہ بیدمؔ بھی تجھی سا ہو جائے

---

## شانِ وارث

ہے آئینہ پنجتن شانِ وارث — مَیں قربان وارث مَیں قربان وارث
زمین تابع حُکمِ سرکار دیوہ ! — ہیں ساتوں فلک زیرِ فرمانِ وارث
مرا کیا بگاڑے گا خورشید محشر — مرے سر پہ ہے ظلِّ دامانِ وارث

کوئی میری آنکھوں سے دیکھے تو دیکھے — ہے ہر شکل میں جلوہ گر شانِ وارث
نہ شاہی نہ شاہنشہی کی تمنّا
ہے بیدمؔ غلامِ غلامانِ وارث

---

ابنِ حسینؓ و آلِ نبیؐ وارث علی — چشم و چراغ مرتضویؓ وارث علی
اے ہاشمی و مُطلبی وارث علی — اے جانشین مصطفوی وارث علی
جانِ بتولؓ و روح نبیؐ دلبرِ حسینؓ — سروِ ریاضِ پنجتنی وارث علی
حل کر دے مشکلیں مری حلّالِ مشکلات — ہم شکل و ہم شبیہ علیؓ وارث علی
سو جان سے بیدمؔ خستہ ترے نثار
اے روح و راحت قلبی وارث علیؒ

---

کاش مری جبین شوق سجدوں سے سرفراز ہو — یار کی خاکِ آستاں تاج سرِ نیاز ہو
ہم کو بھی پائمال کر عمر تری دراز ہو — مست خرام ناز ادھر مشقِ خرام ناز ہو
چشم حقیقت آشنا دیکھے جو حُسن کی کتاب — دفترِ صد حدیثِ راز ہر ورقِ مجاز ہو
سامنے روئے یار ہو سجدہ میں ہو سرِ نیاز — یونہی حریم ناز میں آٹھوں پہر نماز ہو
اُس کے حریمِ ناز میں عقل و خرد کو دخل کیا — جس کی گلی کی خاک کا ذرہ جہانِ راز ہو
تیری گلی میں پا کے جا، جائے کہاں تیرا گدا — کیوں نہ وہ بے نیاز ہو تجھ سے جسے نیاز ہو
بیدمؔ خستہ ،ہجر میں بن گئی جان زار پر
جس نے دیا ہے دردِ دل کاش وچارہ ساز ہو

---

بیگانگیٔ دل کے افسانے کو کیا کہیے — اپنا نہ ہوا اپنا بیگانے کو کیا کہیے
جب دونوں ہی روشن ہیں اک تیری تجلّی سے — پھر کعبہ تو کعبہ ہے بت خانے کو کیا کہیے
اُن مست نگاہوں کی تاثیر معاذ اللہ — گردش میں زمانہ ہے پیمانے کو کیا کہیے

اے مشعلِ بزمِ دل وائے شمعِ حریمِ جاں — سب تجھ پہ تصدق ہیں پروانے کو کیا کہیے
آتے ہیں ستانے کو جاتے ہیں رلانے کو — اس آنے کو کیا کہیے اس جانے کو کیا کہیے
فرقت میں جدھر دیکھو وحشت ہی برستی ہے — جب گھر کا یہ عالم ہے ویرانے کو کیا کہیے
وہ رو کے مرا بیدمؔ دامن سے لپٹ جانا
اور اُن کا یہ فرمانا دیوانے کو کیا کہیے

---

اُن کے ناوک آکے سینہ میں مرے کیا دیکھتے — دل کے ہر گوشہ میں ارمانوں کی دُنیا دیکھتے
لُطف تو جب تھا کہ ہم تو دیکھتے اُن کا جمال — اور ہماری بے خودی کا وہ تماشا دیکھتے
قافلے پہنچے ہزاروں منزلِ مقصود تک — ہم اکیلے رہ گئے نقش کفِ پا دیکھتے
دیدِ گل کے واسطے بُلبُل کی آنکھیں چاہییے
قیس کی آنکھوں سے بیدمؔ حُسنِ لیلیٰ دیکھتے

---

اپنی ہستی کا اگر حُسن نمایاں ہو جائے — آدمی کثرتِ انوار سے حیران ہو جائے
تم جو چاہو تو مرے درد کا درماں ہو جائے — ورنہ مشکل ہے کہ مشکل مری آسان ہو جائے
تو جو اسرارِ حقیقت کہیں ظاہر کر دے
ابھی بیدمؔ رسن و دار کا ساماں ہو جائے

---

نہ نکلے ہیں نہ یوں نکلیں تمہارے تیر کے ٹکڑے — رکھو سینہ پہ زانو اور نکالو چیر کے ٹکڑے
مرے سینہ میں دل ہی کا پتہ ملتا نہیں مجھ کو — میں اپنے دل کو ڈھونڈوں یا تمہارے تیر کے ٹکڑے
تبرک ہو گیئں کٹتے ہی ساری بیڑیاں میری — کہ مجنوں لینے آیا نجد سے زنجیر کے ٹکڑے
دمِ آخر ترا دیوانہ تڑپا ہے کہ زنداں میں — پڑے ہیں جا بجا ٹوٹی ہوئی زنجیر کے ٹکڑے
سراپائے شہیدِ کربلا ہے مصحفِ ناطق
ہیں بیدمؔ پارۂ قرآں تنِ شبیر کے ٹکڑے

بلاکِ تیغ جفا یا شہید ناز کرے
ترا کرم ہے جسے جیسے سرفراز کرے
مرے کریم جو بے مانگے تجھ سے پاتا ہو
وہ جا کے کیوں کہیں دست طلب دراز کرے
بنائے زندۂ جاوید یا رکھے بیدمؔ
مرے سر آنکھوں پہ جو کچھ نگاہِ ناز کرے

---

یہ ساقی کی کرامت ہے کہ فیضِ مے پرستی ہے
گھٹا کے بھیس میں مے خانہ پر رحمت برستی ہے
وہاں ہیں ہم جہاں بیدمؔ نہ ویرانہ نہ بستی ہے
نہ پابندی نہ آزادی نہ ہشیاری نہ مستی ہے
ہر اک ذرہ میں ہے انی انا اللہ کی صدا ساقی
عجب مے کش تھے جن کی خاک میں بھی جوشِ مستی ہے
خدا رکھے دلِ پُرسوز تری شعلہ افشانی
کہ تو وہ شمع ہے جو رونقِ دربارِ ہستی ہے

---

گلی کو ہم تری دارالاماں سمجھتے ہیں
یہ وہ زمیں ہے جسے آسماں سمجھتے ہیں
انہیں حرم سے غرض ہے نہ دیر سے کچھ کام
جو اپنا قبلہ ترا آستاں سمجھتے ہیں
ہمارے ساقی کو کہتے ہیں شیخ اہلِ حرم
جو بادہ نوش ہیں پیرِ مغاں سمجھتے ہیں
دیے تو ترکِ محبت کے مشورے سب نے
مگر یہ حضرت بیدمؔ کہاں سمجھتے ہیں

---

یاد نے تیری کیا مجھ سے فراموش مجھے
اب تو ڈھونڈیں سے بھی پائیں نہ مرے ہوش مجھے
ہر لبِ زخم سے دیتا ہوں دعائیں ان کو
پھر بھی کہتے ہیں وہ احسان فراموش مجھے
وقت آخر ہے چلے آؤ زیارت کر لوں
پھر خدا جانے رہے یا نہ رہے ہوش مجھے
اللہ اللہ رے مرا شوقِ شہادت بیدمؔ
اُن کی سرکار میں لایا ہے کفن پوش مجھے

---

جستجو کرتے ہی کرتے کھو گیا        اُن کو جب پایا تو خود گم ہو گیا
کیا خبر یارانِ رفتہ کی ملے        پھر نہ آیا اس گلی میں جو گیا
جب اٹھایا اُس نے اپنی بزم سے        بخت جاگے پاؤں میرا سو گیا
مجھ کو ہے کھوئے ہوئے دل کی تلاش        اور وہ کہتے ہیں کہ جانے دو گیا
خیر ہے کیوں اس قدر بے تاب ہیں        حضرت دل آپ کو کیا ہو گیا
وہ مری بالیں سے آکر پھر گئے        حاگ کر میرا مقدر سو گیا

آج پھر بیدمؔ کی حالت غیر ہے
مے کشو لینا ذرا دیکھو گیا

---

اَن بن رہے گی کب تک کب تک ٹھنی رہے گی        یہ تیغ ناز و غمزہ کب تک تنی رہے گی
موقوف ہے تمہارے دیدار ہی پہ مرنا        جب تک نہ دیکھ لوں گا یہ جانکنی رہے گی
شرم و حیا کہاں تک پردہ کیے رہیں گے        یہ چادر حجابی کب تک تنی رہے گی
تسکین دیے ہوئے ہے ظالم ترا تلون        جب دوستی نہ ٹھہری کیا دشمنی رہے گی

بن کر تیرا بگڑنا بیدمؔ نہیں انوکھا
کس کی بنی رہی ہے کس کی بنی رہے گی

---

حلقہ بگوش گیسوئے خمدار ہو گیا        یا رب مَیں کس بلا میں گرفتار ہو گیا
موقوف ایک حضرتِ منصور ہی پہ کیا        سر جس نے دے دیا وہی سردار ہو گیا
ساقی نے آکے مستوں میں اک دھوم ڈال دی        زاہد کا گھر بھی خانہ خمار ہو گیا
قاتل تو اپنی تیغ کا صدقہ اُتار دے        سر اب تو مجھ کو تن پر گرانبار ہو گیا

لیجیے نصیب حضرت بیدمؔ کے کھل گئے
سُنتے ہیں آج وصل کا اقرار ہو گیا

---

میکدے تیرے تری مسجد صنم خانہ ترا
یار ہر گھر گھر ترا ہر گھر میں کاشانہ ترا

یہ بھی اک اعجاز ہے اے پیرِ مے خانہ ترا
بزم میں بے پاؤں کے چلتا ہے پیمانہ ترا

ہم بلا نوشوں کی ہمّت کو تو اے ساقی نہ پوچھ
نشہ میں سر پر اُٹھا لیتے ہیں مے خانہ ترا

بے خبر ہونے پہ بھی ہے سارے عالم کی خبر
زاہد ہشیار سے اچھّا ہے مستانہ ترا

یہ ملے قسمت سے تو اس کے سوا کیا چاہیے
تو ہو ساقی میکدہ ہو اور مستانہ ترا

ساقیا جاری رہے یُوں ہی سبیلِ مے کشی
تا ابد یونہی رہے آباد مے خانہ ترا !

تیرا سودائے محبّت مول لے کِس کی مجال
سُنتے ہیں ہم جان و دل ہوتا ہے بیعانہ ترا

جس کو دیکھا تجھ پہ مرنے کے لیے تیار ہے
مَیں ہی کیا اے شمعِ دُو عالم ہے پروانہ ترا

پہلے بیدمؔ کی طرح کوئی گریباں چاک ہو
شوق سے پھر جلوہ دیکھے بے حجابانہ ترا

---

پیمانِ وفاداری میزانِ محبّت ہے
تم دل جسے سمجھے ہو دُکانِ محبّت ہے

بس دردِ محبّت ہے درمانِ محبّت
یہ جانِ محبّت ہے جانانِ محبّت ہے

تنہائے غربت سے ہمّت میں نہ فرق آئے
مایوسی و محرومی سامانِ محبّت ہے

گو خاک کیا لیکن رکھا اُسی کوچے میں
اتنا تو مرے سر پر احسانِ محبّت ہے

اُٹھ دردِ جگر اُٹھ کر سامانِ تواضع کر
مہمان مرے دل میں پیکانِ محبّت ہے

منصُور ہو یا مجنوں، سرمد ہو کہ شبلی ہوں
ایک ایک گدا تیرا سلطانِ محبّت ہے

سُنتے ہیں کہ بُجھتی ہے اشکوں سے لگی دل کی
یہ گریۂ محرومی بارانِ محبّت ہے

مُدت ہوئی اے زاہد بیعت کیے ساقی سے
اور بادہ پرستوں سے پیمانِ محبّت ہے

بے مانگے تپِ غم دی اور دردِ جگر بخشا
بیمارِ محبّت پر احسانِ محبّت ہے

ارمان ہیں قید اس میں محبوس تمنّائیں
اب خانۂ دل اپنا زندانِ محبّت ہے

صد شکر کہ دل آیا، آیا بھی تو پھر کِس پر
جو خسروِ خوباں ہے خاقانِ محبّت ہے

اک تم ہو کہ جب دیکھو مغموم و پشیماں ہو
اک وہ ہیں جنھیں بیدمؔ ارمانِ محبّت ہے

اے دردِ عطا کرنے والے تو درد مجھے اتنا دے دے
جو دونوں جہاں کی وسعت کو اک گوشۂ دامنِ دل کر دے

ہر سو غموں نے گھیرا ہے اب ہے تو سہارا تیرا ہے
مشکل آسان کرنے والے آسان میری مشکل کر دے

بیدمؔ اس یاد کے مَیں صدقے اس دردِ محبّت کے قربان
جو جینا بھی دشوار کرے اور مرنا بھی مشکل کر دے

---

نہ تو اپنے گھر میں قرار ہے نہ تری گلی میں قیام ہے
تری زُلف و رُخ کا فریفتہ کہیں صبح ہے کہیں شام ہے

نہ تو چکھنا جس کا عذاب ہے نہ تو پینا جس کا حرام ہے
سرِ بزم ساقی نے دی وہ مے کہ سرور جس کا مدام ہے

بچے کس طرح سے مریضِ غم نہ تم آسکو نہ بلا سکو
یہی حالتیں ہیں تو دیکھنا کوئی دم میں قصّہ تمام ہے

پے دل ہزاروں تڑپ گئے جو سسک رہے تھے وہ مر گئے
اُٹھے فتنے حشر بپا ہوا یہ عجیب طرزِ خرام ہے

عجب عاشقوں کی نماز ہے نیا بیدمؔ اُن کا نیاز ہے
کہ قیام ہے نہ قعود ہے نہ تو سجدہ ہے نہ سلام ہے

## منقبت

بجز تمہارے کہوں کس سے یا غریب نوازؒ
سُنو مری مرے مشکل کشا غریب نوازؒ

تمہارے دامنِ عالی نے ہاتھ آتے ہی
بڑھا دیا ہے مرا حوصلہ غریب نوازؒ

معینِ دین و عطائے رسولؐ والئ ہند
امیر خواجہ گل گوں قبا غریب نوازؒ

کہاں تک پھرے در در کی ٹھوکریں کھاتا
تمہارے در کا تمہارا گدا غریب نوازؒ

سُنی ہے آپ کی بندہ نوازیوں کی دھوم
کبھی ادھر بھی نگاہ عطا غریب نوازؒ

تمہارا ہوں مَیں تمہیں سے ہے التجا میری
تمہارے ہوتے کہوں کس سے یا غریب نوازؒ

لحد میں روزِ قیامت مَیں دین و دُنیا میں
تمہارے نام کا ہے آسرا غریب نوازؒ

تمہارے در کی گدائی ہے آبرو میری
تمہاری دید مرا مدعا غریب نوازؒ

ضیائے مجلس عرفاں نگار عالمِ قدس    فضائے گلشن اِنّیِ انا اللہ غریب نوازؒ

کچھ اپنے بیدمؔ خستہ کو بھی عطا کیجیے

سخی ہے آپ کی سرکار یا غریب نوازؒ

---

## پوربی بھاشا

مہاراج غریب نواجؒ شرن تورے آن پری رے

مہاراج گریب نواجؒ " " " "

خواجہ عثمان کے چھیل معین الدینؒ    تمکا لاج سرن تورے آن پری

مہاراج گریب نواجؒ " " " "

کیسر رنگ تیرو جھالرا بھراؤن    پھولوں چھاؤں نگری سرن تورے آن پری

مہاراج گریب نواجؒ " " " " "

تم تو راجا جگت سرتاجا    ہم چیری تمہری سرن تورے آن پری

مہاراج گریب نواجؒ " " " "

تمری داس کہا کے بیدمؔ    کاکو جو ہار کری سرن تورے آن پری

مہاراج گریب نواجؒ " " " "

## ہولی

گنج شکر کے لال نظام الدینؒ چشت نگر میں پھاگ رچایو

خواجہ معین الدینؒ اور قطب الدینؒ پریم کے رنگ کی رینی چڑھایو

سیس مکٹ ہاتھن پچکاری مورے آنگن ہولی کھیلن آئیو

پیر نظام الدینؒ چتر کھلاڑی بھیّاں پکڑ میرا گھونگٹ اٹھایو

دھن دھن بھاگ ان کے موری سجنی جس الیو سُندر پریتم پائیو

کھیلو رے چشتیو! ہولی کھیلو خواجہ نظامؒ کے بھیس میں آئیو

لپک جھپک اور آن اچانک رنگ ڈارو اور مدھوا پلایو
اپنے رنگیلے کے بیدمؒ واری جن موہے لال گلال بنائیو

## ٹھمری

پیا مورے بسر گئے سُکھ چین جادو کیتو تورے نین
پیا مورے بسر گئے سُکھ چین
اَت گئی برہا بردگ نے بیدمؒ ڈوب مرب جیو دین
پیا مورے بسر گئے سُکھ چین

# بے نظیر شاہ وارثی

جناب قبلہ سیّد محمّد بے نظیر شاہ وارثیؒ ۔ بے نظیر تخلص تھا۔ ۱۸۶۳ء میں کٹرا مانک پور ضلع الٰہ آباد (یوپی ۔ بھارت) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد احسان علی قادریؒ ایک مبلغ دین اور منبع رشد و ہدایت تھے جنہیں مولانا شاہ عبدالعزیز محدّث جیسے بزرگ کے خلیفہ ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ سیّد محمّد بے نظیر شاہ کے اس مختصر خاندانی تعارف ہی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اُنھوں نے کیسے گھریلو ماحول اور دینی فضا میں آنکھ کھولی ہو گی۔ اسی فضا کا اثر تھا کہ سیّد بے نظیر شاہ بھی باپ کی طرح ایک صوفی اور درویش منش انسان بنے اور مسلک پدری کو اپنا شعارِ زندگی بنایا۔ اُنھوں نے سلسلہ عالیہ وارثیہ میں حضرت حافظ حاجی وارث علی شاہ علیہ الرحمۃ سے بھی بیعت سے مشرّف ہو کر روحانی فیض اکتساب کیا۔ اُن کی تعلیم بالکل قدیم طرز پر ہوئی اور عربی و فارسی میں بڑی فضیلت حاصل کی۔ فقہ، حدیث اور قرآن پاک وغیرہ کے درس بھی گھر پر ہی لیے۔ تصوّف تو اُن کی گھٹی میں پڑا تھا اور اُن کی پوری زندگی پر اس کے بہت گہرے اثرات تھے۔ چنانچہ علم و ادب کی حسبِ حوصلہ تکمیل کے بعد اُنھوں نے ترویج دین اور ہدایت خلق اللہ کو اپنا شیوہ زندگی بنایا اور حیدرآباد دکن (بھارت) میں فروکش ہو گئے۔ جہاں بہت جلد اُن کے معتقدین و مریدین کا ایک خاص حلقہ بن گیا اور پھر اس میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا کہ موصوف نے ایک پاک و بے ریا زندگی گزار کر وصلِ جام نوش کیا۔

سیّد محمّد نظیر شاہ وارثی کو شعر و شاعری سے فطری لگاؤ تھا اور وہ اپنے جدید رنگ سے قطع نظر ایک مشاق غزل گو

بھی تھے لیکن افسوس کہ اُن کا بیشتر کلام کسی سفر کے دوران میں ضائع ہوگیا۔ غزل میں وہ وجہہ اللہ الہ آبادی اور مثنوی میں امیر مینائی سے مشورہ لیتے تھے، لیکن سلسلہ فقر و درویشی سے منسلک ہونے کی وجہ سے دورِ جدید کے قادر الکلام شعراء میں سے ہیں جن کا تعارف بھی شاذ و نادر ہی ہوا ہے، حالانکہ اُن کا کلام ایسا جاندار صاف ستھرا اور تصوّف میں ڈوبا ہوا ہے کہ اُنہیں اپنے عصر کے اچھّے شعرا میں شمار کرنا چاہیے۔ پروفیسر عبدالقادر سروری اور پروفیسر الیاس برنی نے اُن کے بہت سے انتخابات اپنی انتخابی جلدوں میں شائع کر کے اُن کی شاعری کو اُردو داں طبقہ سے روشناس کرایا ورنہ اُردو ادب کے طالب العلموں کے لیے اس مشاق سخنور کے کلام سے لُطف اندوز ہونا تو درکنار نام جاننا بھی مشکل ہو جاتا۔

بے نظیر شاہ کی شہرت کا باعث اُن کی ایک شاہکار مثنوی ہے جو ۱۸۹۰ء میں مکمّل ہوا اور "کتابِ مبین اور جواہر بے نظیر" کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہوئی۔ یہ مثنوی خاصی طویل ہے اور باوجودیکہ اس کی تصنیف کا مقصد مریدین کی رہنمائی ہے اور اس میں انسان کے عشقِ حقیقی تک پہنچنے میں جو مراحل پیش آتے ہیں اُن کا بیان استعارے کے پیرائے میں کیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ جدید شاعری کا بھی ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ چونکہ پُوری مثنوی میں بے شمار مواقع ایسے ہیں جہاں شاہ صاحب موصوف نے مناظرِ قدرت کے ہو بہو مرقع پیش کیے ہیں اور مثنوی کے یہی وہ حصّے ہیں جو ادبی پاروں کی حیثیت سے کبھی فراموش نہیں کیے جاسکتے۔ ان میں بے نظیر شاہ کے مشاہدے، فکر اور اُسلوب کے وہ جوہر پوشیدہ ہیں جو ادب و شعر کے ہر نقاد سے خراجِ تحسین ضرور حاصل کر لیتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ حالی و آزاد کی جدید شاعری کی تحریک ایک ایسی زندہ حقیقت تھی جس کی وقتی طور پر تو پرانی روش کے پرستاروں اور تقلیدی رنگ کے شیدائیوں نے بُرا بھلا کہہ لیا، لیکن اس کے برق رفتاری کے ساتھ مُلک کے طول و عرض میں پھیلنے میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہو سکی اور اس سے ارادی و غیر ارادی دونوں صُورتوں میں شعراء متأثر ہوئے۔ وہ لوگ جو ان مصلحین کے حلقہ اثر میں رہے وہ تو خیر نیا راگ آلاپ ہی رہے تھے، لیکن ایسے لوگ جو دُور دراز علاقوں میں پڑے تھے اُنہیں بھی یہ بات اس درجہ معقول معلوم ہوئی کہ اُنہوں نے اس سے متأثّر ہو کر نئے سُر چھیڑے۔ بے نظیر شاہ ایسے ہی لوگوں میں سے ایک ہیں، حالانکہ وہ شمال ہند میں پیدا ہوئے، چونکہ وہ بہت جلد حیدر آباد چلے گئے، اس لیے محض یہ سمجھ لینا کہ اُن پہ یہ تاثر شمالی ہند ہی میں ہوا زیادہ مناسب نہیں معلوم ہوتا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ باوجود دکن میں رہنے اور دینی نصب العین کے انسان ہونے کے اس جدید شعری رجحان سے اس درجہ متأثّر ہوئے کہ اُنہوں نے جو کچھ کہا اس میں اس رجحان کی بڑی صاف و واضح جھلک نظر آتی ہے۔ بے نظیر شاہ کا اُسلوب بڑا صاف و سادہ ہے۔ اُن کے بیانات میں تسلسل کے ساتھ ساتھ بڑی روانی پائی جاتی ہے اور وہ تفصیلات کو ایسے دلکش پیرائے میں بیان کرتے ہیں کہ بیانات طویل ہوتے ہوئے بھی اپنا جذب و تأثّر کھونے نہیں پاتے۔ بے نظیر شاہ کی زبان بھی شستہ و سلیس ہے۔ بحیثیت مجموعی بے نظیر شاہ کا کلام نیچرل شاعری

کا ایک عمدہ نمونہ ہے جس میں اعلیٰ شاعری کی وجدانی کیفیات موجود ہیں۔

## غزلیات

میری آنکھوں سے وہ آیئنے میں صورت دیکھتے　　پھر سنبھل کر اپنی حالت میری حالت دیکھتے
اُن کے در پر نقش بر دیوار ہوتے کاش ہم　　آتے جاتے لوگ اک تصویرِ حسرت دیکھتے
کیا خبر کیا گزری ہم پر جلوہ گاہ ناز میں　　ہم وہ جلوے دیکھتے یا اپنی حالت دیکھتے
دیکھنے والوں کی آنکھوں میں سمائی جو وہ شکل　　لوگ پھر اُن دیکھنے والوں کی صورت دیکھتے
بے نشانی نے بھلایا ہائے اُن کے دل سے بھی　　یاد تو کرتے مجھے جب مری تربت دیکھتے
دیکھ تو لیتے ہیں وہ ہم سے غریبوں کی طرف　　یہ بھی ہے اے دل بہت دُنیا کی حالت دیکھتے
دید سے اللہ والوں کی تھی نفرت کیا ضرور　　اُس صنم کو دیکھتے اور اُس کی قدرت دیکھتے

ہوتی ہیں غُصّے میں چار آنکھیں تو اُس سے بے نظیر
ورنہ وہ آنکھیں دکھاتے اور حضرت دیکھتے

(اُردوئے معلّی علی گڑھ - ماہ نومبر ۱۹۱۲ء)

---

تسلّی دلِ مُبتلا کی تو ہوتی　　کسی سے بھی اس نے وفا کی تو ہوتی
وہ سُنتے نہ سُنتے وہ آتے نہ آتے　　وہاں تک رسائی دُعا کی تو ہوتی
کِسی کو تو زاہد کو ہوتی محبّت　　بتوں کی نہ ہوتی خدا کی تو ہوتی
نہ کھلتی کلی گو مری آرزو کی　　گرہ اُن کے بندِ قبا کی تو ہوتی
یہ پہلے ہی سے بدگمانی ہے کیسی　　سماعت مرے مدعا کی تو ہوتی
وہ ہیں رند ہی خوش ہیں جو ذلتوں میں　　یہی گت کسی پارسا کی تو ہوتی

گلا بے نظیر اس کی رحمت سے کیا ہے
کبھی دل سے تو نے دُعا کی تو ہوتی ہے

(اُردوئے معلّی دسمبر ۱۹۱۲ء)

---

یہی ہے اگر جان کھونا ہمارا     برابر ہے ہونا نہ ہونا ہمارا
کوئی بات ہنس کر کرتے نہ کرتے     مگر دیکھ لیتے رونا ہمارا
برستا تو ہے دیکھ اے ابرِ رحمت     کوئی داغِ حسرت نہ دھونا ہمارا
ترے گھر میں اس درجہ چھپ چھپ کے روئے     کہ شاہد ہے ایک ایک کونا ہمارا
سراپا ہے بخت بیدار آخر     بہت کام آیا نہ سونا ہمارا
گرے خاک پر اشک تو ہم یہ سمجھے     ثمر لائے گا بیج بونا ہمارا
خبر کیا تھی کچھ اور طوفاں ہو گا     ہمیں کو ڈبوئے گا رونا ہمارا
یہ جو پسلیوں کے نشاں ہیں زمیں پر     یہی بوریا ہے بچھونا ہمارا

چلے بے نظیر آپ وہ جستجو کو
مبارک ہو ہم کو کھونا ہمارا

---

کہے کوئی کسی سے ستانا تمہارا     خدائی تمہاری زمانہ تمہارا
مٹا کر مجھے مٹاؤ گے کس کو     چلو ہو چکا آزمانا تمہارا
ہمیں اس سے کیا وہ عدو ہو کہ ناصح     کہے جائیے کوئی فسانہ تمہارا
کدھر ہیں نگاہیں مرے دل کے ہوتے     خطا کر رہا ہے نشانہ تمہارا

پڑے غش ہو گیا بے نظیر آنکھ کھولو
ہلائیں گے کب تک وہ شانا تمہارا

---

وہ لذّت تڑپنے کی کم ہو گئی     کسی کی وفا بھی ستم ہو گئی
خدا جانے وہ جا رہے تھے کہاں     ادھر بھی نگاہِ کرم ہو گئی
تری فرشِ راہ ہو کے اُٹھی نہ پھر     میری آنکھ نقشِ قدم ہو گئی

یہ دیکھا کسے نزع میں بے نظیر
مری رُوح جو تازہ دم ہو گئی

---

یہ لذّت اور قصّوں میں کہاں ہے ہماری داستاں اک داستاں ہے
تماشہ تو یہی ہے وہ خود آرا عیاں ہو کر بھی نظروں سے نہاں ہے
کسی پر جان دے گا کب تک اے دل ارے کم بخت جی ہے تو جہاں ہے
مقدر سے ہے بُعد و قرب لیلےٰ کوئی مجنوں ہے کوئی ساربان ہے
شبِ غم دیکھتا ہوں اُٹھ کے ہر بار وہی ہے یا کوئی اور آسماں ہے
نہیں چلتی کوئی تدبیر غم میں یہی کیا کم ہے جو آنسو رواں ہے
پہنچ جاتی ہے کسی کے گوش دل تک
ہماری آرزو اتنی کہاں ہے

---

# اوگھٹ شاہ وارثی

حضرت قبلہ اوگھٹ شاہ وارثی علیہ الرحمۃ قصبہ بچھراؤں ضلع مراد آباد (یوپی۔ بھارت) کے سربرآوردہ چودھری خاندان میں شاہ شمس الدّین چشتی صابری کے یہاں ۸ محرم الحرام ۱۲۹۱ھ کو دُنیا میں تشریف لائے۔

تاریخی اسم گرامی محمّد اصغر اور آبائی نام بدر الدّین رکھا گیا۔ بچپن ہی میں والدین کا وصال ہو گیا تھا۔ والد ماجد کی وصیت کے مطابق آپ نے دیویٰ شریف (ضلع بارہ بنکی) جاکر حضرت وارث پاک علیہ الرحمۃ کے دستِ حق پرست پر بیعت سے مشرّف ہوئے۔ والد بزرگوار کی صُحبت اور ازلی خیر اندیشی کی نظر و توجّہ نے ابتدا ہی میں آپ کو معرفتِ روحانیت کامل کر دیا تھا۔ حضرت وارث عالم پناہ علیہ الرحمۃ نے اس میں جلا پیدا کر دی۔ آپ کے شرفِ بیعت ہونے کے بعد جلد ہی احرام پوش فقیر بنا دیے گئے اور اُنہیں حُکم دیا گیا کہ وہ اپنے والد ماجد کے مزار اقدس پر رہیں اور فقراء کی خدمت کریں۔ نیز آپ کا نام بدر الدّین کی جگہ اوگھٹ شاہ وارثی رکھا گیا۔ ۱۳۱۶ھ میں آپ نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ کا عُرس شروع کیا جو اب تک یکم چیت لغایتہ چار چیت ہوتا ہے۔ ۱۳۷۲ھ کے بعد سے آپ کا عُرس بھی اُنہیں تاریخوں میں خانقاہ وارثیہ بچھرایوں میں ہو رہا ہے۔ جس میں مُلک کے مشاہیر صوفیاء کرام اور عقیدت مند شمولیت کرتے ہیں۔

آپ مخصوص وقت میں اپنے پیرومُرشد حضرت وارث پاک علیہ الرحمۃ کو مشائخین کا عاشقانہ کلام سُناتے تھے اور اسی ذوق و شوق اور شدتِ عشق کی کیفیت میں خود بھی شعر کہنے پر مجبور ہو گئے۔ آپ کا مجموعۂ کلام ۱۳۲۷ھ میں "فیضانِ

وارثی" کے نام سے طبع ہوا۔

## وصال شریف :

آپ کا وصال شریف ۱۳۷۲ھ میں پٹنہ میں ہوا اور تجہیز و تکفین خانقاہ وارثیہ بچھراؤں میں ہوئی جہاں پر آپ کے مزار پہ عالیشان مقبرہ تعمیر شدہ ہے۔ آپ کے مریدین کی تعداد ہند و پاک میں ہزاروں کی تعداد میں ہے۔ آپ کے کئی مرید احرام پوش ہیں۔ اپنے والد کی وصیت کے مطابق آپ نے شادی بھی نہیں کی اور تمام عمر ریاضت و عبادت میں گزار دی۔ آپ کی ہمشیرہ صابرہ شاہ صاحبہ وارثیہ آپ کے وقف کی متولی تھیں۔ آپ کے قلبی روحانی مریدین کے علاوہ نسبی خاندان کے بیشتر افراد بھی آپ سے بیعت ہیں۔ آپ کا خلق اتنا وسیع اور اعلیٰ تھا کہ آج بھی ہر مرید یہ سمجھتا ہے کہ میرے مرشد سب سے زیادہ مجھ پہ ہی مہربان تھے۔ جو بھی ایک بار آپ سے ملا ہمیشہ کے لیے آپ کا گرویدہ ہو گیا۔ نسل و قوم، بہتر و کمتر کا امتیاز آپ کے مزاج میں بالکل نہیں تھا۔ اپنے پیرومرشد حضرت وارث پاک علیہ الرحمتہ کے مشن کی تبلیغ فرماتے تھے اور ہر عقیدت مند کو یہی ہدایت ہوتی تھی۔ محبّت رکھو، محبّت کرو۔ جو انسان سے اور خدا کی مخلوق سے محبّت کرے گا وہ اپنے مذہب کے بزرگوں سے بھی محبّت رکھے گا اور وہی خدا کا سچّا عاشق ہوگا۔ حضرت وارث پاک علیہ الرحمتہ کی محبّت میں اس قدر غرق تھے کہ کوئی نفس اُن کی یاد سے غافل نہیں تھا۔

## شاعری

آپ کے کلام کے متعلّق شعرائے اکرام ضمیر وارثی، مخمور وارثی، ابوذر وارثی اور قبلہ بیدم شاہ وارثی نے "گنجینہ عرفان" کہا ہے۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل آپ کی تصانیف ہیں۔

فیضان وارثی ، شہاب ثاقب اور رشحات الانس ۔

نمونۂ کلام ملاحظہ فرمایئے ۔

### حمد باری تعالیٰ

خیال کر کے جو مَیں نے دیکھا اسی کی صُورت چمک رہی ہے
اسی کا نقشہ ہے چار جانب اسی کی رنگت دمک رہی ہے

تمہارے فیضِ قدم سے جاناں ہوا ہے سرسبز عالم
تمام اس گلشنِ جہاں میں تمہاری خوشبو مہک رہی ہے

نہ درد جائے گا چارہ سازو عبث تمہاری ہے فکر و کوشش
کسی حسیں کی یہ نوک مژگاں ہمارے دل میں کھٹک رہی ہے

یہ باغِ عالم میں رنگ دیکھا ہے غمگیں کوئی ہے خنداں
کہیں ہے شورِ فغانِ قمری کہیں پہ بُلبُل چہک رہی ہے

عجب طرح کی یہ کشمکش ہے کہ ہم ہے انتظارِ جاناں
کمر کو باندھو اُٹھاؤ بستر اجل سرہانے یہ بک رہی ہے

بسی گُلوں میں اسی کی بُو ہے پری وشوں میں اسی کی خُو ہے
بُتوں کے پردے میں دیکھ اوگھٹ اسی کی صُورت مہک رہی ہے

## نعت شریف

نُورِ الٰہی اشرف و اظہر صلّی اللہ علیہ وسلّم
اقدس و افضل سیّد و سرور صلّی اللہ علیہ وسلّم

مظہرِ خالق مُخبرِ صادق، فخرِ رُسل محبوبِ الٰہی
مصدرِ خُوبی شافعِ محشر صلّی اللہ علیہ وسلّم

اشرفِ آدم فخرِ سلماں غیرتِ یوسف رشکِ مسیحا
خضرِ زماں کونین کے رہبر صلّی اللہ علیہ وسلّم

مطلعِ رفعت مہرِ رسالت ہادی کامل ظلِّ حمایت
مالک جنّت ساقیٔ کوثر صلّی اللہ علیہ وسلّم

اوگھٹ جوگی بن کے نکلنا احمد نام کی سمرن جپنا
لکھنا اپنی لوحِ جبیں پر صلّی اللہ علیہ وسلّم

## حضرت وارث پاک رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی جس دم لبوں پہ دم ہو زباں ہو حرفِ ثنائے وارث
کہ دل میں شوقِ وصالِ وارث ہو آنکھ محوِ لقائے وارث

جہاں میں اپنی نظر سے گزرے ہزاروں خوشترو حسیں لاکھوں
مگر نہ دیکھی یہ شان وخوبی جدا ہے سب سے ادائے وارث

نہ پوچھ واعظ ہمارا مشرب نہیں ہے دیر و حرم سے مطلب
زمانہ گذرا جو کر کے بیٹھے ہیں دین و ایماں فدائے وارث

کہاں کا پردہ حجاب کے ساتھ خدا بھی پوچھے تو صاف کہہ دیں
ہماری ملت ہے عشق وارث ہمارا ایماں ولائے وارث

جو سب کی مشکل میں کام آئے کرے غریبوں کی دستگیری
لگائے بیڑا جو پار اوگھٹ نہیں کوئی سوائے وارث

## غزلیات

تیری محفل میں یہ جانانہ دیکھا
جسے دیکھا اسے پروانہ دیکھا

کسی پردہ نشیں کی جستجو میں
کبھی کعبہ کبھی بت خانہ دیکھا

کرامت یہ ہے پیرِ مغاں کی
کہ زاہد نے درِ مے خانہ دیکھا

ہوئے سرشار بے خود شیخ صاحب
کھو فیض درِ مے خانہ دیکھا

خدا شاہد ہے سچ کہتا ہوں زاہد
بتوں میں جلوۂ جانانہ دیکھا

رہی حسرت نہ سیرِ لامکاں کی
شہہ وارث کا جب کاشانہ دیکھا

خفا ہونے میں بھی اس بت کے اوگھٹ
عجب اک نازِ معشوقانہ دیکھا

---

اک خوش رو سے محبت ہو گئی
دل لگی کی اچھی صورت ہو گئی

لاکھ پردہ کیجیے ہوتا ہے کیا
آپ کی ظاہر حقیقت ہو گئی

عشق بازی میں یہ آزادی ملی
دین و دنیا سے فراغت ہو گئی

سنتے ہیں واعظ کی میخانہ میں آج
رہن دستارِ فضیلت ہو گئی

ہم کو کیا خوشرو جہاں میں لاکھ ہوں
ہو گئی جس سے محبت ہو گئی

اس کا بحرِ غم سے بیڑا پار ہے
جس پہ وارث کی عنایت ہو گئی

اب گلے مل جاؤ اوگھٹ پیار سے
ہو چُکا شکوہ شکایت ہو گئی

---

نہ منہ موڑوں گا واعظ، رِندوں کی آشنائی سے
مری توبہ ہے در گزرا میں ایسی پارسائی سے

جو اُن پر جان دیتا ہے اسی کو قتل کرتے ہیں
طبیعت ان بُتوں کی ہے جدا ساری خدائی سے

نہ کیونکر چُوم لُوں دستِ نازک اپنے قاتل کے
دکھا کر سب کو سر کاٹا مرا کیسی صفائی سے

فقیرانہ صدا یہ ہے کہ عزّ و جاہ کیا شے ہے
گدائی ہے درِ وارث کی بہتر بادشاہی سے

سُنی شہرت میرے کشف و تصرف کی تو وہ بولے
ولی اللہ اوگھٹ ہو گئے فضلِ الٰہی سے

کہا اُس نے زمانہ جس کو اوگھٹ شاہ کہتے ہیں
مجھے معلوم ہوتے ہیں خبطی اور واہی سے

---

دل یہاں بھی مُبتلائے زلفِ پیچاں ہو گیا
خانۂ احباب بھی اوگھٹ کو زنداں ہو گیا

پھنس گیا دل اک طفلِ مہ جبیں کے دام میں
جس کو ہم داناں سمجھتے تھے وہ ناداں ہو گیا

سب در و دیوار وحشت ناک آتے ہیں نظر
ہم کو اے مجنوں ہمارا گھر بیاباں ہو گیا

وہ رہیں آنکھوں میں میری مَیں نہ دیکھوں غیر کو
یہ ہمارے اور اُن کے عہد و پیماں ہو گیا

سنگ بوسی کی حرم میں شیخ نے تو ہے ثواب
ہم اگر بوسہ بُتوں کا لیں تو عصیاں ہو گیا

جب کوئی سختی پڑی اور ہم نے یا وارث کہا
کام جو مشکل نظر آتا تھا آساں ہو گیا

ہے خدا کی شان اوگھٹ سا مُسلماں آدمی
ان بُتوں کی یاد و اُلفت میں بد ایماں ہو گیا

---

مُیں پرتوِ انوارِ خدا سرِ نہاں ہوں
عالم میں جس کا نہیں اُس کا نشاں ہوں

صبرِ دلِ عاشق کی طرح ہوں کبھی مخفی
گہ صُورتِ حُسنِ رُخِ معشوقِ عیاں ہوں

ہوں بزمِ شریعت میں کبھی صدر نشیں بھی
اور دیر و برہمن میں کبھی محوِ بتاں ہوں

چلاّتا ہوں بُت خانہ میں گہ صورتِ ناقوس — ہوں شکل موذّن کبھی آوازِ اذاں ہوں
واعظ کا ہوں پیر و کبھی زاہد کا مقلّد — کہ رند ہوں اور متعقد پیرِ مغاں ہوں
جلاّد بھی ہوں اور کبھی مظلوم کی صُورت — ہوں زخم جگر اور کبھی نوک سناں ہوں
کی جس نے ہے اوگھٹ درِ وارث کی گدائی — وہ کیوں نہ کہے غیرت شاہانِ جہاں ہوں

---

# ساقی نامہ

پھر فصلِ بہار آئی ساقی — پھر ہے تیری دہائی ساقی
ہائے دلِ بے قرار آرام — اللہ دے اس شراب کا جام
مفتوں ہیں یہ بادہ خوار جس کے — ہو سونگھنے سے خمار جس کے
کرتی دم زدن میں سرشار — ساقی جسے کہتے ہیں دھواں دھار
رہتی ہے جو تیرے پاس وہ مے — پیتے ہیں جو ذی اساس وہ مے
جو روزِ الست مجھ کو دی تھی — منصور نے جو شراب پی تھی
جو چشم پُر آب کر دے وہ مے — ایماں کو خراب کر دے وہ مے
مٹ جائے دوئی وہ راستی آئے — یہ دیر و حرم کا دغدغہ جائے
باقی رہے شر نہ خیر وہ مے — اپنوں کو بنا دے غیر وہ مے
یہ جوش خودی کا دُور ہو جائے — بے خود رہوں وہ سُرور ہو جائے
ہر دم رہے اضطراب وہ مے — جل بُھن کے ہو دل کباب وہ مے
ادنیٰ کو کیا جلیل جس نے — لاکھوں کو کیا ذلیل جس نے
ہوتا ہے سُرور جس کا بے حد — سرمد کو بنایا جس نے سرمد
یکتا ہے نہیں جواب اُس کا — اور عشق بھی ہے خطاب اُس کا

اُس مے کا پلا دے جام ساقی
اوگھٹ کا بنا دے کام ساقی

## ہندی کلام دوہے

کان کھول اوگھٹؔ سنو پیا ملن کی لاگ
تن تنبورہ سانس کے تاروں باجے ہر کا راگ

اوگھٹ پوجا پاٹ تجو لگا پریم کا روگ
ست گر کا دھیان رہے یہی ہے اپنا جوگ

نارائن کا انت نہ پایا مالا جپ کا کین
رام ملن کی بدھ سُن اوگھٹ پہلے گر کو چین

دیا گرو کی دن دونی اور گرد نچھوڑے ہاتھ
گرد بسے سنسار میں اور گرد ہمارے ساتھ

جوگی بھوگ وہ کرے جو بن مانگے مل جائے
اوگھٹؔ دُنیا یُوں تجے کہ من میں لوبھ نہ آئے

ہر ہر میں اوگھٹؔ ہر بسیں ہر ہر کو ہر کی آس
اوگھٹؔ ہر کو چار النگ ڈھونڈت ہے سنسار

سادھو اوگھٹؔ سبد کو سادھی جوگی کرے سب جوگ
اس ڈگریا ملیں گسائیں ندی ناؤ سنجوگ

اوگھٹؔ جوگی جوگ کرے رام ملن کی آس
پریم دھیان وہ جوگ ہے جو کرے دھرم کا ناس

کایا کی ممتا تجو اور اپنی سدھ بسراؤ
موہن مرلی آن سُنائیں ایسا دھیان جماؤ

سائیں ایسا مگن کرو رہے نہ سوچ بچار
دُکھ میں سُکھ میں کلیس میں گاؤں بھجن تہار

اوگھٹؔ جوگ یہی نرالا اپنی سدھ بسراؤ
مایا موہ نہ من میں آوے وارث کے گُن گاؤ

دیا برابر دھرم نہیں پر پینچ برابر پاپ
پریم برابر جوگ نہیں گر منتر برابر جاپ

---

# شاد وارثی

آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی شیدا احسنی تھا اور صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ آپ کی بیعت و احرام پوشی حضرت قبلہ محمود شاہ وارثی (اٹاوہ۔ یوپی بھارت) سے تھی اور شعر و شاعری میں حضرت علامہ سیماب وارثی اکبر آبادیؒ سے شرفِ تلمذ تھا۔

آپ نے بحیثیت بانی مدرسہ وارثیہ پٹلاد (گجرات)، بُنیاد رکھی جس میں دینی اور دنیوی تعلیم کا درس و تدریس ہوتا ہے۔ آپ نے درگاہ وارثیہ حضرت ابوالحسن شاہ علیہ الرحمۃ میں خادموں کے طور پر بھی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ یہ درگاہ بھی محلہ کٹرہ شہاب خاں اٹاوہ۔ یوپی بھارت میں مرجع خلائق ہے۔

آپ کی تاریخ پیدائش نومبر ۱۹۱۰ء بمطابق محرم ۱۳۳۰ ہجری ہے اور بیعت حضرت حاجی محمود شاہ وارثیؒ سے

۱۹۴۰ء میں ہوئی۔ شعروشاعری کے سلسلے میں آپ کی تصانیف بارگاہ نُورِ جنّت کی سند و آئینہ عالم اور جرأت بے مدعا (۱۹۸۱ء) شائع ہو چکی ہیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیے :۔

# غزلیات

وہ رُخ سے دُور جو پردا حجاب کا کرتے — تو اُن کے سامنے ہم بھی نماز ادا کرتے
بُتوں کی یاد میں ہم یُوں خدا خدا کرتے — کمالِ عشق جو ہوتا تو جانے کیا کرتے
مآلِ گمرہیِ شوق ارے معاذ اللہ — جو تھک کے بیٹھ نہ جاتے تو اور کیا کرتے
کسی کی یاد میں دُنیا اُجاڑ لی اپنی — شبِ فراق کے صدقے میں اور کیا کرتے
نگاہ و دل ہوئے بے اختیار خضر خلاف — رہِ وفا میں کِسے اور رہنما کرتے
جگر گداز تھی اے شادؔ ضبط کی دُنیا — ہم ایسی ہوش رُبا وادیوں میں کیا کرتے

---

اب اپنے سائے سے بھی اُنہیں اجتناب ہے — شاید یہ بدگمانیِ عہدِ شباب ہے
کچھ یُوں تصورات میں وہ بے حجاب ہے — جیسے اک آفتاب پسِ آفتاب ہے
اس سے بھی کچھ بلند ہیں میری عقیدتیں — ہر ذرّہ آستاں کا ترے آفتاب ہے
ظاہر کچھ اور اس کا حقیقت ہے اور کچھ — دُنیا ہے جس کا نام جہانِ سراب ہے
انسان کا وجود ہے اک پردہ فراق — جب تک مَیں جی رہا ہوں اُنہیں بھی حجاب ہے
بھیجا ہے شادؔ اُس نے جو خط بے لکھا ہوا — شاید میرے سوال کا کورا جواب ہے

---

کیا بتاؤں کیوں بتاؤں وہ جہاں روپوش ہے — دل ہے عرفانی مرا مری زباں خاموش ہے
اس جہاں کا ذرّہ ذرّہ قطرہ قطرہ برگ برگ — ہو کوئی اہلِ نظر تو آئینہ بردوش ہے
بے تکلف چھیڑ ہاں پھر چھیڑ اے مضرابِ حسن — مُدتیں گزریں کہ مرا سازِ دل خاموش ہے
اللہ اللہ صاحبِ دل ہے کوئی کوثر بہ لب — توبہ توبہ کُفر پرور کوئی بادہ نوش ہے

آزمالیں جانچ لیں اے شادؔ لے لیں جائزہ
بے خودی کی محویت میں کس کو کتنا ہوش ہے

---

حقیقت سے نہ کوئی اس طرح بیگانہ ہو جائے — معاذ اللہ یُوں دیوانہ دُنیا نہ ہو جائے
الٰہی وہ بھی اپنے ہوش سے بیگانہ ہو جائے — جو ہنستا ہے ہمارے حال پر دیوانہ ہو جائے

ہمارا در تمہارا عشق کیوں رسوا نہ ہوجائے　　کلیم وطور کا دُنیا میں جب افسانہ ہوجائے
وبالِ جان ہوتی جا رہی ہے زندگی اپنی　　اور اندیشہ یہ ہے اب اور جانے کیا نہ ہوجائے
قیامت تھا کسی کا شادؔ یہ جھنجھلا کے کہہ دینا
بلا سے جان دے دے کوئی یا دیوانہ ہوجائے

---

# مرزا محمّد ابراہیم بیگ شیدا وارثی

آپ مغل خاندان کے چشم وچراغ تھے، وطن لکھنو تھا۔ آپ کی بیعت بچپن ہی سے حضرت وارث پاکؒ کے دست حق پرست سے تھی۔ آپ تمام عمر مجرد رہے۔ آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ آپ مستقل طور پر بہ تقاضۂ محبت حضرت وارث پاکؒ لکھنؤ سے دیویٰ شریف ہجرت کر کے آگئے تھے۔ ہمیشہ وضعداری کو نبھایا۔ حیات وارث کے نام سے سیرت وارثی پر عُمدہ کتاب لکھی۔ حُقّہ کے بڑے شوقین تھے۔ وصال شریف بھی دیویٰ شریف میں ہُوا۔ اور شاہ ولایت حضرت منعم شاہ قادری سُہروردی علیہ الرحمۃ کے صحن میں مدفن بنا۔ آپ فارسی اور اُردو کے شاعر تھے۔ آپ کی شاعری کیا تھی۔ عشق ومحبت کی زبان تھی۔

نمونۂ کلام (فارسی)

ہمچو مجنوں عاشق شوریدہ ام　　عشق نامِ وارثؔ خود می کنم
کیست وارث آنکہ ہمنامِ خدا　　مظہرِ حق وارثِ مشکل کُشا
مردِ میدان ولا فرد فرید　　شمع بزم عین وحدت محوِ دید
معنئ آیاتِ رب العالمین　　دستگیرِ خلق و خیر الوارثین
قیس را وحشت دید صحرائے من　　من دگر ہستم دگر لیلائے من
تسکین مشق کرد او نامِ یار　　خاطر بے تاب تا گیرد قرار
مشق من حاشا پئے تسکین نیست　　ایں علاجِ خاطر غمگیں نیست
درد افزوں خواستم از نامِ دوست　　شعلۂ دردل تا بسر فروخت
جامۂ ہستی شود تا چاک چاک　　باز گویم جان من روحی فداک
زیں تمنا خامہ را برداشتم
اللہ اللہ مشق نامش مے کنم

## نمونۂ کلام (اُردو)

گو کہ مشکل ہے جناب شہہ وارث کی ثنا  ذات عالی ہے اولوالعزم و غنی کان عطا
مہرِ تاباں وجاہت قمر چرخِ سخا  آسمان کرم و ظلِ خدائے دو سرا
مَیں نے دیکھا وہ ہوا عاشق و شیدا اُن کا
سر بسر شانِ الٰہی ہے سراپا اُن کا

دیکھ کر دنگ ہوا ہوں قد بالا کا جمال  وصف اس قد کا لکھوں مَیں یہ کہاں میری مجال
رشکِ طوبیٰ کہوں تو بھی غلط ہے یہ مثال  اس کے سایہ سے ہُوا گلشنِ عالم ہے نہال
جان و دل بیچ کے سب دید کے مشتاق ہوئے
سروِ قامت پہ فدا سینکڑوں عشاق ہوئے

ہے یہ سِرِ مخزنِ اسرار خدائے اکبر  کیوں نہ ہو سایۂ افضال الٰہی سر پر
پیشِ معبود سرافراز نہ ہو یہ کیوں کر  بے ریا سجدۂ خالق میں گرا ہے یہی سر
انکساری سے سدا اُس نے اطاعت کی ہے
کوئی واقف نہ ہو ایسی عبادت کی ہے

رُخِ پُرنور پہ گیسو مجھے آئے جو نظر  مجھ کو حیرت ہوئی پر دل نے کہا فکر نہ کر
عنبریں زلف ہے واللیل کی تفسیر اگر  والضحیٰ رُخ کو سمجھ ہوتا ہے تُو کیوں ششدر
ظُلمت و نُور بہم دیکھ کے حیراں کیوں ہے
رُخ و گیسو کی صفت میں تُو پریشاں کیوں ہے

سچ ہے ان باتوں کو جو سنبل جنّت کہیے  رُخ کو زیبا ہے اگر آئینہ رحمت کہیے
غیرت بدر ہے یا خلق کی زینت کہیے  حق تو یہ ہے اسے اللہ کی قدرت کہیے
آنکھ والوں سے کہو آکے تماشا دیکھیں
ذات خالق اس آئینہ میں جلوہ دیکھیں

رُخِ انور کے تصوّر میں جبیں آئی نظر  کہوں آئینہ تو اس میں کہاں یہ جوہر
کس سے تشبیہہ دوں حیرت سے مَیں ہُوا ششدر  یک بیک دور میں یہ بیت خود آئی لب پر
ہاں اگر مصحف کامل رُخِ نورانی ہے
سُورۃ فاتحہ واللہ یہ پیشانی ہے

نرگس کو ایسی آنکھوں سے نسبت کہاں بھلا  وہ ہے مریض اُن کے اشاروں میں ہے شفا
دید اُن کی اہلِ درد کو صحت کی ہے دوا  حق بیں ہیں یہ اُنہیں مئے عرفاں کا ہے نشا

مست اُن کے دیکھنے ہی سے سب خاص وعام ہیں
آنکھیں ہیں یا کہ بادۂ وحدت کے جام ہیں

سرمگیں آنکھوں میں بے حد یہ بھری شرم وحیا　　فہم میں بھی نہیں اپنے جو اُنھوں نے دیکھا
عرش سے آگے رسائی ہے زہے شانِ علاء　　واقفِ پردہ اسرار یہی ہیں بخدا !
راز سربستہ سے آگاہ یہی آنکھیں ہیں
دید جن کو ہوئی واللہ یہی آنکھیں ہیں

یہ کہاں مُنہ مرا میں جو کروں وصف دہن　　چشمۂ فیض ہے یا غنچہ نسرین سمن
فصحا شرم سے چُپ ہیں کیے نیچی گردن　　نطق عیسٰی کا ہو بند ایسے ہیں اعجاز سُخن
قدرتِ حق کا تماشا یہ دکھا دیتا ہے
بات کی بات میں مُردوں کو جلا دیتا ہے

بے محل اب نہ کروں بات یہی ہے بہتر　　آگیا ذکر زباں کا نہ رہوں چُپ کیوں کر
رُوح سحباں کی ہو دنگ اسکی فصاحت سُنکر　　اس کے عاشق سے تو پُوچھے کوئی اس کے جوہر
جو کہا اس نے وہ ٹلتا نہیں زنہار کبھی
اس سِروہی کے نہیں دیکھے ہیں کیا وار کبھی

سر یہاں جس نے جُھکایا وہ ہوا نیک انجام　　دین و دُنیا کے سبھی بن گئے بگڑے ہوئے کام
اپنے پیرو کی یہی رہبری کرتے ہیں مدام　　اب قدم چوم لے شیدؔا کہ سراپا ہے تمام
کوئی دُنیا میں تعلّی سے نہ ممتاز ہوا
سر یہاں جس نے جُھکایا وہ سرفراز ہوا

---

# شاکر شاہ وارثی

آپ کی بیعت حضرت سرکار وارث پاک علیہ الرحمۃ سے تھی۔ حالانکہ افتادِ مزاج ایسی تھی کہ آپ شعر وشاعری کا تذکرہ بھی کبھی نہیں کرتے، مگر خاموشی کے ساتھ ہمیشہ جذباتِ قلبی کا اظہار اپنے بندہ نواز دستگیر سے نظم کے پردہ میں کرتے تھے۔ آپ کا کلام "عرائض منظومہ" کے نام سے چھپ گیا تھا۔

## نمونۂ کلام

اے سرِ بر سرِ جہاں روے وارثِ کون ومکاں　　ہستی عیاں در ہر نشاں گشتی مگر ازمن نہاں

از خویشتن بگریختہ خود را بتو اویختہ ‏ ‏ ‏ با دردوغم آمیختہ فارغ شدم ازایں و آں
تاکہ بمانم در قفس در بندِ صد حرص و ہوس ‏ ‏ ‏ خواہم کہ باشم ہر نفس در ذکر تو رطب اللسان
ذکرت چہ باشد زندگی فکرت چہ باشد بندگی ‏ ‏ ‏ سکرت بود آزادگی از بند افکار جہاں
صد صد ہزاراں قدسیاں گویند در وصفت چناں ‏ ‏ ‏ عالی نسب حاجی لقب وارث علی شاہِ زماں
یک کنز مخفی بودی و پنہاں بخود از نُور خود ‏ ‏ ‏ آخر بشوق دید خود با نور خود گشتی عیاں
مہر و محبت عاشقی از نفخ اُنسِ وارثی ‏ ‏ ‏ جا کرد بہر رہبری اندر مشام روح و جاں
در سیر آفاقِ جہاں گشتی بہر سود مرداں ‏ ‏ ‏ ہم بہر حج عاشقاں بگذاشتی ہندوستاں
آں حلقۂ باغ ارم یعنی کہ احرامِ حرم ‏ ‏ ‏ عشاق را خوش پیرہن دائم گرفتی شادماں

آخر عنانِ عزم را برتاختی سوئے وطن
فرقت کشاں را عید شد ہر خانہ شد صد گلستاں

---

# غفور شاہ حسامی الوارثی

ضلع پٹنہ کے ایک مشہور گاؤں "کراپر سرا" کے رہنے والے تھے۔ سر سید علی امام کا آبائی وطن بھی یہی تھا۔ سید غفور شاہ صاحب وارثیؒ اور سر علی امام دونوں ہم جلیس تھے۔ دونوں ہی حضرت حافظ حاجی سید وارث علی شاہ علیہ الرحمۃ (قصبہ دیوہ شریف تحصیل و ضلع بارہ بنکی یو۔پی بھارت) کے مرید تھے۔ حضرت غفور شاہ صاحب وارثیؒ حضرت وارث پاک علیہ الرحمۃ کے احرام پوش فقیر تھے اور سلسلہ عالیہ وارثیہ کی اُن سے بہت اشاعت ہوئی۔ بالخصوص اعلیٰ انگریزی داں طبقہ کثرت سے اُن کے حلقہ وارثیہ میں داخل ہوا۔ حضرت اکبر الٰہ آبادی مرحوم بھی سید غفور شاہ صاحب وارثیؒ سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ دونوں کی وفات تقریباً ایک ہی سن میں ہوئی۔ حضرت غفور شاہ وارثیؒ نے بہت سے رسالے تصوف کے مختلف عنوانات پر اُردو اور انگریزی زبانوں میں شائع فرماتے تھے۔ افسوس کہ ۱۹۴۶ء کے فسادات بہار صوبہ کے بعد جب سادات کرام کا یہ اہم خاندان موضع "کراپر سرا" چھوڑ کر اِدھر اُدھر منتشر ہو گیا تو اُن کے یہ علمی ذخیرے بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ اُن کی مطبوعہ کتاب "خوانِ حرمین" بہت مشہور ہے۔ سید غفور شاہ صاحب وارثیؒ علیہ الرحمۃ کے نام کے بہت سے خطوط حضرت اکبر الٰہ آبادی کے دستِ خاص کے لکھے ہوئے بھی تھے، افسوس کہ اُن کے اعزہ اُنہیں بھی محفوظ نہ رکھ سکے۔ مولانا شاہ غلام حسنین صاحب نے ان تمام خطوط کو جو تعداد میں پندرہ سولہ سے کم نہ تھے بچشم خود مطالعہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ حضرت سید شاہ سلیمان قادری (پھلواری شریف)، کا حضرت غفور شاہ صاحب وارثیؒ کے نام بھی ایک خط بطور امثالاً قارئین کرام کے پیشِ نظر کر رہا ہوں۔

مُخلص عزیزم سلمک اللہ تعالیٰ بعد سلام مسنون و دعائے خیر! مُدعا یہ ہے کہ خط آپ کا پہنچا۔ آپ کی دختر کے انتقال سے آپ کے تردد خاطر کا تعلق ہوا، مگر پھر یہ خیال ہوتا ہے کہ آپ درویش ہیں اور وارثی رنگ میں ہیں۔

درویش کی آنکھوں کے سامنے حیات موت کوئی تعجب خیز واقعہ نہیں ہے اور بالخصوص آپ حضرت حافظ حاجی سید وارث علی شاہ علیہ الرحمۃ کے فقیر ہیں جن کے یہاں جینے اور مرنے کی خوشی اور غم کا سبق کبھی پڑھایا ہی نہیں جاتا تھا وہاں غنا اور فقر اور عزت و بے وقعتی سب کا ایک ہی خالق مانا گیا تھا اور خالق بھی محبوب۔ پس محبوب کی ہر ادا محبوب ہے۔ پس حضرت موصوف کا مسلک رضا بہ قضا تھا۔ پس بجائے اس کے کہ میں آپ کو رواجِ دُنیا کے مطابق صبر و شکیبائی کی فہمائش کردوں، یہ کہوں تو بہتر ہے کہ اپنے وارثی رنگ میں رنگے رہو اور یُوں کہتے رہو ؎

میں پیا تورے رنگ میں سمائے رہی

آپ کے سوالات کے مختصر جوابات یہ ہیں :۔

## حضرت اویس قرنیؓ

۱۔ حضرت اویس قرنیؓ پیری و مریدی کے بکھیڑے سے پاک تھے۔ غائبانہ عشق کے فرطِ شوق نے اُن کی ہمت کا قدم پکڑ لیا اور حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم تک اُن کو پہنچنے نہ دیا۔ تذکرۂ بزرگان دین میں یُوں بھی درج ہے کہ حسبِ وصیت رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت علیؓ و حضرت عمرؓ نے اُنھیں ، خرقہ پہنایا۔ اب اسے چاہے خرقۂ برکت سمجھیئے چاہے خرقۂ خلافت سمجھیئے بہرصُورت مبارک اور مقدّس ہاتھوں سے یہ عزت بخشی گئی تھی۔ حضرت اویس قرنیؓ زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہے اور حضرت امیرالمومنین علی مرتضٰے کے ساتھ جنگِ صفین میں باغیوں سے لڑکر شہید ہوئے، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ دُنیا میں اپنی یادگار یہ چھوڑی کہ جب کوئی بُزرگ بلاواسطہ کسی شیخ کے روحانیت محمدیہ سے فیض یاب ہوتا ہے تو اویسی کہلاتا ہے۔

عشق آنست کز و نام و نشانم باقی است

گرچہ فانی شدہ ام ذکر و بیانم باقی است

## خرقے کی حقیقت

۲۔ متقدمین اولیائے کرام میں خرقے وغیرہ کی پابندی نہ تھی۔ کوئی پہناتا تھا، کوئی زبانی ہدایت خلقِ خدا کی اجازت دیتا تھا۔ اور اجازت وغیرہ لکھنا یا عام مجمع کرکے کسی کو منتخب کرنا وغیرہ یہ سب لوازم اجازت سے نہیں ہیں۔ شیخ کامل و مکمل جس طرح سے جس کو چاہتا تھا سرفراز کرتا تھا۔

## خرقۂ خلافت محض لباس نہیں

کسی طرح کا خرقہ و لباس ہو اگر شیخ کامل نے ہمت اور ارادے سے بخشش کی ہو تو وہ بے شک بجائے خلافت و اجازت کے متصوّر ہوگا۔ اب اس مختصر جواب کے بعد آپ سے مخلصانہ باتیں یُوں کروں گا کہ آپ اگر

اس وارثی لباس کے ساتھ اس رنگ ڈھنگ پہ ثابت قدم رہیں اور خلقِ خدا کو ہدایت کریں اور خُلق وارثی کے ساتھ متخلق ہو جائیں تو بخدا سب سے پہلے میں آپ کو حضرت موصوف کا خلیفہ ماننے کو تیار ہوں اور یہ بھی عرض کیے دیتا ہوں کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کا اصلی رنگ یہ تھا کہ وہ دریائے وحدت کے ڈوبے ہوئے تھے۔ غیر و غیریت اُن کے سامنے بالکل محو تھی۔

## وارثی توحید

مَیں نے مکہ معظمہ میں حضرت شیخ العالم حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کی زبان مبارک سے سُنا ہے کہ حضرت قبلہ حاجی سید وارث علی شاہ صاحب سا موحد دیکھنے میں نہیں آیا۔ سبحان اللہ ایک شیخ الشیوخ جس شخص کو بے مثل سمجھے اور دریائے توحید شناور جانے، وہ کس پائے اور رُتبے کا شخص ہو سکتا ہے۔

اب اس خط کو ختم کرتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان بزرگوں کا بہترین نمونہ بنائے اور آپ آئینۂ وحدت ہو کر عالم میں اپنا نُور پھیلائیں۔ والسلام

"شمس المعارف" مکاتیب شاہ سلیمان پھلواری

حضرت غفور شاہ وارثی علیہ الرحمۃ زیادہ تر مضامین مختلف رسائل کے لیے لکھتے عموماً مضامین مذہبی اور تصوف پر ہوتے۔ ان کا ایک مضمون شری کرشن کی تعلیمات کے متعلق ماہنامہ "صوفی" اگست ۱۹۲۱ء لاہور میں شائع ہوا۔ اس کے اقتباسات مندرجہ ذیل ہیں:۔

جب سری کرشن نے جنگ مہابھارت میں ارجن (پانڈوؤں کے پانچ بھائیوں میں سے ایک بھائی کا نام) سے پُوچھا تم اس جنگ میں جو کہ کورو اور پانڈوؤں کے درمیان ہو رہی تھی شریک کیوں نہیں ہوئے تو اُس نے جواب دیا مَیں ایسے گناہ کا مرتکب نہیں ہو سکتا جس میں میرے عزیز و اقارب اور دیگر تمام جنگی آدمیوں کا خُون ناحق ہو۔ مَیں کسی کا خُون کرتے ہوئے گھبراتا ہوں، مجھ میں اتنی صلاحیت نہیں کہ مَیں کسی شخص کا خُون بہتے ہوئے دیکھوں جب کہ یہ دُنیا ناپائیدار ہے۔

تو اس کے جواب میں سری کرشن کا جواب تھا: "تم ایسے نفوس کے لیے رنج و افسوس کرتے ہو جو بالکل اس کے اہل نہیں۔ حقیقت شناس نہ زندوں کا رنج کرتے ہیں نہ مُردوں کا غم۔ نہ کبھی میرا وجود تھا اور نہ کسی حکمران کا وجود تھا۔ ہم میں سے کبھی کوئی معدوم نہ ہو گا۔ جو رُوح کو فانی تسلیم کرتا ہے یا مقتول خیال کرتا ہے وہ یقیناً عقل اور معرفت سے خالی ہے۔ وہ نہ کسی کو ہلاک کرتی ہے اور نہ خود ہلاک ہوتی ہے۔ نہ کبھی پیدا ہوتی ہے اور نہ کبھی مرتی ہے، پس رُوح کو ان صفات سے متصف سمجھ کر تم کسی امر کا رنج نہ کرو۔ دنیا عالمِ مثال ہے۔ یہ عالم برزخ کا پرتو ہے، اس ظاہری سایہ کے اس طرف ایک اور دُنیا ہے جو لازوال غیر متبدل ہمیشہ پیوستہ پائدار مستحکم اور ابدی ہے۔ یہ عالم مثال ایک سراب ہے جس میں کوئی ذاتی واقعیت اور پائیداری ذرا نہیں ہے، اس لیے تمہارے دین افعال کی سراب

دش تبدیلیاں ہیں اور ان کا اثر عالمِ برزخ پر کچھ نہیں ہو سکتا ہے۔ جو اختیار کرو گے وہ تمہارا فعل ہوگا۔ اس حیرت آباد کے لیے کچھ نفع و نقصان نہیں کر سکتا۔ تمہیں رنج محسوس ہوتا ہے، کیونکہ تمہارا عقیدہ ہے کہ تمہارے افعال پیچھے عالمِ برزخ پر مؤثر ہوں گے، لیکن یہ خیالات و عقائد بالکل خام اور باطل ہیں، تمہاری ہستی بالکل خواب ہے۔ جو شخص اپنی زندگی کے فرائض ادا کرتا ہے اور اجر کی خواہش نہ رکھ کر اُنہیں منعمِ حقیقی کے سپرد کرتا ہے، وہ دُنیا کی جھیل میں کنول کے پھول کی طرح تیرتا ہے اور اُسے مد و جزر کے تھپیڑوں سے ذرا گزند نہیں پہنچتا۔

دل اگر دانا بود در ہر سخن اسرار ہست
چشم اگر بینا بود یوسف بہ ہر بازار ہست

(ماہنامہ "صوفی" اگست ۱۹۲۱ء لاہور)

اب ان کا نمونۂ کلام ملاحظہ فرمایئے:۔

## غزل

سوچا کبھی نہ عشق میں کچھ پیار کے سوا
حسرت کوئی نہ کی تیرے دیدار کے سوا

آئے کبھی جوش پہ رحمت حضور کی
کون اس کا مستحق ہے گنہگار کے سوا

مُردہ کو زندہ، زندہ کو مُردہ بنا دیا
کس میں یہ بات ہے تیری گفتار کے سوا

خلدِ بریں میں بیٹھ رہے جا کے متقی
حاضر رہا نہ کوئی گنہگار کے سوا

کیا چین آئے خانۂ صیاد میں ہمیں
دم بھر کہیں رہے نہیں گلزار کے سوا

بارِ اجل اُٹھائے جو کوئی خوشی خوشی
طاقت یہ کس میں ہے تیرے بیمار کے سوا

اے یارِ سوزِ دل مرض لاعلاج ہے
جائے گا نہ یہ شربتِ دیدار کے سوا

آزاد تو کیا مجھے یہ تو بتلایئے
جاؤں کہاں مَیں آپ کی سرکار کے سوا

مر مٹ کے کون گورِ غریباں میں جائے شاہ
اپنی جگہ کہاں ہے درِ یار کے سوا

(ماہنامہ درگاہ، لکھنؤ۔ اکتوبر ۱۹۶۳ء)

# مضطر خیر آبادی

مضطر وارثی خیر آبادی قدرت کی طرف سے شاعرانہ دل و دماغ لے کر آئے تھے۔ آپ کی تعلیم و تربیت تمامتر آپ کی والدہ ہی نے فرمائی جو مولانا فضل حق خیر آبادی کی بیٹی اور شمس العلماء عبدالحق خیر آبادی کی چھوٹی بہن تھیں۔ اُردو، فارسی اور عربی کی زبردست شاعرہ فقہ اور منطق کی جلیل القدر عالم تھیں۔ آپ نے اپنی والدہ ہی سے تمام علوم درسیہ کی تحصیل و تکمیل کی اور اُنہیں سے شاعری کے رموز سے آشنا ہوئے۔ مولانا عبدالحق خیر آبادی اپنی بہن سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر تُو لڑکا ہوتی تو خیر آباد کا نام روشن ہوتا۔ دس سال کی عمر میں مضطر صاحب نے شعر کہنا شروع کیا اور ان ابتدائی غزلوں پر اپنی والدہ ہی سے اصلاح لی۔ آپ کی پہلی غزل کا مطلع تھا ؎

ڈھونڈتے ہم کیوں دوائے دردِ دل　　　تم اگر ہوتے بجائے دردِ دل

اس پر دادی صاحبہ نے حسبِ ذیل اصلاح فرمائی:

ڈھونڈتے ہم کیوں دوائے دردِ دل　　　کاش تم ہوتے بجائے دردِ دل

والدہ کے انتقال کے بعد آپ نے ایک غزل منشی امیر احمد صاحب کو بغرضِ اصلاح بھیجی گئی۔ امیر مینائی نے صرف مطلع اوّل میں الفاظ کو مقدم و مؤخر فرما کر غزل واپس کر دی اور ساتھ ہی اس کے یہ تحریر فرمایا کہ یہ اصلاح محض استحساناً تھی۔ آپ بغیر اصلاح غزل پڑھ سکتے ہیں۔ مطلع مندرجہ ذیل تھا۔

داغ ہیں سینکڑوں پنہاں دل میں　　　طُرفہ پھولا ہے گلستاں دل میں

اصلاح ملاحظہ ہو:

سینکڑوں داغ ہیں پنہاں دل میں　　　طُرفہ پھولا ہے گلستاں دل میں

اس کے بعد مضطر صاحب نے دوبارہ کوئی غزل اصلاح کے لیے نہ بھیجی۔

مضطر خیر آبادی کی ابتدائی شاعری میں جو عشق کی رنگینی پائی جاتی ہے اس کی تمام تر وجوہات بقول!

؎ سوئے ساقی کیف بدمستی میں ماتھا ٹیک گیا　　　ایک سجدے میں ادا کر لی نمازِ مے کدہ

صرف جُھک جاتے ہیں پی کر جانبِ پیرِ مغاں　　　بادہ کش پڑھتے ہیں بے سجدہ نمازِ مے کدہ

ادب ایک بڑی حد تک زندگی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ کیونکہ شاعر اپنے ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ زندگی اور معاشرت کا ترجمان ہوتا ہے۔ وہ صرف اپنے جذبات و خیالات ہی نہیں بلکہ سوسائٹی کے جذبات و خیالات کی عکاسی جان بوجھ کر کمتر اور بے جانے بوجھے بیشتر کرتا ہے۔ مضطر صاحب کے زمانہ کے اشخاص حقیقت سے دوچار ہونا گوارا نہ کر سکتے تھے، اس لیے شباب کی کیفیات سے سرشار رہنا چاہتے تھے۔ زندگی میں ایک دور ایسا آتا ہے جب انسان ؎ "ایں دفتر بے معنی غرقِ مئے ناب اولیٰ" کہہ کر آنے والی مصیبت کو ٹالتا ہے اور ٹالنا چاہتا ہے۔

یہ عین مقتضائے فطرت ہے۔ ایک دور ہے جو چند روزہ ہے، ایک نشہ ہے جو کچھ عرصہ میں اُتر جاتا ہے اور اس کے بعد انسان زیادہ سختی سے جہد للبقا کے تلخ حقائق سے نبرد آزما ہوتا ہے۔ مضطر صاحب کا سارا کلام جدت و بے ساختگی، لطفِ زباں، حسن ادا اور لطافتِ فکر سے یکسر مملو ہے۔ ؎

جفا سے وفا مسترد ہو گئی — یہاں ہم بھی قائل ہیں حد ہو گئی
نگاہوں میں پھرتی ہے آٹھوں پہر — قیامت بھی ظالم کا قد ہو گئی

---

نہ بلوایا نہ آئے روز وعدہ کر کے دن کاٹے — بڑے وہ ہو کہ تم نے اچھا اچھا کر کے دن کاٹے
تمہارا کیا کھُلے بندوں رہے چاہا جسے دیکھا — کمال اُس نے کیا مضطر کہ پردا کر کے دن کاٹے

---

دردِ دل اب خدا کرے کہ نہ ہو — کوئی ایسا دوا کرے کہ نہ ہو
تم سلامت رہو قیامت تک — اور قیامت خدا کرے کہ نہ ہو
وصل سے انتظار ہی اچھا — یہ تو مضطر خدا کرے کہ نہ ہو

---

آئینہ دیکھ کر غرور فضول — بات وہ کر جو دوسرا نہ کرے
مَیں مسیحا اُسے سمجھتا ہوں — جو مرے درد کی دوا نہ کرے
مضطر اُس نے سوال اُلفت پر — کس ادا سے کہا خدا نہ کرے

---

مضطر صاحب جب ریاست ٹونک کی طرف سے وکیل مقرر ہوئے تو آبو گئے تو حضرت بیخود موہانی سے ملاقات کی اور تھوڑے ہی عرصے میں دوستی کی بُنیاد مستحکم ہو گئی۔ رات دن کا اُٹھنا بیٹھنا رہتا۔

چمنِ محبت میں کئی سال خُوب فضا رہی — مگر اُس نے آنکھ جو پھیر لی نہ گُل رہے نہ ہوا رہی
وہ زمانہ مضطر بے نوا فقط اک خواب و خیال تھا — وہ مٹا تو کچھ بھی نہ رہا جو رہی تو ذاتِ خدا ہی رہی

---

خمریات کو حضرت ریاض وارثی خیرآبادی کا حصّہ کہا جاتا ہے۔ مگر مضطر بھی اس میکدے میں برسوں "خرابِ ہوش" رہے۔ ریاض نے "مے خیام" کا رنگ قبول کیا اور مضطر "بادۂ حافظ" سے سیراب ہوئے۔

میکدے میں پی کے مے اوّل تو چُپ رہنا پڑا — بات جب نکلی تو ساقی کو خدا کہنا پڑا

---

توبہ کو مانگتا ہُوں سرورِ شباب میں ساغر لیے کھڑا ہوں خدا کی جناب میں

---

جلوۂ رخسارِ ساقی ساغر و مینا میں ہے چاند اُوپر ہے مگر ڈوبا ہوا دریا میں ہے

---

حضرت ریاضؔ ایک مرتبہ گوالیار تشریف لائے تو حضرت مضطرؔ نے ایک مشاعرہ منعقد کیا۔ حسبِ معمول طرح تجویز ہوئی مگر اس کے ساتھ جدّت یہ کی گئی کہ ہر ایک کی غزل کے لیے موضوع مخصوص کر دیا گیا۔ مضطرؔ صاحب نے ریاض صاحب کے لیے شراب کا مضمون تجویز کیا، مگر ریاض صاحب نے مجبور کیا کہ اس موضوع پر آپ غزل لکھیں ؛ چنانچہ مضطرؔ صاحب نے تمام غزل میں شراب ہی کا مضمون باندھا۔ اس غزل کا شعر ملاحظہ ہو۔

ہمارے میکدے میں خیر سے ہر چیز رہتی ہے مگر اک تیس دن کے روزے نہیں ہوتے

---

ایک دفعہ رام پور کے مشاعرہ میں جو شررؔ رامپوری نے نہایت وسیع پیمانے پر منعقد کیا تھا۔ دوراتِ مسلسل مشغلۂ سُخن جاری رہا۔ ہندوستان کے تمام باکمال شعراء کا مجمع تھا۔ ایک سے ایک بڑھ کر کہنے والا موجود تھا، مگر مضطرؔ یہاں بھی آفتاب بن کر چمکے۔ سائل صاحب کے پڑھ چکنے کے بعد رنگ جمانا مضطرؔ ہی کا کام تھا۔ اولاً مضطرؔ صاحب نے خلد آشیاں نواب حامد علی خاں صاحب کی شان میں ایک سو ایک شعر کا طرحی قصیدہ پڑھا جس کا مطلع یہ ہے

شامِ غم گزری نمایاں ہو چلے آثارِ صُبح اوڑھ لی لیلائے شب نے چادرِ زرتارِ صُبح

جب نواب حامد علی خاں مرحوم نے مضطرؔ کو مہاراجہ گوالیار سے مانگا اور مضطرؔ رام پور تشریف لائے تو حضرت شررؔ نے ایک مشاعرہ کیا جس کی طرح تھی کہ

شررؔ تم کو مبارک ہو کہ مضطرؔ رام پور آئے

چند شعر ملاحظہ فرمائیں :۔

الٰہی خیر! زوروں پر بتانِ پُر غرور آئے کہیں ایسا نہ ہو ایمانِ عالم میں فتور آئے
یہی صُورت وہاں تھی بے ضرورت بُتکدہ چھوڑا خدا کے گھر میں رکھا کیا ہے ناحق اتنی دُور آئے
محبّت ایک شے ہوتی ہے اتنا حُسن تو اب رکھو سمجھ اُس وقت لینا جب جوانی شعور آئے

مضطرؔ صاحب کا نعتیہ کلام بھی زبان زدِ عام ہے بلکہ اُن کو نعت کا امام تسلیم کیا ہے۔

ملنا تھا تو مل جاتے اُس نُورِ مجرّد سے کیوں جا کے چلے آئے دربارِ محمّد سے
اللہ کے پلّے میں وحدت کے سوا کیا ہے جو کچھ مجھے لینا ہے لے لُوں گا محمّد سے

---

سُن اے بادِ صبا تو جانب طیبہ اگر گزرے — تو جا کر تھامنا بابِ حریمِ خاص کے پردے
درِ اقدس پہ اپنا سر جُھکا کر میری جانب سے — بصد آداب یہ کہنا اے مالک مدینے کے

جوارِ خاص میں دو گز جگہ مضطرؔ کو مل جائے
نہ ہو بعدِ فنا محتاج لاشہ کُنج مرقد کا

اور اس کے ساتھ ہی کہنا کہ اے محبوبِ جاں میرے — بڑے منجدھار میں ہوں دُور ہے کشتی کنارے سے
ہوا بالکل مخالف چل رہی ہے اور دن کھوٹے — جو وہ پُوچھے کہ پھر کیا چاہتا ہے صاف یُوں کہہ دے

جوارِ خاص میں دو گز جگہ مضطرؔ کو مل جائے

اگر پُوچھے کہ اب کیا مانگتا ہے مانگ لے مجھ سے — تو کہنا آپ نے سب کچھ دیا اور دے چکے پہلے
مگر قسمت بُری تھی بن گئے سب خار گُل بوٹے — اب آخر وقت میں کیا چاہیے مجھ کو سوا اس کے

جوارِ خاص میں دو گز جگہ مضطرؔ کو مل جائے

---

تھوڑے عرصے بعد آپ حضرت حافظ حاجی سید وارث علی کے طالب ہو گئے۔ اپنی عقیدت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔ ؎

آنکھوں سے کیوں نہ چُوموں پائے جنابِ وارث — بے وارثوں کے وارث آئے جناب وارث

---

ایک دفعہ سرکارِ وارث عالم پناہ خیر آباد تشریف لے گئے اور قوالوں نے آپ کے سامنے یہ چیز پڑھی تو سرکار وارث پاک علیہ الرحمۃ پر کیفیت طاری ہو گئی اور زباں گوہر فشاں سے فرمایا: "بڑا نامی مضطرؔ"

گوالیار کے زمانہ قیام میں مضطرؔ کو بابا شیخ مسیح اللہ سے بھی ایک خاص لگاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ بابا بھی ان سے بہت اُنس رکھتے تھے۔ مرنے کے بعد بھی باباجی کے مزار کے قریب دفن ہوئے۔

دیر و حرم میں سب جگہ ڈھونڈ لیا ملا نہیں — یہ بھی کسی کی چھیڑ تھی اپنا غلط پتہ دیا
حقیقت کا نشاں چشمِ تأمّل سے نکل آیا — ہمارے جزوِ ہستی کا پتہ کُل سے نکل آیا
بتایا حال یُوں کوزے میں دریا کے سمانے کا — کہ ساقی خود مجسم ساغرِ مُل سے نکل آیا
قناعت دوسرے کے آسرے کا نام ہے مضطرؔ — خدا ہے جو کوئی حد توکّل سے نکل آیا

اس کے علاوہ مضطرؔ صاحب نے ہندی شاعری میں طبع آزمائی کی ہے۔ ہندی شاعری میں ملہار، ٹھمری، ہولی، دادرا اور بسنت پر بہت کچھ لکھا۔ ان میں بعض چیزیں تو بے حد مقبول ہوئیں جو قارئین کرام کے لیے پیش کی جا رہی ہیں۔



؏ آؤ آؤ نگریا ہماری رے

یا پھر مضطرؔ صاحب ملہار جو ہندوستان کے برساتوں کے گیتوں کی جان ہے۔ ؎

چھا رہی ہے اُودی گھٹا جیرا مورا گھبرائے ہے
سُن ری کوئل باوری تو کیوں ملہاریں گائے ہے

او پپیہا آ! ادھر مَیں بھی سراپا درد ہوں — آم پر کیوں جم رہا مَیں بھی تو ویسے زرد ہوں
فرق اتنا ہے اُس میں رس ہے مجھ میں ہائے ہے

---

# ہندی کلام

ایسے دن برکھارت آئن گھر نا ہمیں ہمرے شیام رے — پاپی پپیہرا جیرا کا بیری لیت پیا کا نام رے
آنبہ کی ڈال کوئلیا جو کُوکے آئی گھٹا جھوم جھام رے — اُٹھ رہی پیر جنما کی سنگھا تن بارا کلیجوا تھام رے
مضطرؔ پیا پردیس سدھارے سونا ہے گوکل دھام رے — دُکھیا جان کے مجھ برہن کو جلدی ملیو رام رے

---

پی کارن سگری پت کھوئی — اپنی بپتا پر برسن روئی
لاگی آگ پریم کی تن من دینو پھوک — آئی یاد کرشن کی اُٹھی کریجے ہوک
آتنی عمر سُکھ نیند نہ سوئی — پی کارن " " "
سب سکھیں کے سیام ہیں اور ہم دکھیا بن سیام — سب کا پی آرام ہے اور ہمرا پی ہے رام
سب کے پی ہمرا نہیں کوئی — پی کارن " " "
اُو پنچھی وا دیس کے جیو پی کے تیر — کہیو ہمری اور سے اب نا ہیں ہے دھیر
بن تمرے موہے کل نا ہوئی — پی کارن " " "
بیدردی وہ پی ملے کہ مضطرؔ جن کا ناؤں — من بس کر کے تج دیو اور آپ براجیں گاؤں
بیچ دھار موری ناؤ ڈبوئی — پی کارن سگری پت کھوئی

## ہولی

رات سپنے میں آئے پیا مو سے کھیلن ہوری — کیسر پاگ سیس پر باندھے تا پر رنگ پڑو ری
ہاتھ لیے رنگ پچکاری ابرا کی ڈار سے جھوری — دے پگ چوری چوری
رات سپنے میں ۔۔۔۔۔۔

سووت ماموہے چیت دلائن چوم کے انکھیاں موری　　جاگ پڑوں تو کچھ نہ پاؤں کاہے مضطرؔ گوری
ابھی کھیلت تھے ہوری ۔۔۔۔ رات سپنے میں

---

## ملہار

کہا مان لے پپیہا رے نہ لے پیا کا نام
بالی عمریا کو دیکھ ۔ سونی سجریا کو دیکھ
ہوک کی کوک کلیجوا میں لاگے　　کوک سے ہوک نہ جیارا　　نہ لے پیا کا نام
جاکے سنوریا کو دیکھ ۔ کالی کمریا کو دیکھ
بنسی بجاوت بن میں پھرت ہے　　باندھے ہے سیس پہ چیارا　　نہ لے پیا کا نام
رات کی بیریا کو دیکھ ۔ کھال اٹریا کو دیکھ
مضطرؔ سے کر جوڑ کے کہیو　　آؤ تو مَیں واروں دیارا　　نہ لے پیا کا نام

---

## غزلیات

دمِ خوابِ راحت بُلایا انھوں نے تو دردِ نہاں کی کہانی کہوں گا
میرا حال لکھنے کے قابل نہیں ہے اگر مل گئے تو زبانی کہوں گا
لبِ جوئے اُلفت رسائی ہے دعویٰ یہاں قصّہ سخت جانی کہوں گا
اِدھر آ اُدھر رُوحِ شیریں اِدھر آ ترے کوہکن کی کہانی کہوں گا
خضر ترے چشمے کا پانی ہے اچھا مگر مَیں اسے موجِ فانی کہوں گا
محبت کا مارا ہوا دل جلا دے مَیں تب تیرے پانی کو پانی کہوں گا
تیری ذاتِ واحد ہے بیدار مطلق تجھے تو کبھی نیند آتی نہیں ہے
تیری آنکھ لگنے کی حسرت میں یارب کہاں تک قصّے کہانی کہوں گا
وہ اک آئینہ جس میں منہ دیکھتے ہیں کسی ایک کا وقفِ صُورت نہیں ہے
یہیں سے نتیجہ اُٹھا کر دوئی کا مَیں وحدت کو کثرت کا بانی کہوں گا
یہ ہستی کا شیشہ جو تُو نے دیا ہے ذرا اس پہ چاہت کی صیقل تو کر لوں
یہ ہو جائے پھر اپنی ہستی کو مَیں بھی تری ذات کا نقشِ ثانی کہوں گا



ازل ہی میں تجھ پر نظر پڑ چکی ہے نہ کر مجھ سے انکارِ جلوہ نمائی
تجلّی تری گو نئی روشنی ہے مگر مَیں اس کو پُرانی کہوں گا
محبت میں انکارِ جلوہ نمائی ذرا اس طریقے کو تو یاد رکھنا
اگر مَیں کبھی تیرے درجے پہ پہنچا تو مَیں بھی یونہی لن ترانی کہوں گا
مَیں کیا بے وفا ہوں جو محشر میں مضطرؔ خدا سے کروں شکوۂ قتل اپنا
زمانہ کہے خُونِ ناحق بہایا اگر مجھ سے پُوچھا تو پانی کہوں گا

---

بُت میں بھی ترا یا رب جلوہ نظر آتا ہے　　بُت خانے کے پردے میں کعبہ نظر آتا ہے
ساقی کی محبت میں دل صاف ہوا اتنا　　جب سر کو جُھکاتا ہوں شیشہ نظر آتا ہے
اے عشق کہیں لے چل یہ دیر و حرم چُھوٹیں　　ان دونوں مکانوں میں جھگڑا نظر آتا ہے
معشوق کے رُتبے کو محشر میں کوئی دیکھے　　اللہ بھی مجنوں کو لیلیٰ نظر آتا ہے
مضطرؔ مری آنکھوں پر دستِ ادا رکھیں　　پھر مجھ سے وہ پُوچھیں اب کیا نظر آتا ہے

---

مصروفِ شُکر نعمتِ پیرِ مغاں رہوں　　اللہ مجھ کو یُونہی پلائے جہاں رہوں
زیرِ زمیں رہوں کہ تہہ آسماں رہوں　　اے جستجوئے یار بتا مَیں کہاں رہوں
ظالم یہ بزمِ حُسن کا اچھا رواج ہے　　تو شمع ہو کے بھی نہ جلے مَیں تپاں رہوں
شکلوں سے رسمِ رشکِ رقابت فضول ہے　　ہستی جب ایک ہی ہے تو کیوں بدگماں رہوں
بن جائیں میری طرزِ وفا کی کہانیاں　　ایسا مٹا کہ صاحبِ نام و نشاں رہوں
آبِ حیات پی کے خضر کیا یہاں رہے　　مَیں ٹھان لُوں تو کچھ نہ پیوں اور یہاں رہوں
اے چشمِ یار موت کا پہلو بچا کے تُو　　ایسی نگاہ ڈال کہ مَیں نیم جاں رہوں
مضطرؔ وجودِ ذات نے گھر تک بھی لے لیا
جب خود وہ ہر جگہ ہے تو اب مَیں کہاں رہوں

---

دمِ آخر مصیبت کاٹ دو بہرِ خدا میری　　تم آ کر درد کے پردے کر جاؤ دوا میری
محبت بُتکدے میں چل کے اس کا فیصلہ کر دے　　خدا میرا خدا میرا ہے یا یہ مُورت ہے خدا میری
یہاں جب گئی تھی تب اثر پُر خار کھائی تھی　　وہاں سے پُھول برساتی ہوئی پلٹی دُعا میری
مقید ہو کے لُطفِ ہستی آزاد بھی کھویا　　وہ کیا تھی ابتدا میری وہ کیا تھی انتہا میری

میانِ حشر میں یہ کافر بہت اُترائے پھرتے ہیں
مزا آ جائے ایسے میں اگر سُن لے خدا میری

کسی کا جلوۂ رنگیں یہ کہتا ہے انہیں پُوچھو
یہ اس پتھر کے بُت ہیں جس پہ پسی تھی حنا میری

نہ جانے کون سے یوسف کا جلوہ مجھ میں پنہاں ہے
زلیخا آج تک کرتی ہے مضطرؔ التجا میری

---

آنکھ کُھلتے ہی تیرا جلوہ نظر آنے لگا
تو مجھے پردے میں بے پردا نظر آنے لگا

بے پئے دریا کو قطرہ جانتا تھا عشق میں
جب سے پی قطرہ مجھے دریا نظر آنے لگا

مجھ کو میرے عشق نے پونچا دیا اسی جگہ
جس جگہ عرش بھی نیچا نظر آنے لگا

شیشۂ دل کی صفائی ٹوٹ کر ظاہر ہوئی
دل کے ہر ٹکڑے میں منہ تیرا نظر آنے لگا

ترکِ ہستی سے مری خانہ بدوشی مٹ گئی
لامکاں پونچا تو گھر اپنا نظر آنے لگا

پردۂ وحدت میں قیدِ بندگی جاتی رہی
مجھ کو اپنی ذات میں مولا نظر آنے لگا

دشت میں مجنوں کے ارمانوں کی تصویریں کھچیں
ہر شجر میں جلوۂ لیلےٰ نظر آنے لگا

ٹکٹکی باندھی ہے کیوں مضطرؔ نے وقتِ واپسیں
کیا نشانِ منزلِ عقبےٰ نظر آنے لگا

---

نظر بھر کر وہ حسنِ پردہ در دیکھا نہیں جاتا
بہت چاہا کہ میں دیکھوں مگر دیکھا نہیں جاتا

دل اپنا میں نے صدقے کر دیا ہے جس کی نظروں پر
قیامت ہے کہ اس سے اک نظر دیکھا نہیں جاتا

دلِ حسرت طلب شکوہ ہے کیوں جلوے کی تابش کا
اُدھر تو دیکھتا کیوں ہے جدھر دیکھا نہیں جاتا

وہ قدرت کے نمونے کیا ہوئے جو اس میں پہلے تھے
مَیں کعبہ کیا کروں مجھ سے یہ گھر دیکھا نہیں جاتا

تمنائے وصالِ یار میں ہم مر مٹے مضطرؔ
مگر اب تک دعاؤں میں اثر دیکھا نہیں جاتا

---

تیری رنگت بہار سے نکلی
پھُوٹ کر لالہ زار سے نکلی

دل جو دھویا تو تُو نظر آیا
کیا ہی صُورت غبار سے نکلی

چھیڑ کر آزما لیا ہم نے
تیری آواز تار سے نکلی

مفت برباد ہے مری حسرت
کیوں دلِ بے قرار سے نکلی

بہرِ تعظیم حشر برپا ہے
کس کی میت مزار سے نکلی

جان مضطرؔ تیری محبت میں
کیا ہی صبر و قرار سے نکلی

---



تربت میں سُلائے گی اک دن تری روپوشی
اس پردے میں نکلے گا ارمان ہم آغوشی

کیوں پُوچھو کہ کیا پایا مے خانے میں پی کر
یہ پُوچھو کہ کیا دیکھا باعالمِ باہوشی

اب کون بُلاتا ہے اب کون پلاتا ہے
ساقی ہی کے دم سے تھی مے نوشوں کی مے نوشی

ساقی تیری حسرت میں آنکھیں مری روتی ہیں
ماتم کی شہادت ہے پتلی کی سیہ پوشی

اک راز ہے اے مضطرؔ تربت کا اندھیرا بھی
آئی ہے پئے ماتم کعبے کی سیہ پوشی

---

مٹ گیا دل تو تیری موج کا نقشہ
ہم نے مٹی سے اُبلتے تیرا دریا دیکھا

خلوتِ خاص میں ملنے کو کہا تھا تُو نے
ہم نے برسوں تہِ مدفن تیرا رستہ دیکھا

ہم نے ہر شکل سے اچھی تیری صُورت پائی
ہم نے ہر نقش سے اچھا تیرا نقشہ دیکھا

مجھ کو مل جائے تو تدبیر تسلّی پُوچھوں
تُو نے جس آنکھ سے عاشق کا تڑپنا دیکھا

یاد رکھنا چمن دیر کی باتیں مضطرؔ
حشر میں پوچھ نہ بیٹھے کہ کہو کیا دیکھا

---

بے مانگے ہوئے ملتے ساغر کو یہیں دیکھا
ساقی سا سخی داتا ہم نے تو نہیں دیکھا

اک نقش کی ہستی میں سب زیرِ نگیں دیکھا
بُت خانہ جہاں پایا کعبہ بھی وہیں دیکھا

میخانے سے اُٹھنے کا غم مجھ کو نہیں لیکن
حسرت ہے تو اتنی ہے ساقی کو نہیں دیکھا

آنکھیں تو ہمیشہ سے جلوے کی شناسا ہیں
اب آ کے یہاں جانا پہلے تو وہیں دیکھا

خاکِ درِ جانا نہ ہم نے تیرے صدقے میں
چاہت کے فقیروں کو صندل بہ جبیں دیکھا

آنکھوں کا فقط ہونا دُنیا میں نہیں کافی
نرگس کی بھی آنکھیں تھیں اور کچھ بھی نہیں دیکھا

اے رُوحِ تہِ مدفن تو جا کے پھر آئی ہے
اتنا تو بتاتی جا اس کو بھی کہیں دیکھا

آہِ دلِ مضطرؔ نے کچھ ایسی ہوا باندھی
بے پردہ تجھے ہم نے او پردہ نشیں دیکھا

---

غرورِ اُلفت کی طرزِ نازش عجب کرشمے دکھا رہی ہے
ہماری روٹھی ہوئی نظر کو تری تجلّی منا رہی ہے

وہ طور والی تری تجلّی غضب کی گرمی دکھا رہی ہے
وہاں تو پتھر جلا دیے تھے یہاں کلیجہ جلا رہی ہے

مرے نشیمن میں شانِ قدرت کے سارے اسباب ہیں مہیّا
ہوا صفائی پہ ہے مقرر چراغ بجلی جلا رہی ہے

نہ اس کے دامن سے مَیں ہی بجھا نہ میرے دامن سے یہ اٹکی
ہوا سے میرا بگاڑ کیا ہے جو شمع تُربت بجھا رہی ہے
فرشتے اگر آئے لحد میں تو صاف کہہ دوں گا راستہ لو
جب اُسکی چاہت میں جان دیدی تو بات کہنے کی کیا رہی ہے
جمال قدرت مجھی کو دے دے کہ مَیں کلیجے کی چوٹ سیکوں
کلیم کے گھر میں رکھے رکھے وہ آگ اب کیا بنا رہی ہے

---

ہستی کو مٹا ڈالا تب اتنی سمجھ آئی
دانائی ہے نادانی ، نادانی ہے دانائی
یہ بات محبّت نے اک دن مجھے سمجھائی
تو خود ہے خدا اپنا پردہ ہے خود آرائی
اُلفت نے مجھے تیرا آئینہ بنا ڈالا
خود بینی کی خود بینی ، یکتائی کی یکتائی
مرکر بھی تہہ مدفن انبوہِ تمنّا ہے
ہنگامے کا ہنگامہ تنہائی کی تنہائی
نقاش تصوّر سے تصویر تو کھچوا لے
اب سونے کا وقت اے چشمِ تمنّائی
مضطرؔ یہ خدا والے مر کر بھی جلاتے ہیں
مدفن سے ہویدا ہیں آثار مسیحائی

---

باغ سے دورِ خزاں سر جو ٹپکتا نکلا
قلبِ بُلبل نے یہ جانا میرا کانٹا نکلا
تیرے تیروں کی مدارات میں غفلت نہ ہوئی
چھن گیا قلب تو چھدنے کو کلیجہ نکلا
ڈوب جانے کی ہدایت جو کبھی موج نے دی
آنکھ دینے کو حبابِ لب دریا نکلا
آتشِ سوزِ محبّت نے جلایا تھا جسے
وہ کلیجہ تیرے پانی سے بھی ٹھنڈا نکلا
جان کے ساتھ ہی پردے سے نکل آئے تو
تب مَیں جانوں مرے مرنے کا نتیجہ نکلا
جان پاتے ہی قیامت میں تیری یاد آئی
میرا لاشہ مری تربت سے تڑپتا نکلا
جاتے جاتے بھی بڑا ساتھ نباہا مضطرؔ
تیر کے ساتھ ہی سینے سے کلیجہ نکلا

---

## چند دوہے

تن پایا تب من ملا اور من پایا تب پی
تن من دونوں پی کے ہیں اور پی کا نام ہے جی
پی مورا میں پیو کی ، پی دن ہیں مَیں رین
جیسے نجریا ایک ہے اور دیکھت کے دو نَین
گوکل کی سی ناگری اور متھرا کا سا گاؤں
تم ہو مالک برج کے ، کرشن تمہارا ناؤں
تن میٹے من وار دے یہی پریت کی آن
جو اپنا آپا تجے سو دا کا داسی جان
مالک ہی کے نام کی مالا پھیرت لوگ
مالک میٹے تب مٹے نپٹ بپت کا روگ
آپ جگت مہاراج ہو اور مضطرؔ آپ کا داس
جن حالن چاہو رکھو پر رکھنا اپنے پاس

---

مضطرؔ صاحب کی ایک صاحبزادی "سیّدہ خیر آبادی" غالباً یہی نام اور یہی تخلّص تھا اور خان حبیب اللہ خاں صاحب کی شریکِ زندگی تھیں ۔ اُن کی پرورش ابتدا ہی سے شاعرانہ ماحول میں ہوئی ۔ لہٰذا اُن کا شوق اندر ہی اندر ترقّی کرتا رہا یہاں تک کہ آپ اُردو کی مشہور اور ممتاز شاعرہ ہوئیں ۔ آپ تعلیم یافتہ، پردہ نشیں اور مذہبی تھیں ۔ آپ کے کلام میں اصلاحی، قومی اور ملّی رنگ جھلکتا ہے ۔ آپ کے خیالات پر اقبال کا بہت اثر پڑا ہے ۔

## نمونۂ کلام

مالک کون و مکاں آسائشِ تقدیر دے
التجائے عجز کو سرمایۂ توقیر دے
زندگی کو کثرتِ جِدّ و جہد درکار ہے
اس لیے فکرِ عمل کو صورتِ تدبیر دے
ایک عالم کو ہلا دیں طاقتِ گفتار دے
وہ کمال نطق دے وہ شوکتِ تقریر دے
تا کجا یہ صورتِ تخریبِ ملّت تا کجا
فکرِ مُسلم کو کمالِ حسرتِ تعمیر دے
پھر اُمیدوں کو شعاعِ کامرانی کر عطا
قسمتِ تاریک کو ہنگامۂ تنویر دے
پھر حدیثِ دل سے کر جوشِ عقیدت آشکار
پھر زبانِ مدعا کو نعرۂ تکبیر دے
پھر تمنّا کو شریکِ ہمّتِ مردانہ کر
پھر تہوّر کو کمالِ جُرأتِ شمشیر دے
التجائے سیّدہ سُن لے برائے مصطفیٰ
قومِ مُسلم کو بہارِ عالمِ تقدیر دے

---

مخدراتِ گروہ مُسلم ہماری حالت میں کیا رہی ہے
یہ غفلت بے پناہ توبہ کہ قوم مُسلم پہ چھا رہی ہے
معاشرت کے طریق بھولے ، تمدن خوش سلیق بھُولے
تمیز قوم و فریق بھُولے اُسی کی تہذیب بھا رہی ہے
وہ طرزِ اخلاق احمدیؐ بھی، وہ رسمِ آداب ہاشمی بھی
وہ شان ہی ہم سے مٹ گئی ہماری حالت بتا رہی ہے

وہ جنگ موتہ، وہ جنگ خیبر، وہ حربِ خالد وہ ضربِ حیدر
وہ تیغ مُسلم کی شانِ جوہر کہ شانِ مُسلم بتا رہی ہے
مگر وہ حالت کہاں ہے باقی، وہ جاہ وصولت کہاں ہے باقی
وہ تیغ ہمّت کہاں ہے باقی کہ تاب وطاقت میں کیا رہی ہے
وہ عزم باقی نہ رزم باقی نہ شوکت وشان بزم باقی
ہماری ہر بات مٹ چُکی ہے کہ ہم کو قسمت مٹا رہی ہے
خراب حالت ہوئی یہاں تک تغافل بے محل کہاں تک
کہ شاہ راہِ عمل پہ دُنیا قدم برابر اُٹھا رہی ہے
خدا یہ دن بھی گزار دے گا، وہ سیدہ پھر قرار دے گا
ہماری حالت سنوار دے گا، کہ کس کی بگڑی سدا رہی ہے

---

## وصال:

مضطرؔ صاحب کا وصال کچھ ایسے ہوا۔ انتقال سے پہلے کوئی بیس روز قبل اندور سے گوالیار چلے گئے۔ طبیعت بہت زیادہ خراب تھی۔ علاج معالجے سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ۱۶ر رمضان المبارک ۱۳۴۵ھ کو رات نو بج کر بیس منٹ پر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ آخری شعر ملاحظہ فرمایئے :۔

وہ آئے ہیں بیانِ کاوشِ دردِ دروں کر لوں
قضا اتنی تو مُہلت دے کہ گردن یُوں سے یُوں کر لوں

---

# کوثر خیر آبادی

حضرت کوثرؔ صاحب خیر آبادی ضلع سیتاپور کے ایک رئیس خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور حضرت وارث پاک علیہ الرحمۃ کے دست حق پرست پر بیعت تھے۔ جب بیعت وارثی سے مشرف ہوئے تو دل کے چمن میں عشق ومحبت کی بہار آگئی۔ اس محبت سے سرشار ہو کر اپنا اظہارِ محبت شاعری کے رُوپ میں کرنے لگے۔ ویسے بھی خیر آباد کی سرزمین مردم خیز تھی۔

آپ کا کلام عشق ومحبت اور تصوف میں ڈوبا ہوا ہے۔ اسی وجہ سے آپ کا نام آج تک زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ آپ کے کلام کو اُس دور کے مشہورِ زمانہ رسائل اور جریدوں نے اپنے صفحات پر جگہ دی۔ کوثرؔ صاحب حضرت امیر مینائی لکھنوی کے شاگردوں میں سے تھے۔ دربارِ وارثی کے شعرائے وارثیہ کے زمرے میں شامل تھے۔ وارثی مشاعروں میں نہایت عقیدت ومحبت سے شرکت کرتے رہے۔ حضرت قبلہ بیدم شاہ وارثی نے آپ کو افتخار الشعراء کا خطاب دیا تھا۔ منتخب کلام یہ ہے :۔



## غزلیات

سامنے اس ترک کے دل رکھ دیا سر رکھ دیا — پاس تھا موجود جو کچھ ہم نے لا کر رکھ دیا
گردنیں شوق شہادت میں جُھکی ہیں سینکڑوں — نیمچہ کیوں ہاتھ سے ترک ستمگر رکھ دیا
چاند سی پیشانی پر سیندور کا ٹیکا نہیں — بامِ کعبہ پر چراغ اس نے جلا کر رکھ دیا
خامشی بھی ہے دلیل کامیابی نامہ بر — غم نہیں گر نامۂ شوق اُس نے پڑھ کر رکھ دیا
وصل میں جھگڑا بکھیڑا رات بھر اُن سے رہا — ساہی کا کانٹا عدو نے زیرِ بستر رکھ دیا
جب کہا مجھ سا حسیں دُنیا میں اب کوئی نہیں — مُسکرا کر ہم نے آئینہ برابر رکھ دیا
اپنے دل میں یار نے دُشمن کو پھر کیوں دی جگہ — کیا غضب ہے بُت کو پھر کعبہ کے اندر رکھ دیا
ایک پہلو میں جگر ہے دوسرے پہلو میں دل — تیغ وخنجر کے لیے حصّہ برابر رکھ دیا
غش جو آیا دولت پا بوس جاناں مل گئی — گرتے گرتے مَیں نے پائے یار پر سر رکھ دیا
نازک بیداد سے کب چشم پوشی ہم نے کی — خُونِ دل لختِ جگر جو تھا تہِ نشتر رکھ دیا

مجھ کو کوثرؔ پیار سے اُس نے گلے لپٹا لیا
ہو کے جب بیتاب مَیں نے پاؤں پر سر رکھ دیا

---

دل کو داغوں سے شب ہجر بہلنے نہ دیا — مشعلوں کو شبِ تاریک میں جلنے نہ دیا
باغ عالم میں ہمیں پھولنے پھلنے نہ دیا — آسماں نے کوئی ارماں نکلنے نہ دیا
سوزشِ دل نے کبھی اشکوں کو ڈھلنے نہ دیا — ہم نے اس دُھوپ میں بچّوں کو نکلنے نہ دیا
معشوقِ پابوس میں عاشق نے بچھائی آنکھیں — فرشِ گل پر کبھی اُس شوخ کو چلنے نہ دیا
نگہ ناز کے وہ تیر لگائے پیہم — بانکے ترچھوں کو ذرا اُس نے سنبھلنے نہ دیا
محفلِ یار میں اغیار ہیں ہائے غضب — باغ فردوس سے کانٹوں کو نکلنے نہ دیا
خونِ عشاق سے قاتل نے نہ کھیلی ہولی — صفِ مقتل میں کبھی رنگ اُچھلنے نہ دیا
وصل میں گیسوئے شبگوں نے چھپائی عارض — لیلۃ القدر میں کیوں چاند نکلنے نہ دیا

عمر بھر دل میں رہی یاد پری نڈ نکی
کوثر اس شیشے سے پریوں کو نکلنے نہ دیا

---

چھپ گیا نظروں میں نقشہ عالم ایجاد کا
کس قدر چمکا ہوا ہے رنگ آدم زاد کا

گونج جاتا ہے شب فرقت میں نالوں سے فلک
عالمِ بالا پہ چرچا ہے مری فریاد کا

دیکھ کر اس گُل کی صُورت صاف رنگت آگئی
رہ گیا کاغذ پہ نقشہ حیرتِ بہزاد کا

گردشِ تقدیر نے چکر دیے ہیں سینکڑوں
طوف برسوں تک رہا ہے خانۂ صیاد کا

لیں ہیں تیرِ نظر مشقِ ستم ہوتی ہے روز
ہے دلِ کوثرؔ نشانہ ناوک بیداد کا

---

میان سے نکلا جو تیغہ اس ستم ایجاد کا
ہاتھ بھر کا ہو گیا دل عاشق ناشاد کا

خندۂ دنداں نما سے بجلیاں چمکایئے
پُوکنا مدِ نظر ہے گر دل ناشاد کا

المدد شوق شہادت دیکھیے ہوتا ہے کیا
دل ضعیف و ناتواں اور سامنا جلّاد کا

جب نہ گردن کٹ سکی جھنجھلا کے پل دیا
تیغ کا مُنہ مڑتے ہی رُخ پھر گیا جلّاد کا

قیدیان دامِ گیسو کرتے ہیں شب بھر دُعا
سلسلہ بڑھ جائے یارب قید کی صیّاد کا

سرگمیں آنکھوں پر اُس کے خال کا نقطہ نہیں
عین پر اُستاد نے کھینچا ہے حلقہ صاد کا

اہلِ عالم کہتے ہیں جس کو شہنشاہ سُخن
مَیں بھی ہوں شاگرد کوثرؔ اس جگت اُستاد کا

---

ہوتا یقیں جو تجھ کو بہت بدگماں نہیں
کیونکر دکھاؤں درد کہاں ہے کہاں نہیں

سرگرمِ قتل کب بت نامہرباں نہیں
پیاسا مرے لہو کا فقط آسماں نہیں

افشائے رازِ عشق سے لب پر فغاں نہیں
گویا مرے دہن میں زباں ہے بیاں نہیں

جھگڑے فضول ہیں یہ سوال وصال پر
قصہ مٹاؤ، منہ سے کہو صاف ہاں نہیں

کس کو سناؤں کس سے کہوں ماجرائے غم
گونگے کا خواب ہے یہ مری داستاں نہیں

کون و مکاں میں صُورتِ جاناں ہے جلوہ گر
زاہد تجھے بتاؤں کہاں ہے کہاں نہیں

دل میں جگر میں آنکھوں میں رہیے خوشی سے آپ
پھر یہ نہ کہیے گا کوئی ملتا مکاں نہیں

حالِ شبِ فراق مری جاں نہ پُوچھیے
یہ سرگزشت قابلِ شرح و بیاں نہیں



خاک آئے ہجر میں دلِ بےتاب کو قرار
تڑپوں نہ کس طرح کہ وہ آرامِ جاں نہیں

جوشِ جنوں میں داغِ جگر میرے بھرے
گل چیں ہمارے باغ کو خوفِ خزاں نہیں

کیوں مَیں فراقِ یار میں آہ و فغاں کروں
کوثرؔ دلِ حزیں جرسِ کارواں نہیں

---

مجسم صورتِ غم ہوں سراپا حسرت دل ہوں
نہ مَیں زندوں میں داخل ہوں نہ مَیں مُردوں میں شامل ہوں

ادا و نازِ قاتل ہوں کبھی اندازِ بسمل ہوں
کہیں میں خندۂ گل ہوں کہیں سوزِ عنادل ہوں

مجھے تڑپا رہی ہے یاد تیغ ابروئے قاتل
صفِ مقتل میں گویا مَیں جواب مُرغِ بسمل ہوں

خیال مہ جبیناں بُھول کر دل میں نہیں آتا
جہاں پر قافلے لٹتے ہیں وہ ویرانِ منزل ہوں

وہاں ناز و نزاکت ہے یہاں ضعف و نقاہت ہے
نہ وہ آنے کے لائق ہیں نہ مَیں جانے کے قابل ہوں

علاج بدگمانی ہے مرے امکاں سے باہر
بگڑتے کیوں ہو مَیں نے کب کہا حُوروں پہ مائل ہوں

اُنہیں دل کیا دیا گویا بلائیں مُول لیں مَیں نے
ستائیں دل دکھائیں مَیں جفاؤں ہی کے قابل ہوں

خدا کے سامنے بن ٹھن کے جب وہ بے نقاب آیا
دلِ بیتاب بول اُٹھا اس کافر پہ مائل ہوں

مجھے کیوں پیستے ہیں گردشِ افلاک اے کوثرؔ
نہ مَیں لوہا نہ پتھر ہوں مگر حسرت زدہ دل ہوں

مبارک زاہدوں کو پھر باغِ خُلد کوثرؔ
نہ جنت میرے قابل ہے نہ مَیں جنت کے قابل ہوں

---

ہے منوّر رُخِ پر نُور سے سب گھر باہر
ایک سا جلوۂ خورشید ہے اندر باہر

بزمِ خلوت میں اگر چُھپ کے حیا آنے لگی
بڑھ کے آواز دی شوخی نے کہ باہر باہر

سوزشِ دل کو بُجھاتی نہیں چشمِ گریاں
گھر پھنکا جاتا ہے بہتا ہے سمندر باہر

ہیں سرِ راہ بچھائے ہوئے آنکھیں مشتاق
بولے وہ ظُلم ہے نکلے کوئی کیونکر باہر

جیتے جی نقشِ قدم بن کے جو بیٹھے نہ اُٹھے
کوچۂ یار سے ہم نکلے ہیں مر کر باہر

جذبۂ شوقِ شہادت جو دکھائیں بسمل
تیغ کاٹھی سے نکل آئی تڑپ کر باہر

بزمِ خلوت میں وہ سوتے ہیں دوپٹہ تانے
جلوۂ حُسنِ خداداد ہے اندر باہر

پردۂ ابر سے نکلا ہے مہِ نو کوثرؔ
یا ہوا ہے میاں سے اس ترک کا خنجر باہر

ہوئے دوست دشمن میرے سایجاں تری فرقت میں
مثل سچ ہے نہیں اپنا کوئی ہوتا مصیبت میں

خوشی سے پاؤں پھیلاتے ہیں کیا کیا کنجِ تربت میں
عجب لذت ہے ترے ہاتھ سے قاتل شہادت میں

حصولِ وصل نا ممکن تمنائیں میری بے حد
الٰہی کس طرح نکلے گا دم اس یاس و حسرت میں

نکلتی ہے صدائیں مرحبا ہر زخم سے قاتل
ہمیں لذت ملی کیا جانے کیا شوق شہادت میں

میرا دامن یکایک بھر گیا لعل بدخشاں سے
لب رنگیں جو یاد آئے کسی کی جوشِ رقت میں

کلامِ یار سے نسبت نہیں تقریرِ عیسےٰ کو
لطافت میں طلاقت میں فصاحت میں بلاغت میں

بجز خلاق عالم اسِ کا رُتبہ کوئی کیا جانے
محمدؐ گوہر یکتا ہے دریائے حقیقت میں

خدا سے ڈر ذرا کوثرؔ کہ تُو تو کھوئے بیٹھا ہے
سراپا دین و ایمان اک بُت کافر کی چاہت میں

بظاہر ہیں جدا گو عاشق و معشوق اے کوثرؔ
نہیں ہے اعتباری فرق بھی لیکن حقیقت میں

---

یُوں اجل سامنے ہر وقت کھڑی رہتی ہے
کسی دروازے پہ سِل جیسے اڑی رہتی ہے

حلقۂ دیدۂ عاشق اد سے سمجھائیں نے
جس کڑی میں تیری جُھومر کی لڑی رہتی ہے

چشم بد دُور ہو یارب دُرِ دنداں سے تیرے
سلک گوہر کے اُدھر آنکھ لڑی رہتی ہے

جوہرِ علم چھپا کب بشرِ خاکی کا
ایسی دولت کہیں مٹی میں گڑی رہتی ہے

بڑی منت کی پڑی پانوں سے بڑھ کر کلیاں
طوق ہو کر مری گردن میں پڑی رہتی ہے

---

جفا و جور کے صدقے تصدق بر زبانی پر
سناتے ہیں وہ لاکھوں بےنقط اس بے دہانی پر

خدارا رحم کر جلاد لب تشنہ دھانی پر
شفا بیمارِ غم کی اُٹھ رہی ہے خنجر کے پانی پر

وہ دست نازک سے اگر زہر ہلاہل دیں
تصدق ہوں جنابِ خضر مرگ ناگہانی پر

غرورِ حُسن ان کو دو قدم چلنے نہیں دیتا
نزاکت پھٹ پڑی نام خدا اُٹھتی جوانی پر

تلاش آبِ حیواں میں ہزاروں ٹھوکریں کھائیں
خضر کیوں جان دیتے ہیں حیات جاودانی پر

نہ پہنچا کوچۂ دلدار میں مشتِ غبار اپنا
صبا کو بھی نہ رحم آیا ہماری ناتوانی پر

جو عزم قتل ہے آنکھوں پہ پٹی باندھ لی قاتل
مبادا تجھ کو رحم آ جائے میری ناتوانی پر

پڑے جب وار اوچھے مُسکرائے زخم بسمل کے
ادھر تیغ دو دم نے دانت پیسے سخت جانی پر



بہارِ خُلد صدقے ہے تن پُر داغ پر کوثرؔ
گُلِ فردوس کا دھوکا ہے چھالوں کی نشانی پر

---

آنکھوں سے دل میں دل سے کلیجے میں راہ کی
دیکھی چلت پھرت تیری تیرِ نگاہ کی

حُسن و جمال پر جس نے نگاہ کی
پُوری ہوئی داد دل داد خواہ کی

کاری لگی جگر پہ کٹاری نگاہ کی
بے خود ہوا زمیں پہ گرا دل سے آہ کی

دل کو بٹھائے دیتی ہے تکلیف راہ کی
کیونکر کوئی اُٹھائے یہ گٹھری گناہ کی

میدانِ حشر حاکمِ عادل کا سامنا
رنگت اڑی ہوئی ہے بُت کج کلاہ کی

جی بھر کے شاہ عشق کی خدمت نہ کر سکے
دعوت فقیر سے نہ ہوئی بادشاہ کی

وہ نیم جاں ہُوں میں کسی پہلو نہیں قرار
برچھی جگر پہ کھائی ہے ترچھی نگاہ کی

کوثرؔ وصل شاہ حسیناں کی آرزو
مجھ کو نہیں جہاں میں ہوس مال و جاہ کی

---

## رُباعیات

ایّام نشاط و کامرانی کب تک
آخر یہ غُرور نوجوانی کب تک
گزری شب عیش و صبح پیری آئی
ہوشیار ہو مست سرگرانی کب تک

---

بزم عشرت میں چشم نمناک ہوں میں
پروانے جو جل بُجھے ہیں وہ خاک ہوں میں
گلزار جہاں میں ہائے پُھولا نہ پھلا
دل ریش برنگ غنچہ صد چاک ہوں میں

---

ہے دعویٰ حُسن یار یکتا ہوں میں
اپنی صُورت پہ آپ شیدا ہوں میں
آنکھوں سے اُٹھ گیا جو دوئی کا پردہ
مجنوں پُکار اُٹھا کہ لیلےٰ ہوں میں

---

عابد وہی ہے اور معبود وہی
ساجد بھی وہی ہے اور مسجود وہی
آئینہ وحدت میں جو دیکھا کوثرؔ
شاہد بھی وہی ہے اور مشہود وہی

ہر دُشمن و دوست خُون کا پیاسا ہے ہر دم ستم و جور پہ آمادہ ہے
کیا خوف زمانہ جو مخالف ہو جائے تُو حامی و ناصر ہے تو کیا پروا ہے

---

دشوار ہر ایک کام آسان ہو جائے جس چیز کا ساماں نہ ہو ساماں ہو جائے
تری نظرِ مہر ہو جو ربِّ کریم ذرا ابھی خورشید درخشاں ہو جائے

---

جب تک ہے دوئی رہے گی کثرت باقی پندار و غرور و کبر و نخوت باقی
مٹ جائے گی جب یہ ماسوا کی ظُلمت رہ جائے گی اک شمع وحدت باقی

---

## غزل

لے کے دل آیا تھا جو بیدل گیا اُن سے ملنے کا نتیجہ مل گیا
رُعب قاتل سے ذرا تڑپے نہ ہم زیرِ خنجر اضطرابِ دل گیا
پاؤں پھیلا کر لحد میں سوئے ہم ہو گئی صحت جو دردِ دل مل گیا
سخت جانی سے گلا کٹتا نہیں اعتبارِ خنجرِ قاتل گیا
وصل میں سینے سے لپٹا کر کہا ہے کسک باقی کہ دردِ دل گیا
سینۂ بسمل پہ اُن کا ہاتھ ہے اب وہ لُطفِ اضطرابِ دل گیا
کیا نسیم صُبحدم تھی تیغِ ناز زخمِ دل اُبھرا کہ غنچہ کھل گیا
آئینہ دیکھا تو قلعی کھُل گئی آج اُن کا دعویٰ باطل گیا
یادِ لیلیٰ میں گرا غش کھا کے قیس سامنے سے جب کوئی محمل گیا
بسملوں سے منہ جو موڑا تیغ نے دلدہی کو ناوکِ قاتل گیا
وقتِ کُشتن کس دیے کیوں دست و پا رقصِ بسمل کا مزہ قاتل گیا
گالیاں کھائیں اٹھائیں جھڑکیاں عرضِ مطلب کا نتیجہ مل گیا
بولے وہ گردن جُھکا کر بعد وصل دُشمنوں کا اب تو دردِ دل گیا
صُورتِ بسمل ہیں کوثرؔ مضطرب
ہجر میں صبر و قرار دل گیا

(پیامِ یار لکھنؤ۔ جولائی ۱۸۹۷ء)



## نعت شریف

مشرقِ انوارِ دین ہے مدفن شمس الضحیٰ مغربِ مہرِ رسالت تُربتِ بدر الدجےٰ
مطلع انوار حق ہے مضجع نور الہدےٰ دم بدم ہوتی ہے نازل رحمت رب العلیٰ
عرشِ اعظم سے ہے ارفع خواب گاہ مصطفےٰ
قبۂ قصرِ جناں ہے مرقد خیر الورےٰ
السّلام اے مکین پاک حبیبِ کبریا مرحبا محبوب خاص شافع روزِ جزا
تیری کھاتا ہے قسم خود مالک ارض و سما جنّ و انسان ہیں تجھی پر جان اور دل سے فدا
عرشِ اعظم سے ہے ارفع خوابِ گاہ مصطفےٰ
قبۂ قصرِ جناں ہے مرقد خیر الورےٰ
یہ زمین پاک رشک جلوہ گاہِ طُور ہے خاک بطحا کا ہر ایک ذرۃ سراپا نور ہے
جبہ سائی آستانِ شاہِ دین مغفور ہے پرتو نُور خدا سے بام و در معمور ہے
عرشِ اعظم سے ہے ارفع خواب گاہ مصطفےٰ
قبۂ قصرِ " " " " "
حبذا خاک مزار رحمت العالمین مرحبا قرب و جوار تربت سلطانِ دین
پنجۂ مژگاں سے ہیں جاروب کش روح الامین خلق میں ایسا نہیں اعلیٰ مکاں افضل کہیں
عرشِ اعظم " " " "
قبۂ قصرِ جناں " " " "
اے حبیبِ حق رسولِ ہاشمی و ابطحی آپ پر ظاہر کیے خالق نے سب راز خفی
کون سی وہ بات تھی جو آپ پر مخفی رہی ہے فزوں کُل خلق سے توقیر و عزت آپؐ کی
عرشِ اعظم " " " "
قبۂ قصرِ جناں " " " "
ہے یہی آرام گاہِ بادشاہِ دو جہاں ہے یہی دولت سرائے سرور کون و مکاں
ہے یہی ملجا و ماویٰ یتیم و بیوگاں ہم غریبوں بیکسوں کا ہے یہی دارالاماں
عرشِ اعظم " " " "
قبۂ قصرِ جناں " " " "
مالک کون و مکاں و بادشاہِ بحر و بر سیّد اُمی لقب اعلیٰ نسب والا گھر

تاجدار ملک دیں فرماں د با کروفر　　اے مدینہ مُدتوں تجھ میں رہا ہے جلوہ گر
عرشِ اعظم " " "

کوثر دل ریش و خستہ مُبتلائے حزن وہم　　حاضرِ دربار والا ہے بصد رنج د الم!
دیکھئے چشمِ ترحم سے ادھر شاہِ اُمم　　آپ کے صدقے میں زائل جلد ہوں سب رنج وغم
عرشِ اعظم " " "

درپئے آزار ہے آٹھوں پہر چرخِ کہن　　دائرے کی شکل میں گھیری ہیں اندوہ و محن
یا غیاثی ہل گئی مُبنیاد قصرِ جان و تن　　دستگیری کیجیے لِلّٰہ یا شاہِ زمن
عرشِ اعظم سے ہے ارفع خوابِ گاہِ مصطفےٰؐ
قبۂ قصرِ جناں ہے مرقدِ خیر الوریٰ

(ماہنامہ "صوفی" اگست ۱۹۲۱ء)

---

طریقِ ہدا ہیں مدینے کی گلیاں　　رہ کبریا ہیں مدینے کی گلیاں
سبیلِ وفا ہیں مدینے کی گلیاں　　صراطِ بقا ہیں مدینے کی گلیاں
عجب خوشنما ہیں مدینے کی گلیاں
حریمِ خدا ہیں مدینے کی گلیاں
زمیں کی فلک سے زیادہ ہے رفعت　　بہشت بریں سے فزوں تر ہے نکہت
بڑھی عرش و کُرسی سے ہے شان وشوکت　　خدانے عطا کی عجب عزّ و عظمت

---

فقیروں کا تکیہ غریبوں کا ماویٰ　　یتیموں کا مسکن تو رانڈوں کا ملجا
نہیں دوسرا بے کسوں کا ٹھکانا　　زہے مامن و منزل شاہ و بطحا

---

بجا کرتی ہے نوبت شہریاری　　برستی ہیں دن رات افضال باری
خجل خاک سے بوئے مشک تتاری　　نسیم سحر ہے کہ باد بہاری

---

برستی ہے دن رات رحمت جما جم　　فلک سے فرشتے اُترتے ہیں پیہم
ہے خاک درِ پاک زخموں کا مرہم　　یہیں ہے مزار شفیع دو عالم

---



یہ ہے مسکن خاص محبوب یزداں　　یہ ہے مدفنِ بادشاہ رُسولاں
منزل من اللہ ہے جن پہ قرباں　　نبی نجم تاباں ہیں وہ ماہ رخشاں

---

پئے طوف دن رات قدسی ہیں آتے　　بصد شوق سر ہیں زمیں پر جُھکاتے
مئے وصل جاناں ہیں پیتے پلاتے　　خوشی کے ترانے ہیں مستی میں گاتے

---

زہے مرقدِ پاک محبوب داور　　خجل جس کی رفعت سے چرخِ اخضر
کرم کیجیے شافع روزِ محشر　　غم و رنج و کلفت میں ہے جانِ کوثر
عجب خوشنما ہیں مدینے کی گلیاں
حریمِ خدا ہیں مدینے کی گلیاں　　(ماہنامہ صوفی، جلد ۴)

---

دل وجاں سے ملک قربان وارث　　بشر کیا جانیں عزّ و شان وارث
جسے چاہیں بنائیں یا بگاڑیں　　زمانہ تابع فرمان وارث
ملک سمجھے ہیں جس کو چرخ ہشتم　　وہی ہے گنبد ایوانِ وارث
گُلِ توحید عرفاں کھل رہے ہیں　　پھلا پُھولا ہے کیا بستانِ وارث
سوا نیزے پہ ہے خورشید محشر　　مدد اے سایۂ دامانِ وارث
کلیم اللہ برقِ طورؔ سمجھیں　　اگر چمکے رُخِ تابان وارث
وہی حاجت روائے بیکساں ہیں　　زمانہ بھر پہ ہے احسانِ وارث
دکھا اے جلوہ برقِ تجلّی　　فروغ عارض رخشانِ وارث
دلِ کوثر رہے الجھن میں کب تک
مدد اے گیسوئے پیچان وارث

(ماہنامہ "صحیفۂ وارث" دیویٰ شریف)

---

حکیم عابد علی کوثر خیر آبادی کا شہر گیا میں بھی کافی عرصہ تک قیام رہا ہے۔ خود کوثر صاحب کے بقول؛

ویرانی سے شہر جاں فزا میں آئے　　صحرا سے باغ پُر فضا میں آئے
زندانِ بلا و رنج و غم سے چُھٹ کر　　کوثر ہم ٹونک سے "گیا" میں آئے

جناب عرفان عباسی نے امیر مینائی کے دو سو شاگردوں کی طویل فہرست موسوم بہ" دبستان امیر مینائی مرتب کی ہے۔ اس میں فاضل مرتب نے تمام شاگردوں کے بارے میں اہم معلومات اکٹھا کرنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے۔ اس میں ضروری حوالے بھی درج ہیں۔ مفتی نجم الحسن رضوی صاحب کی تصنیف "خیرآباد کی ایک جھلک" جس میں مختلف عنوانوں کوثر خیرآبادی بحیثیت حکیم صہ ۷۹ (۲) بحیثیت عالم صہ ۵۵ (۳) بحیثیت شاعر صہ ۹۴-۹۳ کے ناموں سے ذکر کیا گیا ہے۔

کوثر صاحب کی پیدائش تو خیرآباد میں ہوئی مگر ایک مدت تک اپنے وطن خیرآباد سے بہت دور صوبہ بہار کے شہر "گیا" میں ۳۵ سال (۱۸۸۷ء تا ۱۹۲۲ء) مقیم رہے۔ ایک دفعہ امیر مینائی شاداب عظیم آبادی کی دعوت پر ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء میں عظیم آباد آئے۔ اُن کے ساتھ ریاض خیرآبادی اور کوثر خیرآبادی بھی تھے نواب مرزا محمد سعید کے مکان میں تھا۔ نواب مرزا محمد سعید اور نواب مرزا محمد امیر ساتھ ہی رہتے تھے۔ نواب صاحب کا مکان شہر "گیا" کے محلہ کرانی گھاٹ میں تھا۔ اسی جگہ کوثر صاحب کا مطب تھا۔ مکاتیب امیر مینائی مرتبہ احسن اللہ خاں ثاقب میں امیر مینائی کے کوثر صاحب کے نام ۴۲ خطوط ملتے ہیں۔ کتابت کی مدت ۱۸۹۲ء تا ۱۸۹۸ء رہی ہے۔ ان میں کچھ خطوط قیام "گیا" کے متعلق ہیں۔ شہر گیا اس زمانے میں شہر گنج کے نام سے بھی منسوب تھا۔ نواب امداد امام اثر کا دیوان جب رام کلور سے پہلی بار شائع ہوا تو کوثر صاحب نے اس کا قطعہ تاریخ لکھا تھا۔ یہ قطعہ دیوان کے آخر میں درج ہے جس کے دو اشعار یہ ہیں۔

فضل و کمال عز و شرف جاہ و تمکنت — روزِ ازل سے جمع ہیں امداد امام میں
جادو کا سر اُڑا تو نکل آیا سال طبع — بنگالے کا سحر ہے اثر کے کلام میں

(۱۹۱۷ء)

نوٹ: گیا شہر کے دو حصے ہیں۔ ایک قدیم گیا جو "اندر گیا" کہلاتا ہے۔ دوسرا جدید گیا جسے انگریزوں نے بسایا تھا۔ اس کے مرکزی حصے میں گول پتھر نصب ہے جسے اب "بودھ گیا" منتقل کر دیا گیا ہے۔ اسے صاحب گنج کہا جاتا تھا۔ گیا میں "بزم سخن" کے نام سے ادبی انجمن قائم تھی جس کے زیرِ اہتمام ماہانہ مشاعرے آب و تاب سے منعقد کیے جاتے تھے۔ اس کے رُوحِ رواں خلش گیاوی تھے۔ ان مشاعروں میں کوثر صاحب کی شرکت لازمی تھی۔ ۲۵ تا ۲۷ اکتوبر ۱۹۱۶ء گیا کا ایک یادگار تاریخی مشاعرہ بمقام تھیوسوفیکل ہال (موجودہ ماڈل ہائی اسکول) گیا منعقد ہوا تھا۔ اس مشاعرہ میں مقامی شعراء کے علاوہ بسمل سہسراوی، حفیظ جونپوری، خلش گیاوی، رسا ہمدانی، رنجور عظیم آبادی، شفق عماد پوری، شید اسہرامی، عشرت گیاوی، کوثر خیرآبادی، قوس حمزہ پوری، مقصود گیاوی، نوح ناروی، وحشت کلکتوی اور یاس بہاری وغیرہ ہم مصرعہ طرح،

گل کو خنداں دیکھ کر شبنم کو گریاں دیکھ کر



کوثر کی غزل کے چند اشعار مندرجہ ذیل ہیں:-

اس پری کو خانۂ دُشمن میں مہماں دیکھ کر — خُوں رُلاتا ہوں مَیں سوئے چرخ گرداں دیکھ کر
اے صبا ظاہر ہوئی نیرنگیٔ ناز و نیاز — گل کو خنداں دیکھ کر شبنم کو گریاں دیکھ کر
یاس و حسرت سے مرے دل کا کنول مرجھا گیا — باغ میں سُوکھی ہوئی مرجھائی کلیاں دیکھ کر
کر کے دعویٰ خُون ناحق کا بہت نادم ہوا — عرصۂ محشر میں قاتل کو پریشاں دیکھ کر

یاد کر کے کوثر مرحوم کو روئے بہت
لکھنؤ کی آج وہ سنسان گلیاں دیکھ کر

(بزمِ سُخن ماہنامہ "گیا" مشاعرہ جنوری فروری ۱۹۱۷ء)

---

کوثر خیرآبادی کے شاگردوں میں مندرجہ ذیل نام اہم ہیں:-
اوج گیاوی، ایجاد گیاوی، بدر داناپوری، رسا ہمدانی، سریر کابری اور شفق عماد پوری۔
آپ کا انتقال خیرآباد میں ۲۰ جمادی الاوّل ۱۳۴۰ھ بروز دوشنبہ ہوا۔ (بحوالہ "خیرآباد کی ایک جھلک" مطبوعہ ۱۹۶۸

---

# حسن وارثی (امام گیاوی)

سید حسن امام نام، ابو محمد کنیت اور حسن تخلص ہے۔ خلف اکبر جناب سید علی امام گیاوی بیرسٹر مرحوم رئیس حسین منزل گیا۔ جناب حسن کے سلسلہ نسب کے چند نام یہ ہیں۔ سید حسن امام ولد سید علی امام ولد سید مظہر امام ولد سید احمد امام۔ جناب حسن کی استعداد فارسی کامل، عربی بقدر ضرورت اور انگریزی کی استعداد بھی اچھی تھی۔ بچپن سے نظم لکھنے کا شوق تھا۔ ایک مدت تک بغیر مشورہ فکرِ سخن فرماتے رہے۔ لیاقت علمی کے ساتھ طبیعتِ خداداد تھی۔ اصلاح سُخن کی جب ضرورت محسوس کی تو حضرت "عشرت" گیاوی سے آپ نے شرف تلمذ حاصل کیا۔ آپ اپنے شہر اور برادری میں ہر دلعزیز تھے، باوجود اس علمی لیاقت اور شانِ ریاست کے نہایت خلیق اور مُنکسر مزاج تھے۔ آپ کو حضرت حافظ حاجی سید وارث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (دیویٰ شریف ضلع بارہ بنکی یو۔ پی بھارت) سے نسبت طریقت حاصل تھی۔ اسی لیے آپ برابر اپنے نام کے بعد "وارثی" لکھتے تھے۔ جب آپ کی اہلیہ اور پیاری اولاد کا انتقال ہوا تو آپ کے دل پر اس کا گہرا اثر اس دُنیائے ناپائیدار کا ہوا۔ اور آپ نے وارثی فقراء

کااحرامی جامہ اختیار کرلیا۔ تقسیم ہند کے وقت آپ اپنے برادر اصغر سید حسین امام اور اُن کے اہل وعیال کے ساتھ دہلی میں مقیم تھے۔ وہیں سے ذریعہ ہوائی جہاز اپنے چھوٹے بھائی اور اُن کے بال بچوں کے ساتھ کراچی آگئے اور تادم واپسیں اسی شہر میں مقیم رہے۔ جناب حسن کے برادر اصغر سید حسین امام مُسلم لیگ کے مشہور لیڈر تھے۔ جب سے سید حسین امام صاحب کراچی آئے ہیں سماجی، علمی اور قومی کاموں میں زیادہ مصروف رہتے ہیں۔ آپ اچھے مقرر اور باصلاحیت شخص ہیں۔ آپ نے کراچی اور لاہور کے علمی، ادبی رسالوں کے لیے مضامین لکھے۔ آپ کے پاس فارسی، اُردو اور انگریزی کتابوں کا نادر ذخیرہ تھا جسے "شہر گیا" سے منگوانے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ وہ اب کراچی میں محفوظ ہیں۔ ۱۹۶۱ء میں آپ کی وفات شہر کراچی میں ہوئی۔

"حسن امام ازیں دیر رُخ بجنت کرد" مادہ تاریخ ہے۔ مزار میوہ شاہ قبرستان کراچی میں ہے۔

سلطان الہند غریب نواز آستانہ پاک اجمیر شریف (راجستھان)، سے ذرا آگے قلعہ تاراگڑھ کی چڑھائی شروع ہوجاتی ہے۔ اُوپر جاکر ایک چھوٹا سا میدان ہے جس میں مقامی لوگوں کی آبادی ہے۔ اور اس کے علاوہ امیر الشہدا سید حسن خنگ سوار علیہ الرحمۃ کا مزار اقدس ہے۔ حضرت خنگ سوار کے برادر حقیقی موضع نیورہ ضلع پٹنہ میں آسودہ ہیں جن کی اولاد احترام وصیت کی وجہ سے خود خنگ سوارؒ سے انتساب رکھتی ہے۔ میر فرزند علی صاحب رئیس نیورہ اُن کی سلفِ صالحین کی یادگار ہے اور حسن وارثیؒ کے آباؤ اجداد تھے۔ (رسالہ ندیم گیا۔)

## انتخاب کلام

صنم کا ناز و انداز و ادا کیا — فقیرِ وارثی کا مدعا کیا
نہیں گیسو ترے کالی بلا کیا — نہیں ابرو ترے خنجر نما کیا
کیا خُونِ تمنّا تو نے ظالم — تجھے درکار ہے رنگِ حنا کیا
وجود ذرّہ ہے ہم پلّۂ خود — ہماری آنکھ میں چھوٹا بڑا کیا
مرے کوئی جئے کوئی بلا سے — تمہیں پروائے جان مبتلا کیا ہے
حسن ہم ہیں غلامِ شاہ وارثؒ
ہماری رندیوں کا پُوچھنا کیا

---

نہیں روشن فقط شمع دل سوزاں ہے مدفن میں — لگی آگ نالوں سے مرے صحرائے ایمن میں
لگا دی آگ اُن کے شعلۂ عارض نے گلشن میں — زرِ گل بن گئیں چنگاریاں پھولوں کے دامن میں
گلوں کا بھی کلیجہ تیرا نالہ سُن کے چھلنی ہے — کہاں کا ہے اثر بلبل تری فریادِ وشیوں میں

---

ہوجائے خبر کاش نہ بائیِ نجف کو — بیمار محبت نے بلایا ہے قضا کو
کچھ جذبۂ الفت کا اثر دیکھوں یا رب — ہمراہ لیے آئیں وہ خود میری قضا کو
شیوہ تو ہمیشہ سے اب وجد کا یہی ہے
چھوڑو حسنؔ جادۂ تسلیم و رضا کو

---

(مرزا غالب کے حضور میں)

ساقیا دور انقلابی ہے — خُون دل سے بھری گلابی ہے
بزم پیشنیاں ہوئی برہم — عبرت انگیز اب ہے ساغر جم
طوس و گنجہ ہو یا کہ نیشاپور — اب نہیں ہے کہیں سرائے سرور
دہلی اور لکھنو نہیں ٹکسال — اکبر آباد کا ہے ابتر حال
اُجڑی بستی ہے اب عظیم آباد — دل ناشاد میں گھُٹی فریاد
اب عرب کی زباں بھی وہ نہیں — اُن کا طرز بیاں بھی وہ نہیں
اہلِ ایران کی وہ فارسی کہاں — ہاتھ کنگن کو آرسی وہ کہاں
پھر بھی محفوظ ہے زبانِ کتاب — نہیں حافظ کے ہمنوا کمیاب
ہمزباں سعدی و افغانی کے — ہم پیالہ ہیں اصفہانی کے
قدر دانِ کمال اسمٰعیل — ابو طالب کلیم کے بھی مثیل
ان میں سرآمد سُخنِ غالب
بعد خسرو زاہلِ فن غالب

---

سرگشتگی از گردش دوراں خبرم داد — وزآبلہ پا خار بیاباں خبرم داد
از درس فسون نرگسِ فتاں خبرم داد — وزمشق جنوں چاک گریباں خبرم داد
از سوز دلم سرد چراغاں خبرم داد — وزسیل غم گوشۂ داناں خبرم داد
از داغ غلامی ست طُلوع مہہ کنعاں — آسودگی از خوابِ پریشاں خبرم داد
تا رازِ انا الحق بکے باز نہ گویم — از نفس خودم مستی عرفاں خبرم داد
تاثیر عجب ریخت زچشم دمِ آخر — یک قطرہ سرشکے کہ زطوفاں خبرم داد
ہر خار کہ بوسید کیف پائے جنونم — در دل زخلفشاری پیکاں خبرم داد
ہنگامِ بہار آمد و بلبل بفغاں شد — آشفتہ بیانے چہ پریشاں خبرم داد

صد دردِ سر افزودز سامانِ مداوا    درداکہ نہ از حاصل درماں خبرم داد

در جامِ شفق دوش حسن خُونِ جگر ریخت

ہنگام سحر سر بگریباں خبرم داد

---

طوفاں بلاچشم پر آبِ دل ماریخت    بر ساحل تمکین خود آبِ دل ماریخت

جز چشمِ قبول شہہ لولاک نداریم    ایں گوہر شہوار ب دل ماریخت

از شوق تو جبریل چناں گرم روئی داشت    آمد شبِ معراج وشاب دل ماریخت

انیک شب عصیاں و سحر گاہِ کرامت    تعبیر زچشم تو بخوابِ دل ماریخت

زیں تند خرامیٔ براقِ شہہ کونینؐ    سر فتنۂ شوخی بشباب دل ماریخت

معمورۂ پندار حسؔن شد کفِ صحرا

ایں خانہ برانداز خراب دل ماریخت

---

چہرے پہ کچھ مسرت فصلِ بہار کیا ہے    دل میں الم کی شدت فصلِ بہار کیا ہے

ہر گل ہے چاک دامن، ہر غنچہ دل گرفتہ    اے باغبانِ قدرت فصلِ بہار کیا ہے

نرگس کو کچھ نہ سُوجھے سوسن کو چُپ لگی ہے    شبنم کے اشکِ حسرت فصلِ بہار کیا ہے

صیاد اور گل چیں دونوں کی بن پڑی ہے    بُلبُل کی پھُوٹی قسمت فصلِ بہار کیا ہے

بے شک حسن بجا ہے دیوانہ اس کا بننا

سمجھے جو فی الحقیقت فصلِ بہار کیا ہے

---

# افقر وارثی موہانی

آپ کا اصلی نام سید محمد حسین تھا۔ تخلص افقر تھا اور تاریخی نام "ظفر وارث" تھا۔ آپ ۱۸۸۷ء قصبہ موہان ضلع اناؤ (یو۔پی بھارت) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق موہان کے خاندان پیرزادگان سے تھا۔ علوم رسمیہ اور درسیہ سے بہرہ یاب تھے۔ عربی، فارسی اور علم عروض کے فراغ یافتہ تھے۔ اوائل عمر ہی سے مذاق رندانہ اور صوفیانہ رکھتے تھے۔ جُوں جُوں فکر و شعور میں اضافہ ہوتا گیا اس مذاق پر بھی جلا ہوتی گئی، چنانچہ "وحدت الوجود" آپ کی تصانیف میں سے ہے جو آپ کے صوفیانہ شعور کو واضح کرتے ہیں۔ آپ کی غزلوں کا مجموعہ بھی "فردوسِ معانی" کے نام سے شائع ہو چُکا ہے۔ آپ حضرت تسلیم لکھنوی کے شاگرد تھے اور تسلیم لکھنوی نسیم دہلوی کے شاگرد تھے۔ نسیم دہلوی مومن خان مومن کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ اس طرح گویا افقرؔ موہانی الوارثی سلسلہ بہ سلسلہ حضرت مومن تک پہنچ جاتے ہیں۔ نسیم دہلوی نے مومن کے رنگ کا تتبع بہت کامیابی کے ساتھ کیا اور تسلیم لکھنوی، نسیم دہلوی کے نقشِ قدم پر چلے۔ یہی وجہ ہے کہ افقر موہانی الوارثی کے کلام میں لکھنوی رنگ کے بجائے دہلوی رنگ کی جھلک نمایاں ہے۔

حضرت سید افقر موہانی الوارثی کے کلام پر مومن کے علاوہ ایک مقدس شخصیت اثر انداز ہوئی جس نے اُن کی زندگی کے دھارے کو موڑ دیا۔ اُنہوں نے حضرت حافظ حاجی سید وارث علی شاہ (دیویٰ شریف) کے دست حق پرست پر بیعت کر کے سرفراز ہوئے۔

اوّل تو ابتدا ہی سے اُن کے خمیر میں صوفیانہ رنگ شامل تھا۔ اور پھر حضرت وارث پاک کی محبت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ اب وہ ایک مکمل صوفی شاعر ہو گئے تھے۔ اُن کو اپنے پیر و مرشد سے بے حد عقیدت تھی۔ وہ ہر سال دیویٰ شریف کے سالانہ عُرس پاک میں صدق و خلوص سے شریک ہوا کرتے تھے۔ آپ کا وصال ۱۹۷۱ء میں لکھنؤ میں ہُوا۔ راقم الحروف سے اکثر خط و کتابت ہوتی رہتی تھی۔

حضرت افقر صاحب کا نمونہ کلام ملاحظہ فرمایئے:۔

بندہ بنا رہا ہے حُسنِ کلام تیرا    دُنیا مطیع تیری عالم غلام تیرا

ہستی کی منزلوں میں دُنیا کی کوششوں سے    اتنا پتہ چلا ہے دل ہے مقام تیرا

اے غارت گر زمانہ دُنیا کا سُن افسانہ    کِس کِس طرح ہے آیا کہنے میں نام تیرا

وہ کوئی اور ہیں جو مصروف مے کشی ہیں    ہم دیکھتے ہیں ساقی حُسنِ نظام تیرا

دُنیائے رنگ و بُو کے پامال کرنے والے    محشر بھی منتظر ہے محوِ خرام تیرا

مَیں کیا بتاؤں تجھ کو کہتا ہے کیا زمانہ    اے باغباں ہے اب تو صیاد نام تیرا

جذبات کا بیاں ہے شرحِ غم نہاں ہے

مقبول ہو نہ کیوں پھر افقؔر کلام تیرا!

---

حُسن کی تیرے جس کو خبر ہو گئی    زندگی اُس کی وقفِ نظر ہو گئی

اُن کی آئینہ پر جب نظر ہو گئی    میری دُنیا اِدھر کی اُدھر ہو گئی

اب نہ وہ گل رہے اور نہ وہ گُلستاں    چاندنی چار دن کی مگر ہو گئی

اس کی دُنیا کا عالم ہی کچھ اور ہے    جس کی دُنیا تمہاری نظر ہو گئی

مجھ کو اب سنگِ در کی ضرورت نہیں    جب کہ خود ہی جبیں سنگِ در ہو گئی

مرے سجدوں کا اُن کو یقین آ گیا　بندگی اب مری معتبر ہو گئی
مری مشقِ تصوّر کی دیکھو کشش　اُن کی تصویر پیشِ نظر ہو گئی
کِس کو اچھا کہیں کِس کو بُرا سمجھیں　ساری دُنیا فریبِ نظر ہو گئی
دیکھ کر اُن کو افقرؔ دمِ واپسیں
زندگی مری بارِ دگر ہو گئی!

---

اپنے سے دُور پاتا ہوں اہلِ نظر کو مَیں　سب رکھتے ہیں جلوے کو اور جلوہ گر کو مَیں
کرتا ہوں یادِ لذتِ زخمِ جگر کو مَیں　بھُولا نہیں ہوں آپ کی پہلی نظر کو مَیں
کیسی بہار کیسا نشیمن کہاں کے گل　روتے ہیں بال و پر مجھے اور بال و پر کو مَیں
جلووں میں گم نظر ہے تو جلوے نظر میں گم　اب کیا کروں گا حاصلِ ذوقِ نظر کو مَیں
ہستی کو اپنی ہستی جاناں میں کر کے گم　کرتا ہوں چاک پردۂ حدِ نظر کو مَیں
یا نامہ بر سے پُوچھتا افقرؔ حالِ یار
یا پُوچھتا ہوں خیریت نامہ بر کو مَیں

---

نگاہوں کے مرکز دلوں کے سہارے تجھے کِس طرح کوئی اپنا بنا لے
نظرگاہِ عالم ترے رُخ کے جلوے میرا ذوق نظارہ تیرے حوالے
نہ دھوکا دے اے فرصتِ زندگانی فسانہ مرے غم کا دُنیا بنا لے
اجل سے کہہ دے مرنا ہے برحق ابھی اور کچھ روز کوئی ستا لے
تمہیں ضد کہ ہم کِس لیے پہلے بولیں، ہمیں کد کوئی بات پہلے نکالے
لے بس آؤ مل جائیں چھوڑیں ضدوں کو نہ تم بات والے نہ ہم بات والے
نظر آئی دھوکا ہی دھوکا یہ دُنیا، فریبِ نظر ہے تماشہ یہاں کا
سُنتے ہیں بہت حق پرستوں کے قصّے بہت ہم نے دیکھے ہیں اللہ والے
ہمیں مل گیا ہے ترا آستانہ کہیں اب نہ آنا کہیں اب نہ جانا
مقدر سے بگڑا ہو جس کے زمانہ یہاں اپنی بگڑی وہ قسمت بنا لے
وہ مخمور آنکھیں وہ پُر کیف نظریں جسے دیکھ لیں مست اُس کو بنا دیں
نہ مے کی ضرورت نہ شیشے کی حاجت کہاں کی صراحی کہاں کے پیالے



محبّت کا دُنیا میں ہے بول بالا محبّت نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا
محبّت کی باتیں ہیں سب سے انوکھی محبّت کے قصّے ہیں سب سے نرالے
برہمن کا ہو دھرم یا دینِ مُلّا وہی ایک جلوہ وہی ایک سجدہ
معابد پہ بیکار افقرؔ ہے جھگڑا کہاں کی مساجد کہاں کے شوالے

---

اب کیا بتاؤں درد کہاں تھا کہاں نہ تھا　پُوچھی وہ بات یار نے جس کا گماں نہ تھا
اس سے زیادہ حاصلِ عمرِ رواں نہ تھا　تیرا نشاں جو پایا تو اپنا نشاں نہ تھا
دُنیا ہو یا ہجومِ قیامت ہو یا کہ حشر　ترے خرابِ عشق کا چرچا کہاں نہ تھا
آتا نظر تھا دُور سے نزدیک کارواں　نزدیک ہم ہوئے تو کہیں کارواں نہ تھا
آیا نظر نہ پھر بھی جہاں میں کسی کو تُو　ہر چند ترے جلوے سے خالی جہاں نہ تھا
بے پردہ اس طرح کبھی حاصل تھا لُطفِ دید　ہستی کا بھی حجاب مرے درمیاں نہ تھا
ہر ذرہ جہاں پہ تھا آباد اک جہاں　ہستی کا کوئی ذرّہ بھی تو رائیگاں نہ تھا
افقرؔ مآلِ ہستی فانی تھا بس یہی!
کل تک تھا نام آج لحد کا نشاں نہ تھا

---

ملی سجدہ کی اجازت جُونہی پاسباں سے پہلے　مجھے مل گئی خدائی تیرے آستاں سے پہلے
نہ جہاں کی اب تمنّا نہ متاعِ دو جہاں کی　مجھے مل گیا ہے سب کچھ تیرے آستاں سے پہلے
ابھی دُور ہے نظر سے ترے آستاں کی منزل　مَیں طوافِ کعبہ کر لُوں ترے آستاں سے پہلے
یہ ہے مختصر افسانہ مری زندگی کا ناصح　غمِ عاشقی فقط تھا غمِ دو جہاں سے پہلے
وہ چلے مٹانے مجھ کو بخرامِ ناز جس دم　تو پُکار اُٹھی قیامت کہ مرے یہاں سے پہلے
بنا جب سے آشیانہ تو نگاہِ چرخ بدلی　نہ گری تھی ورنہ بجلی مرے آشیاں سے پہلے
مری مے کشی کا زاہد نہیں خاص وقت کوئی　کبھی دن کے وقت پی لی تو کبھی اذاں سے پہلے
مری زندگی کی افقرؔ ہمہ شوق داستاں ہے
مَیں سناؤں بھی جو اُن کو تو کہوں کہاں سے پہلے

("آجکل" دہلی جولائی ۱۹۶۸ء)

---

# افقرؔ موہانی کے خطوط ساگر وارثی کے نام



للہ الحمد

لکھنؤ محلہ یامین سگانیج (بھکاری) ۷۸۶ ۹۲ ۴-۱۲-۶۴

فقیر

تمھارا سلام ملا، میں تو سمجھا تھا

اور سمجھا تھا کہ آپ بھی مجھے بھول گئے ہوں گے مگر حیف -

خدا سلامت رکھے مجھ ایسے گمنام اور ناکارہ سے خط کتابت رکھتے ہیں آپکو

کیا ملتا ہے جو وقت اور پیسے ضائع کرتے رہتے ہیں -

بہرحال سرکار کا اس حال میں بھی کرم ہی کرم ہے - در گور کبھی

تاہم زندہ ہوں - خدا کرے آپ لوگ بھی بعافیت ہوں

اور میری دعائیں آپکے ساتھ رہیں - مگر جی و محبی

مولانا ضیاء القادری صاحب قبلہ کیلئے ہمارا خط کی ضرورت

نہیں - میرا نام لیجئے چند سطور لکھ دی ہیں اور انہیں کو دکھا کر

آپ مل لیجئے وہ بڑے خلیق اور کریم الاحسان بزرگ ہیں

میرے وسیلے کی ضرورت نہیں اونکا در سب کیلئے کھلا ہوا ہے

اور فیاض اور وسیع ہے - فقط والسلام دعا گو افقرؔ

---

مولانا محترم زید مجدکم - بعد ادائے تسلیم

مدتے شد کہ رہ و رسم وفا مسدود است

نہ کسے می رود آنجا نہ کسے می آید

آستانہ بے ملاوت - ہر ماہ ایک بار تازہ کرا لیں

اور اسی پر قناعت کی ہے - حامل عریضہ ہذا میرے

ہم سلسلہ ایک خادم آپ کے ہیں - اسے تسکین کیلئے

بھیجا ہے شاید آپکی خدمت میں آگاہ ہو

حاضر ہونے سے کچھ نہ تھا - [illegible] کو سلام

والسلام دعاگو نیاز افقرؔ موہانی وارثی [illegible]

---

لکھنؤ - سلطان گنج ۵ اپریل ۱۹۶۳ء ۷۸۶

عزیزم ساگر وارثی سلمہ - دعائیں سلام

آپ کا [illegible] حالات معلوم ہو کر خوشی ہوئی - سرکار عالم پناہ

وارث پاک کی ولادت یکم رمضان المبارک ۱۲۳۳ھ وقت

صبح صادق بروز دوشنبہ کو عالم ظہور میں آئی مطابق ماہ مارچ

۱۸۱۷ء چونکہ ابھی یوم ولادت کو بہت زمانہ باقی ہے اسلئے

ابھی جلدی نہ کیجئے [illegible] تک آپکا مطلوبہ مضمون

جو کہ سرکار کی حیات مبارک کے لیے ہوگا ضرور ضرور لکھکر بھیجونگا

شعبان میں آپ رسالہ میں چھپوا لیں اور رمضان مبارک میں

شائع کر دیں جس موقع کی [illegible] آپ [illegible] ماہ [illegible] بھی یاد

دلا دیجئے گا میں ضرور لکھکر بھیجونگا مجھے خود خیال ہے -

آپکی ہمت اور سعادتمندی سے میں بہت خوش ہوں خدا آپکو

آباد و شاد دلور [illegible] رکھے - [illegible]

منور شاہ وارثی کے خطوط آتے رہتے ہیں خیریت سے

ہیں - اونکو بھی اسوقت جواب لکھ رہا ہوں

اپنی خیریت اور والدین کے حالات سے

برابر مطلع رکھئے - آپکے خط آنے سے

بڑی مسرت ہوتی ہے - وہاں کے سب وارثی

بھائیوں کو میرا سلام اور میری دعائیں

کہئے خدا سبکو خوش رکھے فقط والسلام

[illegible]

ہم نے مکان بدل دیا ہے۔ نیا پتہ فولڈر کے اوپر لکھا ہے
لوسی بیگم سے ابھی خط بھیجا اور سب بھائیوں
کو ہمارا سلام اور دعائیں کہنا۔ ہم جب
جب سرگودھا میں جاتے ہیں آپ لوگوں کا سلام
کہہ دیتے ہیں اور آپ کے لئے دعا مانگ لیتے
ہیں۔ خدا قبول فرمائے۔ منور شاہ
کو بھی ہم خط لکھ رہے ہیں [illegible]
آئیں بعد فاتحہ پڑھیں۔ آپ بھی لکھئے
جواب کا انتظار رہیگا۔ فقط الفقر موالی

ہم آپ کو فوراً قیمت وید بھیج کر بھیجنے جانا
نافت بھائی کو سلام و دعا کہنا
اور سب کی خیریت و حالات مطلع رہنا
جملہ [illegible] حضرت کو سلام و دعا
کہنا۔ فقط والسلام
دعا گو اقفر موالی [illegible] عفا اللہ عنہ
لکھنؤ سلاٹ شکن ۵ اگست ۶۳

مجھے جاوید سے کہہ کر آپ سے ملنے میں زیادہ مسرت
ہوئی — اللہ تعالیٰ آپ کو شاد و آباد رکھے
خدا نے آپ کو سعادت مند بنایا ہے اور
[illegible] خاص [illegible]
لئے دعائیں [illegible]
دعائیں کہہ دینا۔ اور [illegible] سب کو
[illegible]
ختم ہو گیا [illegible] والسلام
دعا گو اقفر موالی [illegible]


3-2-54

# ریاض وارثی خیرآبادی

خیرآباد لکھنؤ کے شمال میں ۴۸ میل کی دُوری پر واقع ہے۔ یہ قصبہ سیتاپور (اودھ) سے پانچ میل کی دُوری پر شمال جنوب میں بسا ہوا ہے۔ اس قصبے کو خیرا پاسی نے آباد کیا تھا اس لیے اس کا نام خیرآباد پڑا۔ خیرآباد ضلع سیتاپور میں ایک ویران قلعہ ہے جو خیرا پاسی کے نام سے مشہور ہے۔ قلعہ کے وسط میں ایک بزرگ کا مزار ہے۔ روایت ہے کہ خیرآباد کا بانی خیرا پاسی انہیں بزرگ کے ہاتھوں ہلاک ہوا تھا۔ خیرآباد کے چکلے میں ۳۲ محال شامل تھے اور نواب اودھ کو اس سے سالانہ آمدنی لاکھوں روپے ہوتی تھی۔ جب ۱۸۵۶ء میں ملک اودھ ضبط ہو کر عملداری انگریزیہ میں شامل ہوا تو چیف کمشنر نے اس کا بندوبست اس طرح کیا۔

۱۔ خیرآباد ۲۔ ہردوئی ۳۔ لکھیم پور ۴۔ سیتاپور

اس زمانے میں مولوی فضل حق خیرآبادی کی علمی قابلیت کا بہت چرچا تھا۔ خیرآباد ہمیشہ اپنے علم وادب کے

لیے مشہور رہا ہے۔ اس شہر نے سعد بخش جیسے حافظِ اسلام اور سالارِ ملت کو بھی پروان چڑھایا ہے، اُس نے بزرگانِ دین مقبول میاں علیہ الرحمۃ جیسی خدا رسیدہ ہستیوں کو جنم دیا۔ خیرآباد نے کوثر وارثی، وسیم اور ریاض جیسے پائے کے شعراء اور ادیبوں کو جنم دیا۔

حضرت ریاض کی ولادت ۱۲۷۲ھ (۱۸۵۳ء) خیرآباد ضلع سیتاپور میں ہوئی۔ اُن کے مورثِ اعلیٰ سید شجاع والئ کرمان نوسو سال پیشتر اس نواح میں آئے۔ آباؤ اجداد میں قاضی حسین بخش اولیاء کرام میں سے گزرے ہیں۔ یہ شیخ سعد کے خلیفہ تھے۔ ریاض کے والد ماجد سید طفیل احمد صاحب بڑے نامور عالم تھے۔ اُن کے بیٹے اور ایک بیٹی پہلے سید ریاض احمد مرحوم، دوسرے سید نیاز احمد صاحب اور تیسرے سید فیاض احمد صاحب راز مرحوم تھے۔ تینوں بھائی پولیس میں ملازم ہوئے مگر ریاض صاحب نے استعفیٰ دے دیا تھا۔ صاحبزادی کی شادی سید محمد عسکری صاحب وسیم خیرآبادی سے ہوئی جو ایک مشہور شاعر تھے۔ ریاض صاحب دس سال کی عمر میں ہی اپنے والد ماجد کے ہمراہ (جو ملازم تھے) رہنے لگے۔ وہیں پر عربی کی تعلیم کا سلسلہ مولوی سید فیاض حسین (مرحوم) رئیس سوداگر محلہ سے شروع ہوا اور فارسی کی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ پندرہ برس کی عمر میں خیرآباد آکر مولوی حافظ سید نبی بخش صاحب مرحوم کے مدرسہ عربیہ میں داخل ہوئے۔

رومانی طبیعت کی وجہ سے اُن کا مزاج بچپن ہی سے شعروشاعری کی طرف راغب تھا۔ حضرت ریاض نے ۱۸۷۲ء میں لمعہ رخشاں کے نام سے ایک مطبع قائم کر کے "ریاض الاخبار" جاری کیا۔ اس کے علاوہ اُن کی ادارت میں روزنامہ "تار برقی" جاری کیا۔ ایک ماہنامہ "گل کدہ ریاض" جاری ہوا۔

ریاض صاحب نے منشی تدبیر الدولہ اسیر صاحب سے تلمذ اختیار کیا۔ ریاض صاحب نے اپنے شباب کا ایک حصّہ گورکھپور میں بھی گزارا۔ وہاں اُنکے برادر سید طفیل صاحب پولیس انسپکٹر تھے۔

ریاض صاحب نے چار شادیاں کیں۔ دو خاندان میں اور دو خاندان کے باہر۔ کچھ عرصہ لکھنؤ میں بھی رہے، مگر خیرآباد کے سوا کہیں بھی اقامت اختیار نہیں فرمائی۔ ۳۰ جولائی ۱۹۳۴ء کو ریاض صاحب کا وصال ہوا۔

ریاض صاحب پکّے مسلمان تھے۔ وہ مذہب کے اثر سے کبھی بھی محروم نہیں رہے۔ عمر کے ساتھ مذہب کی پختگی بڑھتی گئی۔ شریعت کے پابند تھے۔ اُن کے کردار میں اسلام کی رُوح کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ وہ نماز پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے اور تلاوت قرآن پاک کرتے تھے۔ ریاض کا خاندان شیعوں اور سُنّیوں کا مجموعہ تھا۔ ریاض کے والد کٹر سُنّی اور والدہ کٹر شیعہ تھیں۔ اس کا اثر ریاض پر بہت پڑا۔ ریاض کی حضرت علیؓ سے انتہائی عقیدت تھی اور حضرت خواجہ اجمیر سے بھی قلبی لگاؤ تھا جن کا نمایاں ثبوت اُن کے کلام سے ملتا ہے۔

جاتے ہی مے کدہ مجھے اجمیر ہو گیا — اتنی ملی کہ پیٹے سے جی سیر ہو گیا

حضرت ریاض صاحب کو سرکار عالم پناہ حضرت حافظ حاجی وارث علی شاہ سے نہایت عقیدت تھی ۔ اور اس عقیدت و ارادت سے متاثر ہو کر حضرت حاجی صاحب کے دست حق پرست پر بیعت کر لی ۔

## انتخابِ کلام

آنکھیں کھل جائیں جو ظاہر ہو مقامِ وارث — کان ہو جائیں جو حسن لے کوئی نامِ وارث

جام کوثر کے نہ واعظ سرِ محفل چھلکا — ہم قدح خوار پئے بیٹھے ہیں جامِ وارث

ہو محبت تو نہیں کافر و دیندار میں فرق — ہے یہی عشق کے بندوں سے پیامِ وارث

وہ بھی اس طرح اُنہیں یادِ نشیمن نہ چمن — طائرِ دل ہیں ہزاروں تہِ جامِ وارث

ہو قیامت نہ کہیں پائے نظر سے پامال — مری آنکھوں میں ہے اندازِ خرامِ وارث

دھوپ پڑنے نہیں دیتا ہے ادب سے خورشید — سایہ عرش بریں ہے سرِ بامِ محبت

بوئے گُل جا بھی یہاں کام نہیں ہے تیرا — کہ بسا اور ہی بُو سے ہے مشامِ وارث

جان پڑ جاتی ہے ایمان کا شرف ملتا ہے — کلمہ پڑھتے ہیں بہ بُت حسن کے کلامِ وارث

گُل پیئیں دھو کے نسیمِ سحری کے تلوے — یہ مدینے کو جو لے جائے سلامِ وارث

سرو سے اس کی بلندی کوئی ہو گی سو سرو — دورِ طوبیٰ ہے کہ ہے گنبدِ بامِ وارث

صدقے میں ساقیٔ کوثر کے دعا ہو یہ قبول — نزع میں پیاس بجھائے مئے جامِ وارث

نگہ لطف کا طالب ہے ریاکار ریاضؔ
گو ریاکار ہے لیکن ہے غلامِ وارث

## غزلیات

وہ حیات کٹی اس طرح کہ اُٹھ اُٹھ کر — مَیں بیٹھ بیٹھ گیا گردِ کارواں کی طرح

ہمیں ہے گھر سے تعلق اب اس قدر باقی — کبھی جو آئے تو وہ دل کو مہماں کی طرح

شریک درد تو کیا باعثِ اذیّت ہیں — وہ لوگ جن سے روابط تھے جسم و جاں کی طرح

ریاضؔ موت ہے اس شرط سے ہمیں منظور
زمیں ستائے نہ مرنے پہ آسماں کی طرح

---

نہ کام آئے جو دامن کے اشکِ خوں کیا ہے
جو کام آئے نہ آنکھوں کے وہ لہو کیا ہے

بنا ہے وعدہ فردا سے اُن کے تارِ کفن
سفید ریش کا میری ہر ایک مُو کیا ہے

نہ رنگ لائے نہ بُو دے اگر کریں پامال
میں کچھ نہیں ہوں میرا خون آرزو کیا ہے

جو توڑ ہے عوض مئے ذرا سا پانی دے
ہمارے دل کا پھپھولا ہے یہ سبُو کیا ہے

بُجھے گی پیاس نہ میری اگر گلا رگڑوں
نہ آب جس میں ہو وہ خنجر عدو کیا ہے

جو ناشناس ہیں اُن کو ریاضؔ ہو معلوم
غلامِ ساقئ کوثر کی آب رو کیا ہے

---

انجمن میں شور تھا مینا اُٹھے ساغر اُٹھے
اتنی ساقی نے پلائی رند توبہ کر اُٹھے

بزمِ محشر سے غلامِ ساقئ کوثر اُٹھے
آؤ اے یارانِ مئے خانہ ذرا ساغر اُٹھے

روزنِ در کھولے جائیں یا حجابِ در اُٹھے
ہم غریبوں کے درِ دولت سے اب بستر اُٹھے

کچھ ہمارے کان پھونکے اس طرح ناقوس نے
بُتکدے سے جب اُٹھے تو بن کر ہم پتھر اُٹھے

جاگ اُٹھے سب سوتے فتنے اُن کی انگڑائی کے ساتھ
سونے والے خوابگاہِ ناز سے سو کر اُٹھے

کیا ہماری جان لینے کو کوئی بات اُٹھ رہی
وہ اُٹھے دشمن اُٹھا چُھریاں خنجر اُٹھے

اُٹھتے ہیں طوفِ حرم کو بھی اے زاہد ٹھہر
دَور آخر ہے یہ ساغر کا ابھی پی کر اُٹھے

جاتے جاتے عرصہ گاہِ حشر تک جو حال ہو
اُٹھتے اُٹھتے قبر میں سو فتنہ محشر اُٹھے

سوئے صحرا جاؤں میں آنکھوں سے لیکن کیا کروں
اے جنوں گھر سے نکل کر پاؤں جب باہر اُٹھے

ہم سمجھتے تھے نکالیں گے ہمارے دل کی پھانس
وہ اُٹھے تو چبھونے کے لیے نشتر اُٹھے

اتنی کثرت سے ارے ساقی پھر اتنی تند تیز
اچھے اچھے پینے والے آج توبہ کر اُٹھے

کیا کروں کاندھا نہیں دیتے فرشتے ساتھ کے
دوش پر بارِ گراں اعمال کا کیونکر اُٹھے

پھول برسے جس طرف واعظ ہوا تیرا گزر
ہم سے دیوانے جدھر گزرے اُدھر پتھر اُٹھے

میکدے سے شیخ فانی کہہ کے یہ رخصت ہوئے
دیکھیے اب لطفِ صحبت کب لب کوثر اُٹھے

بے پئے بھی صبح محشر ہم کو لغزش ہے بہت قبر سے کیونکر اُٹھیں بار گناہ کیونکر اُٹھے

جب سائی جس سے کی قسمت چمک اُٹھی ریاضؔ

حضرت ساحرؔ کے در سے کیوں ہمارا سر اُٹھے

---

شرابِ ناب سے ساقی جو ہم وضو کرتے حرم کے لوگ طوافِ خم و سبو کرتے

وہ مل کے دستِ حنائی سے دل لہو کرتے ہم آرزو کو حسین خُون آرزو کرتے

بہت ہی کھوئے ہوئے ہم یہاں رہے افسوس وہ بے نشان تھا اپنی ہی جستجو کرتے

اُتار لیتے اُنہیں بامِ طور سے دل میں ہم اختیار وہ اندازِ گفتگو کرتے

مہِ صیام میں موقع جو ہم کو مل جاتا ہم ایک سانس میں خالی خم و سبو کرتے

کہاں کہاں نہ ہوئے گم تلاش میں تیری کہاں کہاں نہ پھرے تیری جستجو کرتے

نہ آنے پائے حنائی ہمارے پھولوں میں یہ پھول خاک تمنائے رنگ و بُو کرتے

ریاضؔ کوثر و تسنیم سب وہیں ہوتے

جو پی کے ہم سرِ زمزم کبھی وضو کرتے

---

جلے آشیانے جو دل کی طرح چمن سے شور فغاں اُٹھا

یہ کہاں لگی یہ کہاں لگی کہ قفس سے آج دُھواں اُٹھا

کوئی مست میکدہ آگیا مے بے خودی وہ پلا گیا

نہ صدائے نغمۂ دیر اُٹھے نہ حرم سے شورِ اذاں اُٹھا

گئی آگ دل سے جگر میں یُوں آگ میرے ہی گھر میں یُوں

نہ تو لَو اُٹھی نہ شرر اُٹھے نہ چمک اُٹھی نہ دُھواں اُٹھا

تجھے مے فروش خبر بھی ہے یہ مقام کیا ہے یہ کیا ہے شے

یہ رہِ حرم میں دکانِ مے۔ تو یہاں سے اپنی دکاں اُٹھا

گئے ساتھ شیخ حرم کے ہم نہ ملا کوئی نہ لیے قدم

نہ تو خم بڑھا نہ سُبو جُھکا جو اُٹھا تو پیرِ مغاں اُٹھا

لب خم میں قم لبِ خم میں قم سرِ دوش بار وہ خم کے خم
خمِ آسماں بھی ہو جس میں گمُ سیاہ ابر کہاں اُٹھا

یہ سپید ریش ریاض ہے جو بنا ہے بزم میں وعظ گو
اسے کیوں نہ ابرِ سیاہ کہوں کہ برس پڑا یہ جہاں اُٹھا

(صبحِ اُمّید لکھنؤ، دسمبر ۱۹۱۹ء)

---

زمینِ میکدہ عرشِ بریں معلوم ہوتی ہے
یہ خشتِ خم فرشتے کی جبیں معلوم ہوتی ہے

مری حسرت تبسّم آفریں معلوم ہوتی ہے
چھپی ترے تبسّم میں نہیں معلوم ہوتی ہے

یہ اے صیاد رہ رہ کر چمکتی کہاں بجلی
جہاں مرا نشیمن تھا وہیں معلوم ہوتی ہے

چلی بھی تیغ تو کس ناز سے تھم تھم کے رُک رُک کر
یہ کچھ اُن سے زیادہ نازنیں معلوم ہوتی ہے

اے ساقی ذرا مری شراب تلخ تو لانا
مئے کوثر تو بالکل انگبیں معلوم ہوتی ہے

نگاہِ تیز بھی پردے میں ہے مژگاں درازی کے
چھری بھی آج زیرِ آستیں معلوم ہوتی ہے

لپک اس کی چمک وہی دم خم وہی عالم
یہ بجلی کوئی آہ آتشیں معلوم ہوتی ہے

ریاض ایسی مرے دل سے لگی ہے جام کوثر کی
مے انگور اب اچھی نہیں معلوم ہوتی ہے

(شباب اردو۔ امرتسر جون جولائی ۱۹۳۱ء)

---

دوریٔ راہ سے کچھ بیٹھ گیا دل میرا
پاؤں کیا خاک اُٹھے اب سوئے منزل میرا

رنگ باندھا ہے چمن میں یہ فغاں نے میری
چُپکے منہ دیکھتے رہتے ہیں عنادل میرا

آستین رنگ بدلے آئی لہو دے نکلی
نہ چھپا لاکھ چھپا حشر میں قاتل میرا

بزم قوالی میں کیا خم سے اُڑا لی میں نے
ہاتھ تھاما نہ کسی نے سرِ محفل میرا

کچھ عجب لُطف سے مل جُل کے رہا ایک سے ایک
غم تیرا جاں میری رنج تیرا دل میرا

یہ میرا ہو کے رہا بعد فنا تربت میں
جاں سے بھی ہے سوا میرے لیے دل میرا

جو کھلا پھول بنا زخم میرے دل ریاضؔ
جو کلی رہ گئی کھلنے سے بنا دل میرا

(شباب اردو- امرتسر جون جولائی ۱۹۳۱ء)

---

شرر طور ہے جو موج ہے پیمانے میں
بجلیاں کوندھتی ہیں آج تو مے خانے میں

ایک خوشے کے برابر نہیں میخانے میں
خم میں جو ہے وہ ہے انگور کے ہر دانے میں

چھیڑیے یوں دل وابستہ شگفتہ ہو جائے
لطف کھلنے میں ہے یا پھول کے مرجھانے میں

آپ کا وصل نہ ہو جان کا جنجال کہیں
آپ تو زلف سے بھی بڑھ گئے بل کھانے میں

اور بھی چاند کی شکلیں ہیں نہیں آپ نہ ہوں
نور کی شمعیں نہیں روشن مرے کاشانے میں

دے دے تو میری جوانی تیرے صدقے ساقی
ہے وہ تیرے چھلکتے ہوئے پیمانے میں

لطف ہے دیر و حرم دونوں سے مجھ کو اے شیخ
دل ہے کعبہ میں مرا جاں بت خانے میں

نہیں پڑتے ہیں زمیں پر جو ترے نقشِ قدم
کیوں اڑے رنگ حنا غیر کے گھر جانے میں

رزق ملتا ہے در حضرت ساحر سے ریاضؔ
جام چھلکاتے ہیں بیٹھے ہوئے میخانے میں

(صبح امید- لکھنؤ اپریل ۱۹۲۰ء)

---

نماز بھی وہیں پڑھتے ہیں وہیں وضو کرتے
شکار بھی بط مے کے کنارے جو کرتے

کلیم بات بڑھاتے نہ گفتگو کرتے
لبِ خاموش سے اظہار آرزو کرتے

حسیں بھی ہوں خوش آواز بھی فرشتہ قبر
کٹی ہے عمر حسینوں سے گفتگو کرتے

ہماری پھول کا ساغر اگر یہ گل بنتے
تو اور رنگ سے اظہارِ رنگ و بو کرتے

گراتے یونہی سرِ طور بجلیاں ہم پر
اگر حجاب تھا پردے سے گفتگو کرتے

یہ داغِ مے ہیں بڑے پھیلتے ہیں سرِ دامن
جو آبِ زمزم و کوثر سے شست و شو کرتے

ہمیں خدا کے سوا کچھ نظر نہیں آتا
نکل گئے ہیں بہت دور جستجو کرتے

بقدرِ ظرفِ وضو مے جو ملتی پانی سی
سیاہ رُو بھی دمِ حشر شست و شو کرتے

نہ تھا شباب کمر میں ریاضؔ زر ہوتا
تو دن بڑھاپے کے بھی نذرِ لکھنؤ کرتے

(صُبحِ اُمّید لکھنؤ ۱۹۲۰ء)

---

گل مرقع ہیں ترے چاک گریبانوں کے
شکل معشوق کی انداز ہیں دیوانوں کے

کعبہ و دیر میں ہوتی ہے پرستش کس کی
مے پرستو! یہ کوئی نام ہیں مے خانوں کے

جامِ مے توبہ شکن توبہ مری جام شکن
سامنے ڈھیر ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے

پرِ پرواز بنے خود شررِ شمع کبھی
شررِ شمع بنے پر کبھی پروانوں کے

ذکر کیا اہلِ جنوں کا جب آتی ہے بہار
وہ تو وہ رنگ بدل جاتے ہیں زندانوں کے

وسعتِ ذات میں گم وحدت و کثرت ریاضؔ
جو بیاباں ہیں وہ ذرّے ہیں بیابانوں کے

(شبستان اُردو ڈائجسٹ۔ نئی دہلی۔ فروری ۱۹۶۹ء)

---

آب زیادہ کس میں ہے چشمک باہم ہوتی ہے
میری آنکھ میں آنسو ہے تیرے کان میں موتی ہے

شمع فسردہ بجھتی ہے سُونی محفل ہوتی ہے
حسرت بیٹھی دل میں اب جان کو میرے روتی ہے

موتی سی وہ آب کہاں آنسو کالا موتی ہے
شاید میری ہجر کی شب منہ کی سیاہی ہوتی ہے

میری آنکھ کا تارا ہے آنسو میری قسمت کا
قسمت کو مَیں روتا ہوں قسمت مجھ کو روتی ہے

زخمِ جگر کی بخیہ گری اب ہے مژہ کی سوزن سے
حق میں ہمارے بڑھ بڑھ کر اور یہ کانٹے بوتی ہے

ساحل تہ سے دُور سوا، تہ ساحل سے دُور سوا
قسمت قعرِ سمندر میں کشتی آج ڈبوتی ہے

دل پر نقش مہر و وفا دو دن کی تو بات نہیں
کوئی بھی ہو دل میں جگہ ہوتے ہوتے ہوتی ہے

کعبے آکر شیخِ حرم نام نہ لے پھر جانے کا
آدُ بھگت مے خانے میں زاہد اتنی ہوتی ہے

جان چھڑانا مشکل ہے ظالم آج قیامت کو
تیری چال کے فتنوں نے کیسی آفت جوتی ہے

پی پی کر میں روتا ہوں رو رو کر میں پیتا ہوں — داغ جو کوئی پڑتا ہے تو بہ دامن دھوتی ہے
پُرخم زلف کو سودا ہے بل کم ہوتے جاتے ہیں — اب دل لے لے کر کچھ اور گرہ سے کھوتی ہے
ہاتھ پہ اپنے ہاتھ دھرے حشر کے دن چپ بیٹھا ہوں — اشکِ ندامت امنڈے ہیں تو بہ دامن دھوتی ہے

حد سے بڑھی تاثیر جنوں سرتا پا تصویر جنوں !
شکلِ ریاضؔ اب دیکھیں کیا دیکھ کے وحشت ہوتی ہے

(زمانہ۔ کان پور، جنوری ۱۹۲۶ء)

---

رنگ پر کل تھا ابھی لالۂ گلشن کیسا — بے چراغ آج ہے ہر ایک نشیمن کیسا
اب خدا جانے بہار آتی ہے اُس میں کہ نہیں — میرے دم سے کبھی آباد تھا گلشن کیسا
چھپ کے راتوں کو کہیں آپ نہ آئے نہ گئے — بے سبب نام ہوا آپ کا روشن کیسا
ذبح کے وقت بہت صاف رہا تھا یہ تو — دے اُٹھا خُون، دمِ حشر یہ دامن کیسا
تو دھری جائے گی اُس گھر سے جو نکلی کوئی بات — نگہ شوق ، یہ دیوار میں روزن کیسا
میری سج دھج تو کوئی عشق بُتاں میں دیکھے — ساتھ قشقے کے ہے زنّارِ برہمن کیسا
آئے ہیں داغ نیا دینے وہ مجھ کو پسِ مرگ — آج پھیلا ہے اُجالا سرِ مدفن کیسا
باغباں کام ہمیں کیا ہے وہ اُجڑے کہ رہے — جب ہمیں باغ سے نکلے تو نشیمن کیسا

پارسا بن کے ریاضؔ آئے ہیں میخانے میں
آپ بیٹھے ہیں چھپائے ہوئے دامن کیسا

---

چھیڑتے ہی سر مرے زلفِ رسا ہو جائے گی — یہ پری تیرے لیے اے دل بلا ہو جائے گی
اے اسیرانِ قفس آنے کو ہے فصلِ خزاں — چار دن میں اور گلشن کی ہوا ہو جائے گی
ساتھ اشکوں کے لہو کیا لختِ دل آنے لگے — کچھ نہ کچھ بدنام اب میری وفا ہو جائے گی
موجِ طوفاں پھینک دے گی اُس کو ساحل کی طرف — پار اب کشتی مری اے ناخدا ہو جائے گی
لے نہیں سکتا ہوں میں بھولے سے بھی کعبہ کا نام — کیا خُدائی ان بُتوں کی اے خدا ہو جائے گی
لا بھی دے سوڈے کی بوتل جا کے اے شیخِ حرم — آبِ زمزم کیا ملاؤں بدمزہ ہو جائے گی

لوٹ لو اچھی طرح لطفِ معاصی اے ریاضؔ
بس یہی آثار اب دُنیا فنا ہو جائے گی

---

وہ کوسنا مجھے اُن کا مرا دُعا دینا — بڑھے نہ بات یہ ہے آگ کو ہوا دینا
کہاں اُڑے گی نہ زاہد کو کچھ پتا دینا — دل میں آئے تو رندو ہوا بتا دینا
تمہارے کوچہ میں کچھ طور والے بیٹھے ہیں — ذرا تم آ کے لبِ بام مُسکرا دینا
بلا ہے قبر کی شب، اس سے بڑھ کے حشر کے دن — نہ آؤں ہوش میں اتنی مجھے پلا دینا؛
رہے گا یاد مجھے بھی، اُنہیں بھی وصل کی شب — وہ اُن کے ہار کی کلیوں کا مُسکرا دینا
مزا ہو تنگ درِ خانقہ میں شیخ پھنسے — بڑا سا خم کوئی رندو گلے لگا دینا
نہ لالہ زار بنانا مزار کو، نہ سہی — چراغ آ کے کبھی شام کو جلا دینا
ہزار بار میں اس التفات کے صدقے — ہمیشہ داغ مرے دل کو اک نیا دینا
کریں وہ اور بھی پامال خوں شُدہ دل کو — لگی ہیں جا کے حنا اور تو لگا دینا
ہزاروں عیب چھپاتی ہے مری ریشِ دراز — چرائے کوئی خم مے مجھے بتا دینا
مرے سوا نظر آئے نہ کوئی دوزخ میں — کسی کا جُرم ہو مالک مجھے سزا دینا
چمک رہی ہیں نگاہوں میں بجلیاں پیہم — حریمِ ناز سے پردہ ذرا اُٹھا دینا
جہاں تہاں بہت آنے لگا ہے منہ واعظ — ذرا اُسے کہیں رندو مزا چکھا دینا
سُنا ہے ہم نے بہت کچھ کلیم کے منہ سے — ہم آئیں تو ہمیں آواز ہی سُنا دینا
زباں ہو بند مری تو بھی کر لوں میں توبہ — دمِ اخیر مجھے بادہ جانفزا دینا
حرم ہے جائے ادب، کام دے گی جنّت میں — فرشتو طاق سے بوتل ذرا اُٹھا دینا
گراں ہے توبہ کو مینا کا شورِ قلقل بھی — یہ غل مچائے تو اس کا گلا دبا دینا

شرابِ نابِ سُخن کا یہ دور آخر ہے
غزل ریاضؔ کی یاروں کو تم سُنا دینا

---

ہو گی وہ دل میں جو ٹھانی جائے گی　　کیا کسی کی بات مانی جائے گی
ڈھل چکی ہے اب جوانی جائے گی　　یہ شراب ارغوانی جائے گی
تیغ ہی کیا ہاتھ میں قاتل کے تھی　　اے حنا تُو بھی تو سانی جائے گی
خدمتِ مے خانہ کر لے ورنہ شیخ　　رائیگاں یہ زندگانی جائے گی

پینے آتے ہیں فرشتہ خو ریاضؔ
حُور کے دامن میں چھانی جائے گی

---

# سیماب اکبرآبادی

سیماب اکبرآبادی کی پیدائش بروز دوشنبہ جمادی الثانی ۱۲۹۹ھ بمطابق ۱۸۸۰ء بوقت صبح آگرہ میں ہوئی۔ آبائی مکان نائی منڈی لکو گلی املی والا مکان کے نام سے مشہور تھا۔ آپ کے دو بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ آپ کے آباؤ اجداد بہ عہد اورنگ زیب عالمگیر مُلک بخارا سے ہندوستان وارد ہوئے اور اکبر آباد (آگرہ) میں سکونت پذیر ہوئے۔ دادا کا نام شیخ نبی بخش صدیقی اکبر آبادی تھا۔ دادا تحصیلدار تھے جو کہ مختلف مقامات ہمیر پور اور فتح پور وغیرہ میں تعینات رہے۔ سیماب صاحب کے والد محمد حسین صدیقی بھی ملازمت کرتے رہے اور ایک عرصہ تک ٹائمز آف انڈیا پریس کی شاخ کے افسرِ اعلیٰ رہے۔ مصنف بھی تھے۔ گلدستہ عطار (چار جلد) مجموعہ شہادت اور کرامات غوثیہ وغیرہ وغیرہ کتابیں تصنیف کیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیے :۔

وہ جو حوصلہ تھا حسین کا　　نہ تو دید ہے نہ شنید ہے
کہا دیکھ آئینہ تیغ کا　　مجھے یار کی دید ہے
جو لہو گلے سے رواں ہوا　　کہا عاشقوں کی یہ عید ہے
جو نثار سجدے میں سر کرے　　وہ امام ہے وہ شہید ہے

## تعلیم

ابتدائی تعلیم جمال الدین سرحدی، سید احمد گنگوہی، قمر الدین اور عبد الغفور وغیرہ سے۔ اُصول اور منطق کے علوم کی تکمیل اور فارسی زبان اور عربی بھی انہیں سے سیکھیں۔

# شاعری کا آغاز

شاعری ورثہ میں ملی تھی۔ بقول ؎

مَیں کہ پیغمبرِ تہذیبِ سُخن تھا سیماب　　سلسلہ شعرِ مہذّب کا مرے گھر سے چلا

# ملازمت :

۱۸۸۹ء میں والد کا انتقال ہو گیا اور پھر نارتھ ویسٹرن ریلوے کان پور میں ملازمت اختیار کی۔ اس ملازمت کے دوران میں حضرت داغ کی شاگردی اختیار کی۔ کان پور اور لکھنؤ کے مشاعروں میں شرکت کرتے رہے اور مشاعرے لوٹتے رہے۔

# سلسلہ وارثیہ میں بیعت

کان پور میں آپ اور نظر وارثی کان پوری ایک ہی مکان بمقام گوال ٹولی میں رہا کرتے تھے۔ ایک دن اُن کی ہمراہی میں دیویٰ شریف جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں پر حضرت حافظ حاجی وارث علی شاہ کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں سیماب صاحب ہندوستان بھر میں مصروف ہو گئے اور مختلف رسالوں، جریدوں صوفی، سالک، نظام المشائخ اور صبح بنارس میں کلام شائع ہونا شروع ہو گیا۔ دورانِ ملازمت اجمیر شریف کی تعیّناتی میں شاعرانہ طبیعت نے اس جگہ بھی اپنا رنگ دکھایا۔ پانچ سال اجمیر شریف میں رہنے کے بعد واپس آگرہ آ گئے۔ آگرہ میں رسالہ "مرقع" جو منشی فریدالدّین خاں گوہر مطبع سے شائع ہوتا تھا کی ادارت کی۔ (الوارث سیماب نمبر ۱۹۴۹ء) پھر اس کے بعد دورانِ ملازمت اُن کی تبدیلی ٹونڈلہ میں ہو گئی۔ اب زیادہ مصروف ہونے کی وجہ سے اُن کے شاگردوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ ۱۹۲۴ء میں آگرہ میں قصر الادب کے نام سے تصنیف و تالیف کا ایک ادارہ قائم کیا۔ اگست ۱۹۲۳ء میں ایک جریدہ "پیمانہ" کا آغاز کیا جو زیادہ مقبول عام ہوا۔ اخبار "ریاست" دہلی سے بھی مُنسلک رہے۔ ۱۹۳۰ء میں قصر الادب سے پندرہ روزہ "شاعر" جاری کیا۔ ساغر نظامی اور راز چاندپوری اور دیگر سینکڑوں اشخاص اُن کے شاگرد تھے۔ تقسیمِ ہند کے بعد ہجرت کر کے پاکستان کراچی میں آ گئے۔ یہاں پر آ کر پندرہ روزہ "پرچم" جاری کیا۔ آپ نے تقریباً تین سو کتابیں لکھیں۔

# آخری ایّام اور وفات

۳۰ ستمبر ۱۹۵۰ء بزم سیماب کراچی کا ماہانہ مشاعرہ زیرِ صدارت حفیظ ہوشیارپوری ہوا۔ ۹ بجے تک مشاعرہ جاری رہا۔

مشاعرے سے واپس آئے، رات کٹی صبح ہوئی اور طبیعت خراب ہوگئی۔ پھر اس کے بعد روز بروز طبیعت خراب ہوتی چلی گئی۔ ایک ماہ تک طبیعت برابر خراب رہی۔ آخر ایک دن اس دار فانی سے دار البقا کی طرف کوچ کر گئے۔ ۱۹۵۰ء میں وصال ہوا۔

## غزلیات

مَیں حُسن کی نظروں سے جب محوِ تماشا تھا
اے بے خودی دل کیا تُو نے مجھے دیکھا تھا

یہ میرے تصوّر میں حیرت کدہ کس کا تھا
اک عالم بے رنگی نظریں تھیں نہ جلوا تھا

تو وہم کے پردے میں محرومِ تماشا تھا
پردہ جسے سمجھا تھا غافل وہی جلوا تھا

غیرت نے گوارا کی ہر حال میں خاموشی
فطرت سے شکایت بھی کی گو نہ تقاضا تھا

ہیں چاک گریباں کے تیور میں شکن اب تک
کل عالمِ وحشت میں کس نے مجھے چھیڑا تھا

ہر حال مرے دل کا اک حال مسلسل ہے
پہلے بھی غم فردا میرا غم فردا تھا

نازک سی شگفتہ سی آواز اک آئی تھی
کیا تم نے مجھے دل کے پردے سے پکارا تھا

بجلی کی طرح وہ تو لہرا کے ہوئے پنہاں
مَیں کس سے کہوں میرا مقصودِ نظر کیا تھا

آسودگیٔ ظرفِ نظارا پہ مرتا ہوں
اک جلوۂ ناقص بھی تسکین تماشا تھا

مجبورِ تعلّق ہوں جب غور کیا مَیں نے
دُنیا تو نہ تھی دل میں لیکن غمِ دُنیا تھا

کیا حلقۂ وحشت سے ملتی اُنہیں آزادی
دیوانوں کی دُنیا میں صحرا پس صحرا تھا

مجھ کو شب غُربت میں کیوں مونس غم ملتا
جو کام تھا فطرت کا ہر حال میں تنہا تھا

سیمابؔ محبّت کے آلام کا شکوہ کیا
انساں پہ محبّت کا انعام بھی کیا کیا تھا

---

شکستہ پا ہوں شریک اپنے کارواں میں نہیں
مرے نصیب کی گردش بھی آسماں میں نہیں

یہی تو قوّتِ تحقیق باغباں میں نہیں
کہاں گئیں وہ بہاریں جو بوستاں میں نہیں

حواس جمع نہیں ربط جسم و جاں میں نہیں
جو چاہتا ہوں وہ ترتیب کارواں میں نہیں

بقا فنا سے بدل کر بھی کچھ زباں میں نہیں
وہ اس جہاں میں ہے باقی جو اس جہاں میں نہیں

ہر ایک دل کو ہے دشوار معرفت مری
وہ راز ہوں جو ابھی ذہن رازداں میں نہیں

محیطِ غلبۂ وحدت ہے فطرتِ انساں
سمجھ رہا ہے کہ مجھ سا جہاں میں نہیں

اُچھالے دیتی ہے غمازیٔ نگاہ مجھے
مَیں راز بن کے بھی قابوئے رازداں میں نہیں

قفس کی قید سے چھُوٹے بُرے زمانے میں
ہمارے وقت کا تنکا بھی آشیاں میں نہیں

تعلّقات کا رونا ہے یاد کی فریاد
یہ جانتا ہوں کہ مَیں ذہنِ نوحہ خواں میں نہیں

وہاں ثبوتِ محبت کا دینے آیا ہوں
جہاں شریک فرشتے بھی امتحاں میں نہیں

خدا کا شکر ادا کر رہا ہوں غُربت میں
کہ مرے پاؤں میں کانٹے سہی زباں میں نہیں

مَیں چاہتا ہوں کہ منزل ہی مُنہ سے بول اُٹھے
فضا شناس کوئی مرے کارواں میں نہیں

جہاں میں عشق کی مٹّی خراب ہے سیماب
زمیں تنگ ہے گنجائش آسماں میں نہیں

---

دیتا ہوں دادِ فطرتِ حق شناس کو مَیں
ہنگامۂ خودی میں بھُولا نہ خُدا کو مَیں

جُنبش جو دوں نگاہِ حقیقت کُشا کو مَیں
رکھ دوں اُلٹ کے پردۂ ارض و سما کو مَیں

دل کو ہٹاؤں کیوں نگہِ آشنا کو مَیں
اس آئینے میں دیکھ رہا ہوں خُدا کو مَیں

اے حشر ابھی نہ دے خبر شامِ بے خودی
اک کھیل جانتا ہوں فنا و بقا کو میں

افشا ہے مجھ پہ رازِ خودی سِرِ بے خودی
افسانہ خودی تو سُنا لوں خُدا کو مَیں

اس کش مکش میں منزلِ مقصود کیا ملے
رہبر سمجھ رہا ہے ہر اک نقشِ پا کو مَیں

پیشِ نگاہ رہنے دو بُت خانۂ حرم
جب تک ماسوا میں سمجھ لُوں خدا کو مَیں

کیا رہا ہے بُت کی صدائے خموش سُن
اس پیرہن میں پُوج رہا ہوں خدا کو مَیں

---

مَیں ہوں جہاں وہاں ہے نظر کا گزر کہاں
ہے عصمتِ جمال کو تابِ نظر کہاں

منظور ہے ابھی اُنہیں پاسِ نظر کہاں
وعدہ کیا ہے جلوہ گری کا مگر کہاں

تھی شورشِ بہار میں اتنی خبر کہاں
کیا جانئے مَیں نے پھینک دیئے بال و پر کہاں

ہوں سرخوشِ جمال سکوں ہے مگر کہاں
نظارہ ہے بقدرِ مذاقِ نظر کہاں

منزل پہ منحصر ہے مسافر ترا سکوں
رکھی ہے یہ متاعِ سرِ رہگذر کہاں

ماہ و نجوم سے بھی پرے محوِ سیر ہوں
دیکھا ہے تُو نے میرا مقامِ نظر کہاں

زندہ دلانِ عشق و فنا رازِ وہست بود
یہ مُلکِ جاوداں کے مسافر ادھر کہاں

اُجڑا اور ایسی شان سے اُجڑا مرا چمن
یہ بھی پتہ نہیں کہ بنایا تھا گھر کہاں

غارت ہوتی تو ہیں مری بیداریاں کہیں
مَیں جہاں خواب سے تھا پیشتر کہاں

پہنچا ہوں راہِ دُور سے ہستی کی شام تک
اب غور کر رہا ہوں کہ ہو گی سحر کہاں

پروانہ نذرِ شمع ہُوا شمع نذرِ صُبح
ہوتا ہے ختم دیکھیے اپنا سفر کہاں

اپنے جنونِ خام کی تکمیل کیجیے
سیماب پھر یہ موسمِ دیوانہ گر کہاں

---

جسے مآلِ تماشا پہ اعتبار رہے
وہ کیوں فریب کشِ جلوۂ بہار رہے

نہ حیرتی نہ گراں بارِ انتظار رہے
نظر وہ ہے جو شریکِ جمالِ یار رہے

حقیقتاً تھے حجاب و جمال ہم معنی
وہ جتنے چھپ گئے اتنے ہی آشکار رہے

اک ایسا گیت سُنا کر ہو مائلِ پرواز
چمن میں پھر تری آمد کا انتظار رہے

کسی سے ہم کو نہ تھی دُنیا میں کوئی اُمید
مگر کسی نہ کسی کے اُمیدوار رہے

ٹھہر سکے نہ جب اک مرکزِ معین پر
تو کیا نگاہِ تماشا کا اعتبار رہے

یہ اب کے جوشِ جنوں کا نیا تقاضا ہے
کہ باغباں نہ رہے باغ میں بہار رہے

اسی کا نام ہے دراصل کاملِ آزادی
کہ تیرے دل پہ کسی کا نہ اختیار رہے

رہے تو عالمِ ہستی میں دیر تک سیماب
مگر ملال رہا کہ مستعار رہے

---

یہ خوشی اس کی جو ملنا اُسے منظور نہیں
رگِ جاں دُور ہے انساں سے وہ دُور نہیں

اور ہی جلوے ہلاکت کے لیے کیا کم ہیں
نہ ہو بے پردہ جو اک جلوۂ مستور نہیں

جبر سے تیرے عقیدت ہو تو یہ بات ہے اور
ورنہ انساں کسی حال میں مجبور نہیں

اے مقدر عوضِ عشق نہ دے تاجِ شہی
ارے مَیں تو کہہ رہا ہوں مجھے منظور نہیں

میری نازش میں بھی تیری ہی خودی ہے محفوظ
اے مرے دوست مَیں خوددار ہوں مغرور نہیں

اُنہیں مانوسِ وفا آج میں کر لُوں لیکن
حُسن کو عشق بنانا مجھے منظور نہیں

ختم کیوں سلسلۂ دار و رسن ہو سیمابؔ
ہم تو باقی ہیں اگر شبلیؔ و منصور نہیں

---

محبّت ہی فنا کے بعد بھی بر روئے کار آئی
نہ مجھ کو دیں راس آیا نہ دُنیا سازگار آئی

مرے ناکام ہوتے ہی وفا بر روئے کار آئی
حریمِ حُسن سے آخر نویدِ اعتبار آئی

پریشاں ہو گیا محشر پریشاں دیکھ کر مجھ کو
یہاں بھی کام مری خاطرِ آشفتہ کار آئی

وداعِ گردشِ ایام تھا ترکِ چمن میرا
نہ پھر شامِ خزاں آئی نہ پھر صبحِ بہار آئی

جنوں نے خیر مقدم کر کے رکھ لی شرمِ رسوائی
ابھی جنّت سے نکلے تھے کہ تری رہگذار آئی

یہ حسرت تھی کہ داغِ دل کی لو جلدی بھڑک اُٹھی
یہ قسمت تھی کہ اب کے دیر میں فصلِ بہار آئی

دو روز اک شان سے سیمابؔ مصروفِ تجلّی ہیں
سمجھ میں آج وجہ انقلابِ روزگار آئی

---

## نعت

پیام لائی ہے بادِ صبا مدینے سے
کہ رحمتوں کی اُٹھی ہے گھٹا مدینے سے

الٰہی کوئی تو مل جائے چارہ گر ایسا
ہمارے درد کی لا دے دوا مدینے سے

حساب کیا کہ نکیرین ہو گئے بے خود
جب آئی قبر میں ٹھنڈی ہوا مدینے سے

یہی تو خانہ خرابی کا اک ٹھکانہ ہے
چلے کہاں دلِ دردآشنا مدینے سے

جنابِ خضر کو ظُلمات نے دیئے دھوکے
ملا تو ساغرِ آبِ بقا مدینے سے

ہمارے سامنے یہ نازشِ بہار فضول بہشت لے کے گئی ہے فضا مدینے سے
نہ آئیں جا کے وہاں سے یہی تمنّا ہے مدینے لا کے نہ لائے خدا مدینے سے
فرشتے سینکڑوں آتے ہیں اور جاتے ہیں بہت قریب ہے عرشِ خدا مدینے سے
اسی کا فیض ہے دُنیا میں یہ وہ چوکھٹ ہے جو کچھ کسی کو ملا وہ ملا مدینے سے
ہم اس کو مرجع مقصودِ عشق کہتے ہیں
دل حزیں کہیں کھویا ملا مدینے سے

## مسدس دربارِ رسول ﷺ میں

ایکہ! سرکار بڑی ہے تری سرکاروں میں تیرے دربار کی رونق ہے طلب گاروں سے
ربط ہے جذبۂ رحمت کو سیہ کاروں سے تجھے بچپن سے محبّت ہے گنہگاروں سے
لب پہ اس اُمّتِ مغموم کی رُوداد رہی
مہدِ مادر میں بھی اُمّت کی تجھے یاد رہی
وہی اُمّت جسے خیرِ اُمم کہتے ہیں آج ہے مُوردِ بیداد و الم کہتے ہیں
اس پہ ارزاں ہے جسے لوگ ستم کہتے ہیں حال اس کا نہیں معلوم تو ہم کہتے ہیں
سخت رسوائی ہے تدبیر اگرچہ نہ ہوئی
پھر نہ کہنا کہ ہمیں اس کی خبر کچھ نہ ہوئی
اے تری شانِ کریمی پہ یہ اُمّت ہو نثار کیا یہ پیغام رہیں گے یونہی سارے بیکار
اس سے پہلے تو نہ تھا یہ تیری رحمت کا شمار بے اثر بات کا تھا منہ سے نکلنا دشوار
متصل بابِ اجابت کا کہا جاتا ہے
پیچھے جاتی تھی دُعا پہلے اثر آتا تھا
نہیں معلوم کہ سرکار ہیں مصروف کدھر فیصلہ عرضیٔ اُمّت کا نہیں مدِّ نظر
اپنا یہ حال کہ ہر وقت ہے حالت بدتر شب گزرتی ہے تو ہوتی نہیں اُمّیدِ سحر
اس درِ فیض سے اُمید بندھی رہتی ہے
اور مدینہ کی طرف آنکھ لگی رہتی ہے

ہمیں قسمت نے کیا بے زور دبے پر ایسا　　لائے ہم مانگ کے خالق سے مقدّر ایسا
کر دیا ہے ہمیں ادبار نے مضطر ایسا　　آپ دیکھیں تو کہیں حال ہے ابتر ایسا
کسی پہلو میں وہ اُمید بھرا دل نہ رہا
اب یہ افسانہ سُنانے کے قابل بھی رہا

یا نبیؐ اب تو ہو، لِلّٰہ عنایت کی نظر　　بڑھ چلی حد سے زیادہ خلشِ زخمِ جگر
حال یہ ہے کہ ہُوا دہر میں جینا دو بھر　　قوّتِ ضبط ہے امکاں سکوں سے باہر
کشمکش رنگ انوکھا کوئی لائے نہ کہیں
دل بے تاب تڑپ کر نکل آئے نہ کہیں

یہ وہ دربار ہے ہیں جس کے مؤکل جبریلؑ　　اور منادی ہیں جہاں آٹھ پہر اسرافیل
مستعد خدمتِ تقسیم پہ ہیں میکائیل　　موت کی دیتے ہیں دُشمن کو سزا عزرائیل
ہیں عمرؓ قصرِ رسالت کی وزارت کے لیے
اور صدیقؓ گناہوں کی وکالت کے لیے

یہ وہ دربار ہے جس کی نہیں دُنیا میں اپیل　　فیصلہ اس کا خدا بھی نہیں کرتا تبدیل
آپ ہی اُمتِ عاصی کے ہیں واللہ کفیل　　لقب احمد مختار ہے خود اس کی دلیل
آپ کے ہاتھوں میں دفتر ہے سیہ کاروں کا
اختیار آپ کو ہے اپنے گنہ گاروں کا

---

# جنگلی شاہ وارثی

آپ کا اسم گرامی شیخ مدار بخش تھا اور تخلّص جنگلی شاہ وارثی تھا۔ حضرت سرکار وارث پاک علیہ الرحمۃ کے حلقہ بگوش احرام پوش تھے۔ آپ کا تعلّق ضلع سیتاپور اور خوشحال خاندان سے تھا۔ عربی و فارسی تعلیم کے ماہر تھے۔ آپ کو جوگ ابھیاس کا بہت شوق تھا۔ زیارت حج کی سعادت سے بھی بہرہ یاب تھے۔ جب سرکار وارث کے غلام ہوئے تو بحکم سرکار پاک جنگل میں رہنے کا حکم ہوا۔ اسی نسبت سے جنگلی شاہ وارثی کے نام سے مشہور تھے۔ فتح پور کے پاس

یہ جنگل ہے ۔ وارث کی غلامی کے بعد تمام عمر یہیں گزار دی اور اسی جگہ مدفن بنا ۔ آپ نے دوں محبت میں اشعار کہے ہیں ۔ آپ نے ایک مثنوی "گلزار وارث" لکھی ہے ۔ اس مثنوی میں اپنے پیر و مرشد کی مکمّل زندگی کا نقشہ کھینچا ہے ۔ سرکار پاک نے سماعت فرما کر کہا "تم نے رازدں سے پردہ اُٹھا دیا" اس مثنوی کے اندر غزلیں بھی ہیں اور ہندی دو ہے بھی درج ہیں ۔ نمونۂ کلام ملاحظہ فرمایئے :-

کلمہ کہہ سب سر دھنیں جا کا اور نہ چھور      وارث کا مُکھ دیکھ کے سب چتویں وہی اور
نُور کا رنگ بھرا وا کے گھٹ میں ہر ہر پر چھپر کوری      پریم کی بوند پڑی جا کے مکھ پر تن من بھیو سہ پوری
مانوں کو ثمہ مال گروری

---

## چند اشعار ہولی کے

ایسی کہن برجوری سیام میری بھیاں مروری
ابرا گلابی کسم رنگ چھڑکن ہمکا کیں شربوری
ہاتھ جور بنتی کرہ تھاکی رنگ پہ رنگ جھیوری
نوج کھیلوں ایسی ہوری

ہنس ہنس رنگ لگادیں ہمکا بھیاں ڈار گوری گوری
ناہیں ناہیں مَیں کتنوں کہا کی نازک چھتیاں مروری
مسک گئی چولیا موری

---

میّسر ہو دلا ہر دم جسے دیدارِ وارث کی      قدم چومے بلائیں لیں سرِ دربارِ وارث کی
نہ نکلے پھر کبھی قوس قزح عزت سے محشر تک      نظر آئیں اُسے گر ابروئے خمدارِ وارث کی
پتہ پُوچھے سے اکثر لوگ یہ الفاظ کہتے ہیں      تڑپتے ہیں جہاں بسمل وہ ہے دیوارِ وارث کی
یہ تسلیم و رضا کا حال ہیگا اُس کے کوچہ میں      جُھکا دی سب نے گردن جب اُٹھی تلوارِ وارث کی
کسی نے گر کہا جنگلی سے کیوں خاموش بیٹھے ہیں
کہا مَیں سُن رہا ہوں دل سے بس گفتارِ وارث کی

لبوں تک جس کے یارو آگیا ہے جام وارث کا
فنافی الشیخ ہو کر گیا وہ دام وارث کا
یہی ہے رات دن جنگلی کا شغل و مشغلہ یارو
تصوّر بس رہا کرتا ہے صبح و شام وارث کا

---

میں ریش مبارک سے کیا دوں مثال — مگر ایک مضمون ہے حسبِ حال
یہ رُخ اُس کا قرآن ہے صاف صاف — وہ ریش مبارک ہے اُس کا غلاف
سو اس کی دوسری اور ہے — مثال اُس کی لکھنے کا ایک طور ہے
یہی میرے پلّہ میں مضموں ملا — ہے یہ رحل رُخ اس پہ قرآن کھُلا
میں لکھتا ہوں اس کو اب ایک طور پر — جو ہے اوس کا مضموں کیجیو نظر
اولٹ پھیر ہے اس میں کیا کہوں
رُخ درویش تک شمع ہے واژ گوں

---

# مولوی لطافت حسین وارثی

آپ شیخو پورہ ضلع مونگیر (یو پی بھارت)، کے رہنے والے تھے۔ عربی کے مستند ادیب اور معقولات کے مکمّل عالم تھے۔ سرکار وارث پاک کے نادیدہ مشتاق زیارت ہوئے اور اس گرویدگی کا یہ اثر ہوا کہ دفعتاً عادات روزمرہ کے ساتھ خیالات میں بھی عظیم انقلابات رونما ہوئے۔ آپ کا کلام فارسی میں ہے۔ چند شعروں کا انتخاب پیشِ ناظرین ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار قصیدہ جات کے ہیں۔

ضرب مردانہ زن سینۂ صد چاک شوم — دل چو بشکستہ شود عرش شہ پاک شوم
سر بکف حلقۂ خونیں کفناں زیب بدن — با امیدیکہ شہید بتِ سفاک شوم
خوش خرامم چو برہنہ کف پائی آید — جاں بگوید کہ براہش خس و خاشاک شوم
خاک بر عیش و نشاطیکہ بدار ایں وہند — درد عشق تو بدل گیرم و غمناک شوم

شہ سوارم چو کند عزم شکارِ دلِ من نیستم جاں صدرگہ ہدیۂ فتراک شوم
نقد با سوختہ ام نفسِ عدو لیک نسوخت آتشے زن کہ زخاک آمدہ ام خاک شوم

---

اے قبلۂ ایمانِ من گاہے نظر بر من فگن اے کعبۂ ایقانِ من گاہے نظر بر من فگن
اے پاسخِ ارمانِ من اے حجت برہانِ من اے معنئ قرآنِ من گاہے نظر بر من فگن
تصدیقِ تو ایمان بود منکر ز تو شیطان بود اسلامِ من ایمان من گاہے نظر بر من فگن
نے مومنم نے کافرم از ہر دو فارغ خاطرم بر تو بود ادعانِ من گاہے نظر بر من فگن
جامے بدہ مستم کند تا نیست از ہستم کند اے ساقئ دورانِ من گاہے نظر بر من فگن
نا دیدہ دیدار شما چوں ادیشؔ باشم مبتلا تو اے محمدؔ زانِ من گاہے نظر بر من فگن

---

من قبلہ راست کردم بر سمتِ خوش لقائے عریاں سرے چو ماہے شوخ برہنہ پائے
از چشم و ابروانش غارت گر جہانے صد فتنہ در نگاہے صد عشوہ در ادائے
مخمور مے پرستے ظالم دراز دستے رفتار ہم چو مستے ہوشیار دلربائے
مہتاب بے حجابے خورشید بے نقابے عیار بے وفائے فتاں کج ادائے
در دیدہ کن نگاہے از دل کشم من آہے باشم قتیل چشمِ ویک غمزہ خوں بہائے

---

مطلع خورشید ایماں ست زاں سیمائے من نور پیشانی است خاک کوچۂ دیوائے من
ہیچ می دانی چہ دیوی، مظہر رحمانی است مرسخائے عالمین و مامن ملجائے من
خود چہ دیوی نماز گاہ شوقِ عاشقاں موطنِ محبوب یزداں منزلِ سلمائے من
خود چہ دیوی عاشقاں را کعبہ ایمان و دیں مقصدِ صحرا نورداں محملِ لیلائے من
من غلامِ حضرت وارث شدم دیوی پرست بود در طفلی ہمیں بازیگہ آقائے من

(دیوی شریف کی مدحت)

---

# مولانا عقل وارثی لکھنوی

مولانا عقل وارثی صاحب مذہباً عشری اور نسباً سیّد خاندان اجتہاد سے تھے مگر سرکار وارث پاک علیہ الرحمۃ کا روئے حق نما دیکھ کر زبان صدق "اُولٰئکَ ھُمُ الوارثون" کہا اور ظلِّ حمایت وارثی میں پناہ گزین ہوئے اور تاحیات مدحت سرائی کی، چنانچہ آپ کی تصنیفات میں تہتر شعر کا ایک قصیدہ ہے جو قصیدہ اتحادیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے بعض اشعار مندرجہ ذیل ہیں۔

عشاق محو دیند ہر جاش جملہ جوئیند — در کوئے او بپوہند گم کردہ دست وپارہ
ایں اہلِ باطنانند ایں لبِ کائنا مُتند — ماموں و آمنا نند اسرارِ انبیاء را
چوں آں کمیل کامل با معرفت مواصل — از سالکان واصل مشہود مصطفٰے را
ہمنام سبطِ اکبر مشفق زحسنِ مصدر — حُسنِ حُسن مَیّسر۔ آں خیر اصفیا را
سلمانِ فارسی بود۔ آں نقشبند معنی — بہر لوحِ صاف باطن مرضی مرتضٰی را
یک بود اویس قرنی دانائے رمزِ ارنی — خیر القرون قرنی، سلطان انبیاء را
مقداد وہم ابوذر، واں رازداں حذیفہ — بودند اہلِ باطن، تارک زرو طِلا را
ہم بایزید و کرخی، سری جنید و شبلی — ایں جملہ عارفانند اسرار اوصیاء را
کایں غوث و قطب و ابدال آیات کبریانند — ہم مظہر خدایند افراد ماسوٰی را
ظلِّ آلہہ اوحد، قائم مقام احمد — مہدی دین محمدؐ سلطان اولیاء را

---

الحال قطب دوراں غوث زماں حاضر — وارث علی چو نوح است کشتی اتقیا را
الیاس بحرِ عرفاں، ادریس خلد رضواں — ساقی آب حیواں اسکندر و گدا را
لقماں حکمت است او داؤد شوکت است او — فرمود چُوں سلیماں تسخیر ایں سبا را
بہر کلیم سینا، خلوت گہ وصال ست — او سینہ کرد سینا معراج اتقیا را
یوسف بصورت ست او یعقوب سیرت ست او — تا کرد نام روشن، یحیٰی و زکریا را
عیسٰی صفت زار ست او پیر را ولی عہد — عشقِ حق بسر کرد شیب و شب وصیا را

آخر زبیت طاہر یعنے نبی آخر
این خیر وارثاں شد آئینہ اولیا را

نے نے غلط نوشتم آئینہ چیست بے چین
انسان عین او ہست، اخیاں انبیاء را

یکتا و بے نظیر است فرد و دیہ پیرست
ارشاد لا تسبّو پندست از کیا را

فردست در قناعت یکتا ست و رضاعت
شیرست در شجاعت ہر بیشۂ دغا را

مثل جنید وارد نجنید لشکر بر
واد شکست فاشے حرص و طمع ہوا را

اسرار او چو سرّی اشغال او چو شبلی
اطوار او چو ثوری روزانہ و شبا را

بسطامی زمانہ معروف را یگانہ
ذکرش بود فسانہ اسعاف مدعا را

آں اکرم النفوس ست آں اعظم الرّوٗس ست
آں مطلع الشموس ست والشمس والضحیٰ را

وارث ولی مرادف معنی ارث دارند
چوں احمد و علی را ہست اتحاد را

لفظ علیّ منّی ہم یا اَنَا و مِنہُ
باشد حدیث صادق ، سردار انبیاء را

ہم رُوحک رُوحی ہم نفسک و نفسی
ہم جسمک و جسمی ہم لحم و ہم دما را

ہر گونہ اتّحادے قلبی و معنوی است
ہم لفظی است حرفے تا کے کنم ثنا را

گر قلب واؤ خواہند پس واؤ را بخوانند
ارباب دانند ایں رمز آشکارا

---

# میاں حیرت شاہ وارثی

حضرت سرکار عالم پناہ حاجی وارث علی شاہ علیہ الرحمۃ نے سلسلۂ قادریہ کی تمکنت اور سلسلہ چشتیہ کی رنگینیوں کو ترکیب دے کر جو سلسلۂ وارثیہ جاری فرمایا وہ دلکشی اور روحانی اثر انگیزی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ حضرت چراغ خاندانِ پنجتن وارث پاک علیہ الرحمۃ کے پردہ فرمانے کے بعد جن مختلف اکابر نے اس سلسلۂ وارثیہ کی رونق اور وسعت میں اضافہ فرمایا۔ ان میں سراج الشعراء لسان الطریقت حضرت میاں بیدم شاہ وارثی علیہ الرحمۃ بھی شامل ہیں جنہیں براہ راست سیدنا حضرت وارث پاک علیہ الرحمۃ سے شرفِ بیعت حاصل تھا۔ سلسلہ وارثیہ کے اس مقدس اور نامور سراج الشعراء کے مرید خاص حضرت میاں حیرت شاہ وارثی علیہ الرحمۃ تھے۔ جنہوں نے پاکستان میں سلسلہ وارثیہ کی تنظیم و ترقی کے لیے سب کچھ قربان کر دیا۔

ولادت جنوری ۱۸۹۲ء میں بمقام جالندھر (مشرقی پنجاب بھارت) میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد ... وارثی ایک خوش نویس اور صاحبِ ریاضت بزرگ تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم جالندھر شہر ہی میں حاصل کی۔ اس کے بعد لاہور آ کر سلسلۂ تعلیم جاری رکھا۔ بعد میں گورنمنٹ پنجاب محکمہ تعلیمات میں سرکاری ملازمت اختیار فرمائی۔ اس کے بعد چند سال تک محکمہ مال و پوسٹ، اینڈ ٹیلیگراف میں معزز عہدوں پر فائز رہے۔ ۱۹۲۷ء میں آپ دہلی سے بغرضِ زیارت و حاضری سرکار سیدنا وارث علی شاہ علیہ الرحمۃ کے روضہ اقدس واقع بمقام دیوی شریف ضلع بارہ بنکی یو۔ پی بھارت تشریف لے گئے۔ وہاں پر حضور میاں بیدم شاہ وارثی علیہ الرحمۃ کے دست حق پرست پر بیعت و رنگیں پوشی ہوئی ملازمت کو آپ نے خیرباد کہہ دیا۔ آپ نے کپورتھلہ کے جنگلوں میں شب و روز سخت مجاہدے کرنا شروع کر دیے اور عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔

آپ نے غالباً ۱۹۳۶ء یا ۱۹۳۷ء میں پہلا حج ادا کیا۔ آپ نے افغانستان، ایران، عراق، مصر، اُردن، شام اور دمشق تقریباً تمام عرب ممالک کی سیاحت فرمائی۔ آپ نے کل ستائس حج کیے اور ہندو پاکستان کی تمام خانقاہوں کے بزرگانِ سلسلہ کے اعراس پاک میں شرکت فرماتے رہے۔ درویشی میں برہنہ پاؤں رہنے کی وجہ سے پاؤں کے تلوے سخت ہو گئے تھے اور جسم بھی بھاری بھر کم ہو گیا تھا۔ درویشی اختیار کرنے کے بعد مختلف مقامات پر رہے۔ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد ۱۹۵۲ء میں برلبِ دریائے چناب نزد چنیوٹ ایک مندر میں قیام رہا۔ پھر وہاں سے کراچی تشریف لے گئے۔ وہاں بھی مختلف مقامات پر قیام رہا، لیکن زیادہ تر سیاحی میں رہے۔ تقریباً ۱۹۵۸ء میں کراچی تشریف لے گئے۔ پھر آپ کراچی ہی کے ہو کے رہ گئے۔ موسیقی سے آپ کو کافی لگاؤ تھا اور موسیقی کے تار و پود سے بخوبی واقفیت رکھتے تھے، بلکہ آوازِ خوش زندگی کا سہارا۔ دماغی کاوشوں کا مداوا اور جسم و رُوح کے سارے امراض کا علاج تھا۔

ع ایں نسخہ از بیاضِ مسیحا نوشتہ اند

حقیقت یہ ہے کہ موسیقی اور شاعری ایک ہی حقیقت کے دو مختلف جلوے ہیں اور ٹھیک ایک ہی طریقے پر ظہور پذیر بھی ہوتے ہیں۔ موسیقی کا مولف الحان کے اجزا کو وزن و تناسب کے ساتھ ترکیب دے دیتا ہے۔ اسی طرح شاعر بھی الفاظ و معانی کے اجزا کو حُسنِ ترکیب کے ساتھ باہم جوڑ دیتا ہے۔

ع تو حنا بستی و من معنی رنگین بستم

آپ کے دو دیوان نقشِ حیرت اور عکسِ حیرت تھے۔ آپ نے ۱۹۶۳ء میں کراچی شہر سے ایک پندرہ روزہ رسالہ "الوارث" کے نام سے جاری کیا۔ آپ کا وصال ۱۷ اکتوبر ۱۹۶۳ء بمطابق ۲۸ جمادی الاوّل ۱۳۸۳ھ بروز جمعرات ہوا اور مزارِ اقدس کراچی

پاپوش نگر قبرستان میں واقع ہے۔

جناب مولوی آغا عبدالمجید صاحب امجد وارثی کپورتھلوی آپ کے کلام پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت حیرت شاہ وارثی خود تو حیرت ببیں ہیں، مگر اُن کا کلام حیرت و استعجاب کو دُور کرکے ایک گونہ مسرت و انبساط بخشتا ہے۔ کیا اربابِ ذوقِ سلیم اور کیا عامۃ النّاس جب اسے سُنتے ہیں تو اس میں ایک عالمگیر محبّت کا ولولہ پاتے ہیں، کیونکہ آپ کو فیضانِ فقر و تلمذ حضرت سراج الشعراء لسان الطریقت حضرت بیدم شاہ وارثی علیہ الرحمۃ سے حاصل ہے جن کا رنگِ تغزل آپ کے کلام میں ایک نمایاں جھلک رکھتا ہے جو فہم و ذکا حیرت شاہ صاحب کو عطا ہُوا ہے اس میں محبّت کا عنصر بکثرت معلوم ہوتا ہے، کیوں نہ ہو کہ جس مرشد دوراں یعنی حضرت سیّد وارث عالم پناہ نُور اللہ مرقدہ سے فیضانِ رُوحی کا حصُول ہے۔ ان کی ذاتِ ستودہ صفات سپہرِ ولایت پر بطنِ مادر میں ہی آفتابِ نصف النہار بن کر چمک رہی تھی اور عالمِ وجود میں پر تو فگن ہو کر مشرق سے مغرب تک درخشاں رہی اور تا قیامت رہے گی۔

حیرت شاہ وارثی صاحب معاصر خواجگان چشتیہ نظامیہ فخریہ میں سے فرید العصر میاں علی محمّد صاحب ہوشیار پوری کے غایت درجہ عقیدت مند تھے۔

مری جانِ پُرغم فدائے محمّدؐ — مری آنکھ محوِ لقائے محمّدؐ
زمیں آسماں ہیں برائے محمّدؐ — جو عرشِ معلّٰے ہے جائے محمّدؐ
مرا دل بھی ہے خاکِ پائے محمّدؐ

عجب شانِ قدرت عجب ہیں کرشمے — کوئی ان کو دیکھے تو کس طرح دیکھے
ہوئے جمع یکجا تھے دو نُور ایسے — نظر آئے اُن میں جو اپنے ہی جلوے
تو خالق کو بھائی ادائے محمّدؐ

دلِ بے نوا ہے جہانِ محبّت — ہے محبوب بھی کون؟ فخرِ رسالت
الٰہی بس اتنی رہے مجھ پر رحمت — وہ روئے منور ہو اور میری حیرت
رہوں تا قیامت فدائے محمّدؐ

---

## نعت شریف

بحمد اللہ کہ عالم میں وہ نور العالمیں آئے — ضیائے مرسلیں آئے بنائے صادقیں آئے

فروغِ نورِ حق محبوبِ ربّ العالمیں آئے
وہ نورِ اوّلیں کا آخری نورِ مبیں آئے

شہِ اُمّی لقب بن کے رسولِ فاضلیں آئے
وہ عَلّمناہ من الدّنّا کے عین الیقین آئے

جہانِ رنگ و بُو کی جاں رُوحِ العالمیں آئے
قیامت کی چمک لے کر جمالِ اجملیں آئے

منوّر ہیں زمین و آسماں جب عشقِ حضرت سے
بنی آدم تو کیا وہ تو شفیع العالمین آئے

جہاں عشقِ الٰہی دردِ اُمّت بن کے آیا ہو
وہ احسانات حق لے کر کریم الاکرمیں آئے

جہانِ علم و حکمت پہلے ہی بخشا زمانے کو
تو اپنے ساتھ لے کر وہ یہاں کیا کیا نہیں آئے

ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ سب اُنہیں کے ہیں
ازل کے روز ہی سے وہ ضیائے عارفیں آئے

علیؓ و فاطمہؓ حسنینؓ کی تطہیر کا صدقہ
عطا ہوتا ہے سب کو جو بھی دل سے بالیقیں آئے

---

جلوۂ حق ہے روئے محمدؐ
صلّی اللہ علیہ وسلّم

عرشِ معلّی کوئے محمدؐ
صلّی اللہ علیہ وسلّم

کعبۂ دل ہے کوئے محمدؐ
صلّی اللہ علیہ وسلّم

قبلۂ ایماں سوئے محمدؐ
صلّی اللہ علیہ وسلّم

خُلقِ معظّم خوئے محمدؐ
صلّی اللہ علیہ وسلّم

عطرِ معنبر بوئے محمدؐ
صلّی اللہ علیہ وسلم

دیکھو تو آ کر ملتا ہے کیا کیا
دُنیا و عقبیٰ والی و مولا

کچھ تو بڑھو تم سوئے محمدؐ
صلّی اللہ علیہ وسلّم

وارثِ حیرتؒ والیٔ حیرتؒ مرشدِ حیرتؒ ہادیٔ حیرتؒ
حیرت حیرتؔ روئے محمدؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم

---

# مولائے کائنات

علی المرتضیٰ مشکل کشائے دو جہاں ٹھہرے
وہ شاہِ لافتیٰ خلوت نشیں لامکاں ٹھہرے

وہ بابِ علم و زورِ دست و بازوئے محمدؐ تھے
وہ شاہِ ذوالفقار و پیشوائے انس و جاں ٹھہرے

اخوّت کے ولایت کے امامت کے خلافت کے
حقیقت میں اگر دیکھا تو وہ روحِ رواں ٹھہرے
شجاعت کے سخاوت کے مروت کے محبّت کے
وہ دم ٹھہرے وہ خم ٹھہرے وہ دل ٹھہرے وہ جاں ٹھہرے
وہ سب کی سُنتے آئے ہیں وہ سب کی سُنتے جائیں گے
ازل کے روز ہی سے وہ اُنیسِ بے کساں ٹھہرے
کچھ اپنے پیارے فرزندوں کے صدقے میں عطا کیجیے
ازل سے ہم گدا ہیں آپ شاہِ دوجہاں ٹھہرے
ہماری بے کسی کی لاج بھی اب آپ ہی کو ہے
مسیحا ہیں ہمارے آپؐ اور ہم ناتواں ٹھہرے
تیرے حیرتؔ کو جب کوئی ٹھکانا مل نہیں سکتا
کہاں جائے کہاں آئے کہاں بیٹھے کہاں ٹھہرے

---

وہ سب روشن ضمیری میں ہوئے یکتائے دو عالم
بلندی عرشِ اعلیٰ کی وہ لے کر بر زمیں آئے
اُنہیں کے اولیاء غوث و قطب ابدال ہو آئے
محلِ فقر و فخری قصرِ ربیؒ کے مکیں آئے
جسے دیکھا محبّت بخش دی تقدیر چمکا دی
وہ لے کر روئے زیبا جلوۂ عرشِ بریں آئے
برہنہ پائی، بے آلودگی نزہت یا بے نفسی
میرے وارث کے جلووں میں وہ خیر الوارثیں آئے
نگاہِ پُرضیا میں رنگِ اصفر جب ہوا مقبول
کمر میں ممصرہ باندھے وہ شیخ الاصفریں آئے
صحابی و محدث حضرت ابنِ عمرؓ خطاب
بیاں کرتے کہ رنگِ زرد پہنے شاہِ دیں آئے
مَیں اُن کے سوزِ فرقت میں ازل سے سوختہ آیا
میری تسکینِ روحی کو حیات العالمیں آئے
میرا دل آپ کے زیرِ قدم پامال ہو جائے
کہ ہو کے دائمی مسرور پھر قلبِ حزیں آئے
ہماری بے بسی و ناقص غلامی بھی رہے مقبول
فقیروں کی مدد کو آپؐ ہی تو بالیقیں آئے
تصدق آپؐ کے جملہ خلائق کی محبت ہو
مَیں دیکھوں آپ ہی کو سامنے جو بھی حسین آئے

مری حیرتؒ محبّت ہو محبت آپ کی حیرتؒ
یہی آئینہ داری آخرش روزِ یقیں آئے

---

## مابین جدّہ و مکّہ مکرّمہ

وہ ریت کے ٹیلے چمکیلے ایمان کے روشن جلوے ہیں
وہ ڈھیر ہیں جنسِ ایماں کے جو اُونچے اونچے تودے ہیں
ان خُشک پہاڑوں کے آگے سب دریا پانی بھرتے ہیں
پژمردہ دلوں کی کھیتی کو سرسبز وہ پتّھر کرتے ہیں

واں لا الٰہ الّا اللہ ہر ذرّہ ذرّہ کہتا ہے — خورشید بھی سچّی اُلفت سے آغوش میں اُن کو لیتا ہے
وہ ارضِ مقدس ملکِ عرب در عین حقیقت جلوہ رب — قربان ہیں اس پر ساتوں فلک وہ فرش زمین پہ عرش لقب
واں دونوں جہاں کی رحمت والے آخری جلوے پنہاں ہیں — اس بنجر ویراں خطّے پر سب باغ جہاں کے قرباں ہیں

وہ آنکھ کہاں وہ قلب کہاں حیرتؔ کی زباں سے کیا ہو بیاں
بس دیکھ لو جا کے کیا ہے وہاں اک ذرہ ہے سو جلوے ہیں عیاں

---

میرے آقا میرے مرشد بیدمؒ عالی جناب — در حقیقت آسمانِ وارثی کے آفتاب
راز ہائے کن فکاں تھے آپ پر روشن تمام — جلوۂ حق آپ کی حق بیں نظر میں بے نقاب
کھولتا تھا باتوں باتوں ہی میں اسرار و رموز — آپ کا طرزِ تکلّم آپ کا طرزِ خطاب
دم زدن میں ہائے وہ محفل کی محفل لٹ گئی — آسماں تاریک ہے جب ہو نہ روشن آفتاب

وارثِ مشکل کشا کے لاڈلے بہرِ رسولؐ
اپنے حیرتؔ پر نظر ہو پھر وہی حیرت مآب

---

# شانِ وارث

وارث پہ ہوئے جاتے ہیں قربان ہزاروں — اور زندہ ہوئے جاتے ہیں بے جان ہزاروں
سجدے جو وہاں کرتے ہیں انسان ہزاروں — گمراہ وہاں پاتے ہیں ایمان ہزاروں
اے شمع ازل آپ کے انوار پہ مٹ کر — پروانے وہاں چڑھتے ہیں پروان ہزاروں
کھو بیٹھے وہاں عقل و خرد سینکڑوں دانا — اور پا گئے سب کچھ وہاں نادان ہزاروں

حیرتؔ ہی اکیلا نہیں کچھ آپ کا حیراں
حیرتؔ سے وہاں پھرتے ہیں حیران ہزاروں

---

# سرکارِ غریب نوازؒ

انوارِ حق عیاں ہیں خواجہ کے آستاں سے
اس بے نشاں کو پایا مَیں نے اسی نشاں میں

روشن ہے کل زمانہ جس حُسنِ ضوفشاں سے
حُسنِ معینِ دیں ہے چمکا جو لامکاں سے

خواجہ کی برکتوں سے خواجہ کی رحمتوں سے
اجمیر کی وہ گلیاں ملتی ہیں آسماں سے

جود و عطا و بخشش فیضان کے کرم کے
چشمے اُبل رہے ہیں خواجہؒ کے آستاں سے

بے بس ہوں ناتواں ہوں برباد دو جہاں ہوں
آخر کہاں مَیں جاؤں اب تیرے آستاں سے

محتاج و بے نوا کی اب لاج ہے تجھی کو
سب کچھ اٹھوں گا لے کر تیرے ہی آستاں سے

تیری تجلیّوں میں گُم ہو چکا ہے حیرتؔ
پائے نشاں اپنا حیرت زدہ کہاں سے

---

# بہارِ تغزّل

نکلے جو دم کسی کا تیرے انتظار میں
کیا خاک چین پائے وہ کنجِ مزار میں

او مستِ ناز اُف تیری محشر خرامیاں
اک حشر سا بپا ہے دلِ بے قرار میں

کہنا نہ پھر کہیں ہمیں بدنام کر دیا
دیکھو کہ دل نہیں ہے مرے اختیار میں

اب کیا کہیں کہ کیسے ملا آستانِ یار
سجدے قدم قدم پہ کیے راہگذار میں

اس عندلیبِ سوختہ ساماں کی کچھ نہ پُوچھ
جس کا اُجڑ گیا ہو نشیمن بہار میں

اس برق وش کے حُسن کی اللہ رے تپش
اک آگ سی لگی ہے دلِ داغدار میں

قسمت کی نارسائیاں بعدِ فنا رہیں
مر کے بھی دفن ہو نہ سکا کوئے یار میں

کیا پُوچھتے ہو دل کا پتہ دل کا کیا پتہ
مُدّت ہوئی کہ مل گیا گرد و غبار میں

خورشیدِ حشر اپنی دکھاتا ہے تابشیں
مَیں سو رہا ہوں گوشۂ دامانِ یار میں

حیرتؔ کہ تجھ کو حیرتِ دیدار ہو نصیب
آ دیکھ لے تو شانِ خدا حُسنِ یار میں

جلوہ آرا کون بے پردہ یہ پردہ پوش ہے
ذرہ ذرہ بزمِ ہستی کا جو اب مدہوش ہے

آپ کی تصویر ہر دم دل سے ہم آغوش ہے
یعنی وہ بے ہوش ہوں قربان جس پہ ہوش ہے

رحمتوں والے سے ٹکر ہے گنہگاروں کی آج
ہم ادھر خاموش ہیں اور وہ ادھر پُر جوش ہے

بے خبر ہونے پہ بھی ہے سارے عالم کی خبر
ایسی بے ہوشی میں مستانوں کو ایسا ہوش ہے

ہم بلا نوشوں کی ہمّت کو تو اے ساقی نہ پوچھ
دونوں عالم سر پہ رکھ لے جائیں اتنا جوش ہے

تہ کو ان گہرائیوں کی پائے کیا غوّاصِ عقل
رود بارِ عشق کا ہر قطرہ قلزم نوش ہے

جانے والے پھر انہیں مستی بھری آنکھوں سے دیکھ
لوگ کہتے ہیں ترے بیمار کو پھر ہوش ہے

اللہ اللہ اِک زمانہ ہے خرابِ آرزو
اس نگاہِ مست پر صدقے متاعِ ہوش ہے

واہ کیا حیرت فضا منظر ہے دل کی بزم کا
جلوۂ حیراں سے اب حیرت جو ہم آغوش ہے

حُسن والوں میں بھی اب تو ہو رہے ہیں تذکرے
سُن رہے ہیں آج کل حیرتؔ کفن بر دوش ہے

---

دل میں جو رہتے تھے اُمّید کی دُنیا ہو کر
وہ چلے جاتے ہیں کیوں داغِ تمنّا ہو کر

میرا گھر گھر نہیں تم بن یہ سیہ خانہ ہے
اب سیہ خانے میں آ جاؤ اُجالا ہو کر

خود بتا دیجیے یہ دن کس کے سہارے پہ کٹیں
آپ جب چھوڑ گئے دل کا سہارا ہو کر

کشتیٔ عمر مری غم کے ہے طوفاں میں گھری
کھینچ لو اب اسے دریا کا کنارا ہو کر

ہوش اڑے جاتے ہیں فرقت میں برنگ حیرتؔ
دل کو آئینہ بنا برقِ تجلّا ہو کر

---

## شامِ زندگی

پاؤں نہ دُور دُور بھی اپنی خبر کو میں
پھر ڈھونڈتا ہوں آپ کی پہلی نظر کو میں

اِک اِک نگہ میں سینکڑوں تیروں کے وار ہیں
رکھوں کہاں سنبھال کے قلب و جگر کو میں

ایسے گئے کہ زندگی کی شام ہو گئی
لاؤں کہاں سے ڈھونڈ کے گزری سحر کو میں

مُدّت میں جلوہ گر ہوئے بالائے بام وہ
اس چاند کو میں دیکھوں کہ دیکھوں قمر کو مَیں
حیرتؔ نگاہِ یار نے نہ جانے کیا کیا
حیراں ہوں اب کہاں رہوں جاؤں کدھر کو مَیں

---

## رازِ حیات

تیرے درد کی کہانی مرا رازِ زندگانی
ترے حُسن کا فسانہ ہے مرا غم نہانی
مرا راز ہے اگر تُو، تو مَیں ہوں تیری نشانی
نہ تری حیات فانی نہ مری حیات فانی
کروں دید کی طلب کیوں، سنوں کیوں مَیں لن ترانی
ہے ابھی مری نظر میں وہ ادائے مَن رآنی
مَیں تجھے ازل میں کھو کر رہا عمر بھر تڑپتا
اسی جستجو میں آخر بجھی شمع زندگانی
مری تیرہ بختیوں کی نہ مٹی کبھی سیاہی
رہی عمر بھر فروزاں میری شمع زندگانی

وہی بیقراریاں ہیں، وہی اضطراب اس کا
بجز اس کے کیا ہے حیرتؔ دلِ زار کی کہانی

---

## تلاش

بس میں ترے زمیں ہے قبضے میں آسماں ہے
اے دو جہاں کے مالک میرا نشاں کہاں ہے
سینے میں بن کے حسرت اک تیر بے کماں ہے
جب تک رہے یہ دل میں انساں نیم جاں ہے
فصلِ بہار میں تو قیدِ قفس میں گزری
چھوٹے جو اب قفس سے تو موسمِ خزاں ہے
ہر ذرہ اس کی منزل صحرا ہو یا ہو گلشن
کیوں بے نشاں رہے وہ تیرا جو بے نشاں ہے

---

# شاہد میاں وارثی

السّلام اے عکسِ حُسن مصطفٰے
السّلام اے سایہ ذاتِ خدا !
السّلام اے رہبروں کے رہنما
السّلام اے مرشدوں کے پیشوا
السّلام اے سرورِ انس و ملک
السّلام اے مالکِ ارض و فلک
السّلام اے معدنِ جود و کرم
السّلام اے مظہرِ فیض اتم
السّلام اے رنگِ باغ دو جہاں
السّلام اے نور بہار بوستاں
السّلام اے نائب خیرالانام
السّلام اے سبطِ احمد السّلام
السّلام اے وارث عالی مقام
کیجیے قبول شاہد کا سلام

---

# خواجہ اکبر وارثی

پلا دے ساغرِ عرفاں پلا دے
بنا دے آج متوالا بنا دے
جمالِ عارضِ تاباں دکھا دے
مریضِ غم کو قرآں کی ہوا دے
مرے دل میں جگہ کر لے خدا را
مری اُجڑی ہوئی بستی بسا دے
کھڑا ہوں دیر سے پھیلائے دامن
ادھر دستِ کرم مولا بڑھا دے
پڑا ہے کشتۂ اندوہ حسرت
صدا اک قم باِذنی کی سُنا دے
لکھی کیا نعت ہے اللہ اکبر
خدا پاک محشر میں جزا دے

---

ادھر بھی اک نظر او شاہزادے
تجھے اللہ دونا چوگنا دے
مرے کھوئے ہوئے دل کا پتہ دے
تو مٹھی کھول دے زلفیں ہلا دے
ترے گالوں سے پھر یہ رنگ لایا
طمانچہ پھول کے منہ پر لگا دے

مزا آئے اگر واعظ کے منہ میں — کوئی مے خوار تھوڑی سی چُوا دے
یہ بڑھ کر دختِ رزِ زاہد سے بولی — جو توبہ توڑ دوں تیری تو کیا دے
وہ کم سن شوخ ہے یارب مجھے بھی — طبیعت شوخ دے دل چلبلا دے
مزے آئے یہ بوسوں کے شبِ وصل — کہا اُس نے کہ لے۔ مَیں نے کہا دے
بتوں کے ظلم کا شکوہ ہے بے سُود — کہ اُن کی ایک چُپ سو کو ہرا دے
کہاں تھا رات کس کے پاس تھا رات
ذرا اکبر سے آنکھیں تو ملا دے (علمی مجلس حصّہ پنجم)

بشر نور ربّ العلا بن کے آیا — نئے رنگ سے جا بجا بن کے آیا
کہیں لالہ و گل کہیں چاند سُورج — تجلّائے ارض و سما بن کے آیا
کہیں انبیاء بن کے شاخیں دکھائیں — کہیں صُورتِ اولیا بن کے آیا
کبھی شکل موسیٰ کہیں شکل عیسیٰ — کبھی یوسفِ مہ لقا بن کے آیا
کبھی بن کے مجنوں پھرا کوہ و صحرا — کبھی لیلیٰ دلربا بن کے آیا
ہے بننے بگڑنے میں کیا کیا بناوٹ — جو بگڑا نئی شان کا بن کے آیا
بڑے کھیل کھیلے بہت رُوپ بدلے — زمانہ میں بہروپیا بن کے آیا
قل الرّوح من امر ربّی کے نغمے — سُناتا ہوا مقتدا بن کے آیا
اگر لہر آئی بنا شکل گوہر — جو موج آ گئی بُلبلا بن کے آیا
کیا بُلبُلوں کو اسیرِ محبّت — چمن میں گلِ خوشنوا بن کے آیا
بہت گُل کھلے ہیں مگر اس چمن میں — بہار آئی جب مصطفےٰ بن کے آیا
بنے اولیاء انبیاء سب براتی — جو دولہا حبیبِ خدا بن کے آیا
محبّت کی میراث اکبر کو بخشی
جو تو وارثِ حق نما بن کے آیا

---

# ڈاکٹر سلیم وارثی

ڈاکٹر سید سلیم وارثی صاحب ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں آپ نے ہندوستان چھوڑا۔ حدیث و قرآن اور فقہ کی تعلیم مکہ معظمہ میں حاصل کی۔ بعد میں مصر میں تشریف لے گئے۔ سات سال تک مصر میں کالج میں تعلیم حاصل کرتے رہے اور تعلیم علوم قدیم و جدید کے متعلق حاصل کی۔ بعد میں چھ سال قسطنطنیہ میں رہ کر فرانسیسی زبان پر عبور حاصل کیا۔ ایک سال فرانس میں رہ کر ٹرکش کونسل میں ملازمت حاصل کر لی۔ آپ نے سات زبانوں میں ایم اے پاس کیا۔ ۱۹۱۳ء میں پنشن لے کر ہندوستان آ گئے اور لاہور میں آ کر جریدہ مخزن کی ایڈیٹری کا آغاز کیا۔ ترکش فوج میں رہ کر یورپ کے اکثر ممالک کے سیاح رہے۔ علاوہ فن طب کے اُن کو نامہ نگاری کا بھی شوق تھا۔ ۱۶ اگست ۱۹۱۴ء کو پارٹی سے مستعفی ہو گئے اور راجپوتانہ (یوپی) چلے گئے۔ آپ اپنی زندگی کو گمنامی میں گزارنا چاہتے تھے۔ اور ویسے بھی سلسلہ عالیہ وارثیہ میں سرکار پاک وارث عالم پناہؒ کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے اور اپنی نجی زندگی کو کسرِ نفسی میں بسر کرنا چاہتے تھے حضرت وارث پاک کی محبت نے آپ کو شاعر بنا دیا تھا۔ آپ کا کلام مُلک کے بہترین اور معیاری رسالوں میں چھپتا تھا۔

نمونۂ کلام ملاحظہ فرمایئے:

اے دوست دوائے دردسازی — ہجراں بہ سپردۂ نوازی
تاریکیٔ ہجر را چہ سامان — اوازہ وصل ترک تازی
صحرائے غمت نورد مابود — لخت خُونی و عشق بازی
یعنی کہ حریم کعبہ دل — چوں بتکدہ ایست بے نیازی
تارِ رم آہوان صحرا — لیکن بار کشیدہ و بازی
طوفانِ سرم بسوخت سامان — زیں گریۂ غم بلائے آذی
خونی جگرم بہ عید رمضان — ما مہر کشم و بے نیازی
زینگو نہ کہ ہجر یار دارم — جان و دل را نثار دارم — (مخزن اگست ۱۹۱۳ء)

جھڑی اچھی ہے موسم ہے مہینہ بھی ہے ساون کا — تبسم ہی میں فرمادیں ارادہ کب ہے گردن کا
اُبھار اُٹھتا چلا آتا ہے ظالم تیرے جوبن کا — بس اب اللہ ہی حافظ ہے اس بے ساختہ پن کا
شعاع دل تپیدن آئینہ ہے میرے مدفن کا — فغاں برق دامانی ہے جو دانہ ہے خرمن کا

جہاں وہ ترک نکلا لاگ بھڑکاتی ہے فتنہ کو
پتا دیتے ہیں سب انگلی اُٹھا کر میرے مدفن کا

وبال دوستی ہے سرِ تیغ قاتل فیصلہ کر دے
تھکا جاتا ہوں اُترے یا الٰہی بوجھ گردن کا

ہزاروں بجلیاں گرتی ہیں آ کر نخلِ ماتم پر
گماں ہوتا ہے ہر ہر شاخ پر میرے نشیمن کا

نہیں ہے نام لیلیٰ سرفروش ہستی مجنوں
بس اب نام خدا شہرہ ہے گھر گھر آن کے جوبن کا

کڑی منزل ہے خستہ تن ہوں اور بارِ گراں سر پہ
ادھر ہے نیند آنکھوں میں اُدھر ہے خوف رہزن کا

خط آیا زعفران کا کھیت اُگتا آتا ہے شاید
جوانی میں لٹا دیا کس ظالم نے لڑکپن کا

حریمِ کعبہ ٹھہرایا اسے باد بہاری نے
صبا بھی طواف کر جاتی ہے آ کر میرے مدفن کا

بتوں کو کعبہ میں بٹھا دوں دونوں کی پرستش ہو
کہو میں صاف کر دوں فیصلہ شیخ و برہمن کا

نہ ہو طعنۂ خلائق یہ نمود بے سبب میری
نشاں بھی نیست کر دے بے ثباتی میرے مدفن کا

بہت خوف ورجا درکار ہے سرمستان ساری
سلیم اب بھول جاؤ وہ زمانہ تھا لڑکپن کا

---

خلق رسوا نہ کرے محو تماشا ہو کر
سب میں شامل نظر آتے ہو منزا ہو کر

ترک فتنہ ہے سہی شوخ چھلاوہ ہے سہی
اد سبک خیز اُدھر کو بھی چلا جا ہو کر

لے گیا لے گیا دل ترک ستمگر اپنا
رہ گئے رہ گئے ہم محو تماشا ہو کر

ٹل گئی آئی ہوئی رُک گئی ہونے والی
رہ گیا زلفوں کا گیسو سے اشارا ہو کر

سر میں سودا تھے سویرا تھے میری آنکھوں میں
دل میں آئے تو بھرے گھر کی تمنا ہو کر

بل نہ دو گیسوؤں کو دل میں گرہ پڑتی ہے
سر چڑھے پر تو یہ ٹھہرے گا اجارہ ہو کر

دل غم دیدہ کو لازم ہے صفائی میں رہے
آئینہ رنگ بھرے خوب مجلّا ہو کر

چلیے مسجد کو ذرا شیخ جی آہستہ قدم
میکدہ چار قدم ہے ابھی آیا ہو کر

زلفیں ڈالے ہوئے نکلا ہے بسہرے کی طرح
آج وہ طفلِ برہمن یدِ بیضا ہو کر

سنگ درِ یار کا ہے ٹیک دلِ محزوں کی
رہے ٹیکا ہی سر سے نقشِ جبیں ہو کر

رُوح نے چین نہ پایا کبھی آزادی میں
دل گرویدہ رہا ایک حسیں کا ہو کر

سہمے جاتے ہو سمٹتے ہو لجالو کی طرح
بگڑے جاتے ہو بُرے وقت کا نقشہ ہو کر

آنکھ یہ شوخ یہ چتون غضب آلود نگاہ
تُو تو ظالم نہ رہا ہو گا کسی کا ہو کر

صاف کر دیتی ہے ہنگامۂ حسرت کو سلیم
دل میں نوکِ مژۂ یار طپنچہ ہو کر

(مخزن۔ نومبر ۱۹۱۳ء)

---

جس کی محفل میں بیٹھے فتنہ زا کرنے لگے
جو کوئی دل ہات آیا اس میں جا کر رہنے لگے

دل جُدا کرنے لگے سینہ جدا کرنے لگے
ہستی موہوم کی ہستی فنا کرنے لگے

پھر چڑھی تیوری کسی کی پھر ستم ہونے لگا
پھر وفا کا ترک ٹھہرا پھر جفا کرنے لگے

لوگ پاتے ہیں سراغ کوچۂ جاناں کی راہ
مجھ کو رسوا ہائے مرے نقشِ پا کرنے لگے

بسترِ راحت بنا فرشِ زمیں کوئے یار
ہم تیرے نقشِ قدم کا بوریا کرنے لگے

اللہ اللہ نازو انداز وہ کبر و غرور
دیکھنے والے بھی ذکرِ کبریا کرنے لگے

پھر ہوائے شوق سے سرمست ہے صحنِ دماغ
پھر اسی بے چین دل کا حوصلہ کرنے لگے

چھیڑ دے زلفوں کو کوئی چھُو دے گیسو کو کوئی
دیکھیے پھر کیا سے کیا وہ فتنہ زا کرنے لگے

یا الٰہی ہو کسی ظالم کا دل عاشق کا دل
یا الٰہی کوئی ہم سے التجا کرنے لگے

پھر تیرے گیسو لٹک آئیں کہیں بے ساختہ
پھر تری زلفِ دوتا بڑھ کر خطا کرنے لگے

شورشِ ہنگامہ سے مجروحِ بے ہنگامہ ہوں
حضرتِ دل یہ میرے پہلو میں کیا کرنے لگے

دل شکستہ ہو کے پائی مسندِ شاہی سلیم
کعبۂ مسمار کو وقفِ رضا کرنے لگے

---

موجوں کا یہ ستم بھی حبابوں پہ کم نہیں
ان کو ہلاک کرتی ہے یہ جن میں دم نہیں

رتبہ میں مرے دل سے زیادہ حرم نہیں
کعبہ یہ وہ ہے جس میں مقامِ صنم نہیں

کچھ شیخ سے غرض نہ برہمن سے کام ہے
ہم بادہ خوار ساکنِ دیر و حرم نہیں

فرہاد کی طرح مَیں کروں کیوں نہ سر فگار
کیا مرے پاس تیشۂ فولادِ غم نہیں

تلچھٹ ہی دے جو مے نہیں دیتا ہے ساقیا
مجھ تشنہ لب پہ کیا ترا دستِ کرم نہیں

ساقی ملے گا خاک ہمیں مے کشی میں لُطف
چھایا ہوا جو باغ پہ ابرِ کرم نہیں

دل لے کے میرا کیجیے پامال شوق سے
آزردہ مَیں حضور کے سر کی قسم نہیں

صیاد کے وہ گھر میں یہ گل چیں کی گود میں
کیا تفرِقہ پڑا گُل و بُلبُل بہم نہیں

وعدہ کیا ہے اُس نے سلیم آئے گا ضرور
کچھ اس سے ہم کو حاجت قول و قسم نہیں

(اُردوئے معلی ۵، فروری ۱۹۲۶ء)

---

# عرش وارثی

آپ کے والد ماجد کا نام منشی میر بندہ علی جن کا شمار امرائے صوبہ بہار میں تھا۔ وکالت کی سند حاصل کر لی تو ضلع پٹنہ کی سکونت ترک کر کے گیا چلے آئے اور یہیں مستقل طور پر سکونت محلہ پُرانا گدام میں اختیار کر لی یہاں سید ضمیر الدین احمد عرش ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنے والدین کے سب سے چھوٹے فرزند تھے اور باوجودیکہ آپ کے دو بڑے بھائی سید امیر الدین احمد اور سید نصیر الدین احمد بھی موجود تھے مگر آپ کے والد آپ کو اپنی تمام اولاد میں زیادہ محبت و اُلفت کی نظر سے دیکھتے تھے اور شفقت کی بنا پر مولوی صاحب کے لقب سے یاد فرماتے تھے۔ باپ کی تمنّا تھی کہ اس چھوٹے فرزند کی تعلیم و تربیت نہایت اعلیٰ پیمانہ پر کی جائے، اس لیے مولوی عبدالکریم مرحوم تھالپوشی گیاوی جو ایک زبردست عالم تھے مستقل طور پر آپ کی تعلیم و تربیّت کے لیے ملازم رکھے گئے جن سے آپ نے فارسی و عربی کی بعض درسی کتابیں پڑھیں۔ نیز محمّد اسحاق مولانا صاحب بدو سرائے گیاوی سے خط نسخ و نستعلیق کی اصلاح لی اور انگریزی تعلیم کے لیے گیا کے گورنمنٹ اسکول میں داخل کیے گئے، مگر حوصلہ مند باپ کا آپ کی صغیر سنی ہی میں انتقال ہو گیا۔ چنانچہ اس بے وقت حادثہ نے آپ کو فارغ التحصیل ہونے کا موقع ہی نہ دیا۔ باپ کے مرتے ہی خاندانی نفاق نے جائداد کا خاتمہ کر دیا۔ تیرہ چودہ سال کی عمر میں اپنے پھوپھی زاد بھائی مولوی توحید مرحوم کے پاس بنارس پہنچے اور تعلیم مکمّل کی اور سات سال تک بنارس میں محکمہ رجسٹری میں ملازمت کرتے رہے۔ آپ کی موزونیت طبع جو ابتدا سے اپنی جھلک دکھلایا کرتی تھی یہاں آ کر رنگ لائی اور ایک صاحب کی وساطت سے مولانا عبدالاحد صاحب شمشاد فرنگی محلی لکھنوی یادگار ناسخ کے پاس دو غزلیں برائے اصلاح بھیجیں جن کے مطلعے مندرجہ ذیل تھے۔ ؎

ناتواں ہوں اس قدر رنج فراق یار میں　　دب کے رہ جاتا ہوں اکثر سایۂ دیوار میں

---

جگرمیں داغ پڑ لیتا ہے تب آنسو نکلتے ہیں　　شجر کا قاعدہ ہے پھولنے کے بعد پھلتے ہیں

---

حضرت شمشاد کے فیضانِ علم نے کچھ ہی دنوں میں آپ کو کامل الفن بنا دیا، مگر جب آپ کا تبادلہ تحصیل کھنڈا ضلع مرزاپور میں ہو گیا۔ یہاں پر چند قدیم دلّی کے شعراء کی یادگار تھے۔ یہاں پر آپ میر مہدی مجروح شاگرد غالب سے رجوع سخن کرنے لگے، مگر مجروح صاحب نابینا ہو چکے تھے، لہٰذا آخر مجبور ہو کر منشی امیر اللہ تسلیم لکھنوی (تلمیذ نوّاب اصغر علی خاں نسیم دہلوی یادگار مومن کی طرف رُخ کیا اور علاوہ حضرت شمشاد کے حضرت تسلیم کے پاس بھی اصلاح کے لیے غزلیں بھیجتے رہے؛ چنانچہ اپنی پہلی غزل جو آپ نے حضرت تسلیم کے پاس بھی اصلاح کے لیے بھیجی تھی۔ اس کا مطلع یہ ہے ؎

صبا بھی تھک گئی سو بار محوِ جستجو ہو کر　　چمن میں رنگ ہو کر ہے نہ تو گل میں ہے بُو ہو کر

جب آپ کی شادی فراش خانہ دہلی میں ہو گئی۔ آپ کی آمد و رفت ہونے لگی تو یکسُو ہو کر حضرت تسلیم کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہو گئے۔ دہلی کے اساتذہ شعراء کی وجہ سے آپ کی انداز شاعری میں کافی جلا ہوتی رہی یہاں تک کہ آپ کی مشق سُخن جاری رہی کہ آپ کا شمار صوبہ بہار کے مشہور و کُہنہ مشق شعراء میں ہونے لگا اور آپ کی بدولت گیا کے لوگوں میں شعر و سُخن کا خاصا مذاق پیدا ہو گیا۔ ہندوستان کے مختلف مقامات میں بھی آپ کے شاگردوں کی کافی تعداد موجود ہے، جس میں اکثر شعر و شاعری میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کے کلام میں بلندی تخیل، تشبیہات جدید، استعاراتِ لطیف، چُست بندش، حشو و زوائد کا نام نہیں اور درد و اثر جو شعر کی جان ہیں کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں۔ آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کر کے زبان اور قوم کی جو خدمت کی ہے وہ یقیناً ہندوستان کی ادبی تاریخ میں آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) فکرِ عرش (۲) کلیات عرش (۳) گیسۂ جواہر (۴) ثمر نافرمانی (۵) حیاتِ تسلیم (منشی امیر اللہ تسلیم لکھنوی کی سوانح حیات) (۶) حیاتِ جاودانی (یہ تذکرہ حیات تسلیم میں بہت کچھ ترمیم و اضافہ کے ساتھ حیاتِ جاودانی کے نام سے دوبارہ مرتب کیا جس کو آپ کے اُستاد بھائی مولانا حسرت موہانی نے اپنے اہتمام سے علی گڑھ میں چھپوایا) (۷) بارگاہ سلطانی (دہلی اور آگرہ کے آثار قدیمہ) (۸) رسالہ عروض و قوافی (۹) عرش اللغات (۱۰) حیاتِ مومن۔

ایک دفعہ میجر جنرل ریاست رام پور کے دولت کدہ پر ایک زبردست مشاعرہ منعقد ہوا جس میں نامور شعراء علماء

فضلا معززاراکین ریاست اور مدیرانِ اخبار ورسائل سبھی موجود تھے۔حضرت تسلیم کے شاگردوں میں عرش صاحب کو دستار جانشینی کے لیے منتخب کیا گیا۔جب دستار جانشینی آپ کے سامنے لائی گئی تو آپ نے نہایت مؤدب و مہذب طریقے پر یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ" ان باتوں سے نفس میں رعونت اور بھائیوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔میں جانشینی کا قائل نہیں ہوں حصولِ کمال چاہیے جس کا فیصلہ وقت اور مُلک خود کرلے گا۔"

آپ کی طبیعت نہایت غیور، دیر آشنا اور فقیر منش واقع ہوئی تھی۔جھوٹی خوشامد اور جاہ پرستی سے آپ کو خلقی نفرت تھی۔آپ کا مسلک درویشانہ و فقیرانہ تھا۔ ؎

جامہ ملا جو فقیر کا اے عرش فخر کر
سادے لباس سے ترا بڑھ کر لباس ہے

آپ وضع داری میں اجمیر شریف اور پیرانِ کلیر شریف کے مزاروں پر تنہا راتیں گزارا کرتے تھے۔چنانچہ آپ کی ریلوے کی ملازمت سے وابستگی کا یہی راز تھا کہ ہر سال پروانۂ راہداری آپ کو ملا کرتا تھا اور اس ذریعہ سے آپ اولیائے عظام و صوفیائے کرام کے مزارات پر برابر حاضری دیتے رہے۔آپ نے چھ شادیاں کیں جن سے اولادِ نرینہ بھی ہوئی۔ آپ نے اوّل اوّل سلسلہ عالیہ قادریہ سے تعلق و وابستگی رکھی،لیکن بعد کو شوقِ سماع نے خاندان وارثیہ کا توسل حاصل کرنے کا خیال پیدا کر دیا اور تب آپ نے حضرت حفیظ شاہ رحمانی وارثی کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ سلسلہ وارثیہ عالیہ کی اس نسبت نے مجالسِ سماع کا ذوق بے حد بڑھا دیا۔مستقل طور پر قوال نوکر رکھے گئے اور فرصت کے اوقات کے علاوہ بیشتر شب باشیاں اسی جوش و سُرود میں بسر ہونے لگیں، مگر کچھ دنوں کے بعد قبلہ حفیظ شاہ رحمانی وارثی کی رُوحانی تعلیم نے آپ پر وہ اثر ڈالا کہ آپ ریلوے کی ملازمت سے علٰحدہ ہو کر اپنی زندگی کا بقیہ حصّہ زیادہ تر یادِ الٰہی، ورد وظائف اور مشائخ کی صحبتوں میں گزارا کرتے یہاں تک کہ کثرتِ ریاضت کے باعث دورۂ قلب و ضعف دماغ کی شکایت پیدا ہو گئی، مگر اس پر بھی مشاغل میں فرق نہ آیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحّت دن بدن خراب ہوتی گئی۔ اسی دوران اُن کے دل میں مزارِ مومن تعمیر کرنے کا خیال آیا۔دوسری آرزو یہ تھی کہ علامّہ شمشاد لکھنوی مرحوم کے مکمّل سوانحِ حیات کتابی صُورت میں قلم بند کر کے تشنگانِ علم و ادب کو علامّہ ممدوح کے علم و فضل اور شاعرانہ کمالات سے روشناس کرایا جائے اور جس کے لیے آپ بہت کچھ مسالہ فراہم کر چکے تھے، لیکن ؎

ابھی جامِ عمر بھرا نہ تھا کفِ دست ساقی چھلک پڑا
رہی دل کی دل ہی میں حسرتیں کہ نشاں قضا نے مٹا دیا

چنانچہ ۱۳ جولائی ۱۹۳۶ء بروز دوشنبہ نو بجے دن کو دفعتاً حرکتِ قلب بند ہوجانے کے باعث آپ عالم بقا کو سدھارے۔
آپ حکومتِ بہار میں بوجہ اعزاز و علمی قابلیت متوسلین میں شمار ہوتا تھا جو اطراف بغداد سے اوّل اوّل بزمانہ شہاب الدین سہروردی دہلی آیا اور پھر تغیرّ زمانہ نے اس کو حضرت مخدوم الملک شاہ شرف الدین بہاری کے عہد میں صوبہ بہار میں پہنچا دیا اور آپ کے بزرگوں نے مضافات بہار شریف کے موضع شکرانواں ضلع پٹنہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔
آپ کا جدی شجرہ نسب حضرت امام جعفر صادقؓ سے ملتا ہے اور ماں کی جانب سے آپ کا سلسلۂ نسب سیّد الساجدین امام زین العابدین علی بن الحسین سے وابستہ تھے۔ آپ کے نانا میر ولایت حسین مرحوم ساکن فیروزی ضلع گیا سادات نجیب الطرفین تھے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ فرمایئے:۔

تیرے فراق میں یُوں دل کا داغ جلتا ہے ۔۔۔ کہ جیسے طاق میں شب کو چراغ جلتا ہے
جگر کی آگ سے دل اور دماغ جلتا ہے ۔۔۔ چراغ ہی سے ہمیشہ چراغ جلتا ہے

---

تیرے غم میں عمر ساری میری جان تمام کردی ۔۔۔ ہوئی صُبح جس جگہ پر وہیں رو کے شام کردی

---

حجاب کس کا ہے آخر دُلہن بنائے ہوئے ۔۔۔ ہے بُو جو غنچوں کی گھونگھٹ میں مُنہ چھپائے ہوئے
کرو نہ جوہر ذاتی کو عرشؔ ظاہر تم ۔۔۔ زمین اپنے خزانوں کو ہے چھپائے ہوئے
وہ لوگ منزل پیری میں ہیں جو آئے ہوئے ۔۔۔ خیال قبر میں بیٹھے ہیں سر جُھکائے ہوئے
جناب عرشؔ کو کس مست ناز کا ہے خیال ۔۔۔ کہ آج جُھوم رہے ہیں وہ سر جُھکائے ہوئے
فراق میں ہیں ہم انداز دل کا پائے ہوئے ۔۔۔ یہ وہ چراغ ہے جلتا ہے بے جلائے ہوئے
اگر ہو سوز تو اے عرشؔ دل کو روشن کر ۔۔۔ چراغ جل نہیں سکتا ہے بے جلائے ہوئے

---

# مولانا نثار اکبرآبادی

حضرت مولوی سیّد نثار علی خلف مولوی میر مشتاق علی سلسلۂ نسب امام زین العابدینؓ تک منتہی ہوتا ہے اصل وطن نیوتنی تھا۔ وہاں کے اعیان سے تھے۔ حکمائے موہان سے قرابت قریبہ تھی۔ شرافت و نجابت میں یہ گھرانہ نیوتنی میں امتیاز

رکھتا تھا۔ جناب نثارؔ کے جد سید سعادت علی بسلسلہ کوتوال آگرہ آئے۔ یہ جگہ کچھ ایسی بھائی کہ یہیں کے ہو رہے۔ میر مشتاق علی آگرہ ہی میں پیدا ہوئے۔ بعد تحصیل علم وکالت کا امتحان دیا بعد کامیابی شغل وکالت رہا۔

صدر نظامت کے وکلا میں نام آور تھے۔ مفتی انعام اللہ الشہابی خان بہادر سے بے حد راہ و رسم تھی۔ اس وقت آگرہ میں مفتی صاحب کے مکان واقع نیل کھاتہ میں ایک مجلس اہلِ علم قائم تھی جس میں مولوی محمد قاسم داناپوری، مولانا غلام امام شہیدؔ، خواجہ منشی غلام غوث خان بہادر، ذوالقدر بے خبرؔ، مولوی محمد شفیع وکیل، مولوی قمر الدین خاں قمرؔ مدیر اسعد الاخبار، منشی نبی بخش حقیرؔ، بابو بھینی پرشاد وکیل، مولوی طفیل احمد خیر آبادی، مفتی محمد حسن حسنؔ گوپاموی، مفتی نور اللہ آباد و مولوی کریم الدین وغیرہ جیسے لوگ شریک تھے۔ میر صاحب پرانی وضع کے بزرگ تھے، علمی دلچسپی تھی۔ شریف گھرانہ میں شادی کی، ان میں حضرت نثارؔ پیدا ہوئے۔ غدر کے بعد وکیل صاحب کا انتقال ہوا۔

## تعلیم !

جناب نثارؔ نے ماں باپ کے زیرِ سایہ نشو و نما پائی۔ ابتدائی علوم درسیہ کچھ باپ سے حاصل کیے۔ بقیہ علوم کی تعلیم علمائے عصر سے کی، فارسی عربی کی استعداد معقول تھی۔ مطالعہ کتب رفیقِ طبیعت تھا۔ ہندی بھی خوب جانتے تھے۔

## شغل !

اولاً باپ کے اثاثہ سے گزران کی۔ پھر درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ یہ پیشۂ معلمی تا بہ مرگ رہا۔ مکتب داری کی یا نہ کی ٹیوشن کرتے تھے۔ انگریزی مدارس کے طلباء کو پڑھاتے۔ آخر عمر میں نواب محمد اسمٰعیل خاں مرحوم کے یہاں معلمی پہ منسلک ہو گئے تھے۔ نواب صاحب آپ کی توقیر و منزلت کرتے تھے۔

## شاعری سے شوق

نوعمری میں حضرت مہرؔ، باطنؔ، بے خبرؔ، ساحرؔ، راجہ کے مشاعروں میں شریک ہوئے۔ مفتی انعام اللہ ساحل نیل کھاتہ میں مشاعرہ کرتے۔ راجہ بلوان سنگھ کاشی کے یہاں شعرا کی محفل گرم ہوتی۔ مہرؔ شاگرد حضرت ناسخؔ کے مکان (جو اب مکان متصل مسجد معتمد خاں منشی ولایت علی انجنیئر مرحوم کا کہلاتا تھا) پر پندرہ روزہ مجلس شعرا منعقد ہوتی۔ قاضی باقر علی خاں کے برادر زادہ منشی سید نظام علی خاں متخلص بہ افضل منصف فتح آباد کے یہاں جہاں آج کل مُسلم لائبریری ہے، بڑے پیمانہ پہ

مشاعرہ اور دعوت طعام ہوتی ۔
جناب نثار کو بھی شعر کہنے کا شوق ہوا۔ فکر سُخن کرتے رہے ۔ پھر حضرت مہر سے مشورہ لیا۔

## مرید !

ان کو اہلِ اللہ سے محبت تھی ۔ مولانا شاہ محمّد اکبر متخلّص بہ اکبر ابوالعلائی داناپوری کی خدمت میں آنے جانے لگے اور اُنہیں کے مرید ہوئے اور پھر ان سے ہی اصلاحِ کام لینے لگے ۔ صوفیا کی صُحبت اور متصوفانہ کُتُب کا مطالعہ۔ غرض اسی رنگ میں رنگ گئے اور یہ رنگ کلام پر بھی اثر پذیر ہوئے بغیر نہ رہا ۔

## مذہب !

آپ کے دادا پردادا امامیہ مذہب کے پابند تھے مگر یہ سُنّی نماز روزے کے بڑے پابند تھے ۔ صحابہ و اہلِ بیت کے دل سے شیدا ۔ گیارہویں و محرم حُسنِ عقیدت سے کرتے ' جمعرات کو مزارات پر ضرور جاتے ۔
میلاد شریف بڑے ذوق و شوق سے سُنتے ۔ حافظ فیض اللہ عرف حافظ فجّن مرحوم کے میلاد میں ضرور شریک ہوتے۔ تسبیح ہاتھ میں رہتی دُرود وردِ زبان رہتا ۔ آنکھوں سے اشک کا سیلاب بہتا ۔ رقیق القلب تھے ۔ روتے روتے آشوبِ چشم میں مبتلا ہوگئے ۔ اہلِ دل لوگوں میں سے تھے ۔

## اخلاق !

خوش خُلق ، متواضع ، نیک خو ۔ ہر ایک شخص سے خوش خُلقی سے پیش آتے ۔ آپ کے انکسار کا ہر شخص پر پڑتا

## شاعری !

حضرت نثار کا سلسلۂ سُخن مرزا مہر کی وساطت سے حضرت ناسخ تک اور جناب اکبر کی وساطت سے حضرت وحید الٰہ آبادی شاگرد آتش تک پہنچتا ہے ۔ اپنے عہد کے اُستاد تھے اور شعرائے متاخرین میں قابلِ فخر ہستی تھے ۔ اُن کے کلام فصاحت نظام کی مقبولیت اُن کی حیات ہی میں ہو چُکی تھی ۔ میلاد خوانوں نے بزم میلاد میں ۔ موسیقی نوازوں نے بزم عیش و نشاط میں خُوب خُوب دادِ کلام دی ۔ ہر طبقہ میں مولانا کا کلام مرغوب و مقبول تھا ۔ اوائل عمر میں مشق سُخن جو کچھ ہو مگر انتہائے عمر میں کلام نہایت سنجیدہ اور اہل اللہ کے کیف و وجد کا ذریعہ تھا ۔ زبان نہایت صاف اور شستہ ، بندش چست شوکتِ معانی سے الفاظ لبریز بلند خیالی ہر شعر سے ظاہر کہیں شوخی کہیں متانت ، غرضیکہ آپ کو ماہر فن تسلیم کرنے کے لیے

کافی روانی ہے۔

حضرت شاہ محمدؒ اکبر اکبرؔ قدس سرہ العزیز جب وطن جانے کو آگرہ والوں سے رخصت ہو رہے تھے تو اسٹیشن پر مریدین کا اور اہلِ شہر کا کافی مجمع رخصت کرنے آیا تھا اُس وقت حضرت نثارؔ نے ایک غزل پُر درد لہجہ میں سُنائی۔

میرا دل نازوں کا پالا مچل جائے گا  اس سے کچھ بات بنا لوں تو چلے جائیے گا

اس کا اثر حاضرین ہی پر نہیں بلکہ حضرت شاہ صاحب پر اتنا ہوا کہ اس وقت جانا ملتوی کیا اور دوسری ٹرین سے تشریف لے گئے۔ فارسی، اُردو اور ہندی کے قادرالکلام شاعر تھے۔ شعر کہنے میں کبھی تکلّف نہ تھا۔

## وضع داری !

اپنی وضع داری آخر تک نباہ دی۔ رکھ رکھاؤ میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ کبھی کسی کے زیر بار احسان نہ ہوئے۔ اکابرِ وطن و روسائے شہر عموماً آپ کے شاگرد تھے، مگر آپ نے کبھی ان سے کسی قسم کی خدمت نہ چاہی۔ ماسٹر شنکر دیال صاحب ایک ذی علم بزرگ تھے۔ فارسی استعداد معقول رکھتے، فکر سُخن میں مرزا غالب کے شاگرد بھی تھے۔ پیشتر وہ آگرہ کالج میں پروفیسر تھے پھر وکالت کا شغل اختیار کیا۔ حضرت نثارؔ کی علمی قابلیت کا سکّہ ان پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُنھوں نے اُن کو جناب شامؔ کی تعلیم کے لیے تکلیف دی۔ مولانا نے اس حُسنِ اخلاق سے درس دیا کہ تمام عمر ماسٹر صاحب اور شامؔ صاحب مولانا کے گرویدہ رہے۔

اساتذۂ وقت میں ایک دوسرے میں چشمک رہا کرتی ہے مگر نثارؔ ہی ایک ایسے تھے۔ مرزا انیسؔ، واصفؔ، عالیؔ سے اُستاد اِن کا احترام کرتے اور یہ بھی اُن کے ساتھ خلوص کا برتاؤ کرتے۔

غزل پڑھنے کا انداز خاص تھا۔ غزل پڑھتے تو ایسے آہستہ آہستہ تحت اللفظ پڑھتے کہ اربابِ محفل بے انتہا محظوظ ہوتے تو رموز الشعرا کی "شاباش، جیتے رہو"، کے حوصلہ افزا جملوں سے قدر دانی کرتے۔ اپنے یا دوسرے اساتذہ کے شاگردوں کے ساتھ ایک برتاؤ رکھتے تھے۔

## لباس !

چوگوشیہ ٹوپی پہنتے، انگرکھا اس پر عرض کے پائنچوں کا پاجامہ پہنتے، سلیم شاہی جوتہ زیر پا رہتا۔ کاندھے پر ایک گزی کا رومال جس کے کونے میں بٹوا بندھا رہتا۔ گردن میں خلال ضرور ڈلا رہتا تھا۔ پاجامہ ٹخنے سے اونچا ہی رکھتے تھے۔

## حُلیہ !

سانولا رنگ دُبلا جسم اوسط درجہ کا قد، ریش کے ساتھ مونچھیں ترشی ہوئی رکھتے۔

## تصانیف !

دل، مذاقِ عشق، خمارِ عشق، ایک دیوان مکمل، ایک غیر مکمّل، مجموعۂ فارسی کلام، ہر دو دیوان حضرت شاہ محمّد محسن صاحب کے پاس محفوظ ہیں۔ چھوٹا سا مجموعہ ہندی کلام کا بھی ہے۔

## سادگی !

معلّمی افتخار کا پیشہ ہے۔ تمام گھر کے کام کاج شاگردوں کے ہاتھوں انجام پاتے ہیں مگر مولوی نثار علی صاحب خود لکڑیاں بغل میں دبائے لیے جا رہے ہیں۔ انگرکھے کے دامن میں دوسرا سودا ہے۔ ہاتھ میں گھی کی پیالی ہے۔ شاگرد ساتھ ہیں مگر کسی کو چھونے نہیں دیتے

## تلامذہ !

آپ کے کثیر التعداد تلامذہ ہیں جن کے احوال نہالستانِ نثار میں بتفصیل تحریر ہیں۔ جناب بیدم، مظہر، صوفی اور جناب شام پر بے حد نوازشات تھیں۔

## وفات !

ایک عرصہ تک امراض کا شکار رہے۔ آخرش ۲۷ اپریل ۱۹۲۱ء کو عالمِ جاودانی ہوئے "ہو گیا گل چراغ اہل ادب" (سیماب)

## نتائجِ فکر !

نمودِ حُسن یا رب لااُبالی ہوتی جاتی ہے ہماری شکل تصویرِ خیالی ہوتی جاتی ہے
فروغِ شمع جواب ہے رہے گا صبحِ محشر تک مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

(مشورہ۔ آگرہ، جولائی ۱۹۳۶ء)

---

سب کُھل گیا طلسمِ جہاں کا جو راز تھا جس پردے کو اُٹھایا وہی پردہ ساز تھا
مَیں تھا حضورِ یار ہوئی جب صُبح اذان پڑھتا نماز کون کہ وقت نیاز تھا
اپنی شبِ فراق بسر ہو گئی نثار ایسا دراز قصّۂ زلفِ دراز تھا

---

مری معصیت کوشی یار کی خطا پوشی　　اپنی خود فراموشی اے نثارؔ مجھ سے پوچھ

---

فروغِ نور نہ وہ التہاب نار رہا　　جمالِ ہوش رُبائے کلیم زار رہا
خیال ساقی مے کش گیا نہ دل سے کبھی　　ہمارا نشۂ سر جوش بے خمار رہا

---

سُرمہ جو زیب چشم سیہ فام ہوگیا　　فتنہ سوارِ ابلق ایام ہو گیا
کمی جو قاتل نے قتل میں کی تو مجھے اس میں کلام ہوگا　　رہا جو تسمہ بھی کوئی باقی تو پھر یہ جینا حرام ہوگا

شبِ جوانی ہے وصل کی شب اجل کی ساعت ہے صبح پیری
بدن سے ہوتی ہے رُوح رُخصت یہ قصّۂ غم تمام ہوگا

---

باغ و بہشت و حور و جنّت ابراروں کو کیجیے عنایت
ہمیں نہیں کچھ اس کی ضرورت آپ کے ہم دیوانے ہیں
نقاب اُٹھائیے شوق سے آئیے حیرانوں سے پردہ کیسا
کہہ دو نثارؔ اس پردہ نشیں سے ہوش سے ہم بیگانے ہیں

---

نواسیر فرقت ہوں وصل یار مجھ سے پُوچھ　　ہو گئی خزاں دم میں سب بہار مجھ سے پُوچھ
خواب ہے نہ بیداری شکر ہے نہ ہوشیاری　　لُطف لذّت کیف بے خمار مجھ سے پُوچھ
ہائے مَیں نہ کہتا تھا مُفت رائیگاں ہوگا　　کوئے یار کا رستہ اے غبار مجھ سے پُوچھ
نیستی ہوئی ہستی اوج بن گئی پستی　　ہوشیاری و مستی بادہ خوار مجھ سے پُوچھ
میری معصیت کوشی یار کی خطا پوشی
اپنی خود فراموشی اے نثارؔ مجھ سے پوچھ

(شاعر۔ آگرہ، جنوری ۱۹۳۸ء)

---

# فطرت وارثی

فطرت وارثی صاحب شعروسخن کے مشغلہ سے زیادہ ناقد تھے اور شعراء حضرات کے کلام کا تجزیہ کرتے تھے۔ انہوں نے ایک تنقیدی مقالہ جو لٹریری سوسائٹی متھرا کے لیے لکھا گیا تھا، سیماب اکبر آبادی پر لکھا ہے۔ بعض شعراء میں کوئی ایک خصوصیت ایسی پائی جاتی ہے جس سے ان کے کلام کی انفرادیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مثلاً ریاض وارثی خیر آبادی کے کلام میں شراب کا ذکر۔ جگر کے کلام میں قدیم تغزل۔ فانی کے کلام میں سوزوگداز ان شعراء کی انفرادیت کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ مگر علامہ سیماب اکبر آبادی کے کلام میں متعدد خصوصیات بیک وقت پائی جاتی ہیں، اس لیے عنوان میں لفظ "خصوصیات" اپنے محل پر بالکل صحیح واقع ہوا ہے۔ سیماب کی شاعرانہ خصوصیات کا محاصرہ اور احاطہ کرنا اگر محال نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ ان میں ہمیں اس قدر شاعرانہ خصوصیات ملتی ہیں کہ اُن کے معاصرین میں شاید ہی کسی دوسرے شاعر کو ودیعت ہوئی ہوں۔ مثلاً اُن کی ایک شاعرانہ خصوصیت یہ ہے کہ وہ نسبتاً بہت زود گو ہیں اور اصناف سخن میں کوئی صنف ایسی نہیں جس پر انہیں عبور حاصل نہ ہو۔ لاؤنی، خیال، کبت، ٹھمری، گیت دادرہ سے لے کر تمام اصنافِ سخن غزل تا رباعی اُن کی شاہراہ فکر میں پامال ہو چکی ہیں۔ اُردو شاعری میں اختراع واجتہاد سے کام لیا ہے۔ اُردو شاعری کے داخلی رجحانات میں انقلاب پیدا کیا ہے۔ شراب، دشمن، رقیب، ہجر ووصل، کنگھی چوٹی، دوپٹہ، بازاری زبان، رکیک مضامین، گری ہوئی تشبیہات، گندے ایہام، عریاں اسلوبِ بیان ان سب چیزوں کو دنیائے شاعری سے ایسا جلا وطن کیا ہے کہ اُردو شاعری سیماب کے احسانات سے کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی۔

فطرت وارثی صاحب لکھتے ہیں کہ سیماب صاحب نے "آگرہ سکول" میں جس کی بنا انہوں نے خود اپنے مقدس ہاتھوں سے رکھی تھی جس میں قوم کے بچوں، نوجوانوں اور مردوزن نے تعلیم حاصل کی ہے جو تعمیری ہے جس میں تخریب کا شائبہ نہیں۔ یہ اس شاعری کی تعلیم ہے جو گھروں میں ماں بیٹیوں کے سامنے، اُستاد شاگردوں اور باپ بیٹوں کے سامنے سنائی جاسکتی ہے۔ اب تک لکھنؤ اور دہلی سکول نے ایسی شاعری کی طرف کبھی توجہ نہیں کی۔ سیماب صاحب کے کلام میں وہ تمام خصوصیات یکجائی طور پر جمع ہیں جو میر، داغ، غالب، مومن اور اُن کے معاصر اقبال کے کلام میں

انفرادی طور پر پائی جاتی ہیں ۔

سیماب صاحب کے متعلق فطرت وارثی صاحب نے مزید لکھا کہ ڈاکٹر اقبال اپنے فلسفے کے سبب سے مشہور ہیں ۔ مومن کے تخیل میں سنجیدگی اور متانت ، غالب کے یہاں بھی تخیّل کی متانت غالب ہے ۔ داغ زبان کے بادشاہ مانے جاتے ہیں اور میر سوز و گداز اور سادگی کے سبب سے مشہور ہیں، لیکن سادگی، سوز و گداز، زبان ، تخیل کی متانت اور فلسفہ سیماب کے یہاں بیک وقت اور یکجائی طور پر موجود تھا ۔ مندرجہ ذیل امثال سے اُس نے مذکورہ شاعر کی شاعرانہ خصُوصیات سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ۔

نہ ہو گی ازم اگر تو بزم وجہِ زندگی ہو گی
کسی صُورت سے ہو دُنیا تو اک دن ختم ہو گی

یہ شعر تخیّل کا بلند نمونہ ہے ۔ سیماب صاحب کی نگاہوں میں دُنیا کا انجام ہے ۔ وہ جنگ و جنگ دونوں کو دُنیا کے ختم ہونے کا ذریعہ سمجھتے ہیں ۔ دُنیا اگر اس جنگ میں ختم نہ ہوئی تو عیش، و نشاط کی فراوانی، اخلاق کی کمی، تخریب کی کثرت جسے وہ "بزم" سے تعبیر کرتے ہیں اس دُنیا کو ختم کر دے گی ۔

کہاں تک اس میں پیدا ہمت منزل رسی ہو گی
قدم اُٹھتے ہی جو سوچے کہ منزل آ گئی ہو گی

یہ شعر بھی تفکّر کا بہترین نمونہ ہے ۔ وہ قوم کی آسان پسندی کو دُور سے دیکھ رہا ہے ۔ قوم کے افراد بڑے بڑے بلند دعاوی کے ساتھ آزادی کے راستہ پر گامزن ہیں ۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ قدم اُٹھاتے ہی منزل پر پہنچ جائیں گے، مگر ہوتا یہ ہے کہ برسوں چلنے کے بعد بھی اُنہیں منزل رسی نصیب نہیں ہوتی تھک کر بیٹھ جانا ہمت منزل رسی منزل کی دشواریاں سمجھنے کے بعد پیدا ہوتی ہیں ۔ منزل آسانی سے نہیں ملتی ۔ منزل رسی کے لیے استقلال، محنت، ارادے کی مضبوطی، مشکل پسندی، بے آرامی، تکلیف، دشوار گزاری، مسلسل کوشش کی ضرورت ہے ۔ یہ دشواریاں وہ لوگ کس طرح برداشت کر سکتے ہیں جو قدم اٹھاتے ہی منزل رسی کا یقین کر لیں ۔

مری بربادیوں سے ظُلم کے آثار چمکیں گے　　لگی آگ آشیاں میں تو قفس تک روشنی ہو گی
ہمیں بھی اپنی بربادی و تاراجی کا صدمہ ہے　　مگر یہ سوچ کر خوش ہیں کہ اُن کو تو خوشی ہو گی
چہک لیں، چہچہا لیں، بول لیں، ہنس لیں چمن والے　　ذرا سی دیر میں پھر خامشی ہی خامشی ہو گی

---

مندرجہ بالا اشعار سادہ سادہ الفاظ، اسلوبِ بیاں عام فہم تغزّل کے وہی موضوعات ہیں جسے تمام ثقہ شُعرا پسند کرتے ہیں۔

## تغزّل

اب نہ دل مانوس ہے ہم سے نہ خوش ہیں دل سے ہم!
یہ کہاں کا روگ لے آئے تری محفل سے ہم

دیکھیے اس خانۂ ویرانی کا کیا انجام ہو　　اپنی دُنیا لے کے نکلے ہیں کسی کے دل سے ہم

---

جی چاہتا ہے عمرِ محبت نہ ختم ہو　　مر جایئے کسی کی تمنّا لیے ہوئے

## تخیّل و فکر

کمالِ جہل ہے عرفان روزگار ہنوز　　خزاں کے درد سے واقف نہیں بہار ہنوز

---

آدمی آدمی کہیں نہ رہا　　کوئی رومی ہے کوئی شامی ہے
بزمِ عالم کا مجھ سے حال نہ پوچھ　　انتہا کی بدانتظامی ہے

---

غرور کر نہ سجود و قعود پر کہ وہاں　　قبول دیدۂ تر کے سوا کچھ اور نہیں

## درس و پیام

بجائے ہاتھ بڑھانے کے اپنے پاؤں بڑھا　　دُعا تو رسمِ اثر کے سوا اور کچھ نہیں

---

غلامی کی فضاؤں میں نیا پھونکا فسوں میں نے　　کیا اعلانِ آزادی بہ اندازِ جنوں میں نے
شکوہِ قیصر و سنجر نے لاکھوں بار دعوت دی　　کیا کب سامنے باطل کے اپنا سرنگوں میں نے

## فلسفہ

مصلحت یہ ہے خودی کی غفلتیں طاری رہیں جب خودی مٹ جائے گی بندہ خدا ہو جائے گا

---

پیشِ نگاہ رہنے دو بُت خانہ و حرم جب تک نہ ماسوا میں سمجھ لوں خدا کو میں
اک زندگیٔ نو کی سمجھتا ہوں ابتدا بزمِ فنا کی کاہش بے انتہا کو میں

---

یہ کائنات کہ جس میں ترا جمال بھی ہے ہمارے حُسنِ نظر کے سوا کچھ اور نہیں

---

مبارک تجھ کو اپنی خود روی لیکن یہ سُنتا جا کہ دُنیا اپنے رستے پر لگا لیتی ہے انساں کو

## سیاست

ہو جلوہ گر کسی پردے میں شورشِ عالم جنونِ تاج و کمر کے سوا کچھ اور نہیں
اس انقلاب سے اہلِ نظر رہیں ہوشیار کہ رزم گاہ ہے اب طورِ جلوہ گاہ نہیں

---

## اکبر داناپوری

سیّد شاہ محمّد اکبر نام۔ اکبر تخلّص۔ داناپور وطن اور آگرہ مولد تھا۔ حضرت حاجی مولانا سیّد شاہ محمّد سجاد ابوالعلائی داناپوری کے صاحبزادے تھے۔ آگرے میں محلّہ نئی بستی میں پیدا ہوئے۔ یہیں تعلیم و تربیت پائی اور عمر کا بیشتر حصّہ سلسلہ ابوالعلایہ کے پیرو ہونے کی حیثیت سے آگرہ ہی میں گزارا۔ مولانا وحید الہٰ آبادی یادگار خواجہ آتش مرحوم کے شاگرد تھے اور معرفت اسلوک میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ نہایت پُرگو، صاحبِ حال اور سوز و گداز میں ڈوب کر کہنے والے تھے۔ جذبات اکبر اور تجلیات عشق دو دیوان مطبوعہ ہیں۔ حضرت اکبر کے فیضِ سُخن کی روشنی اور توجہات نے آگرہ میں بہت کافی ادبی زندگی پیدا کر لی۔ مولانا نثار مرحوم و مغفور آپ کے شاگرد اور خلافت یافتہ ہیں۔ دیوان میں سلاست و روانی، سوز و گداز، شوخیٔ بیان اور تصوّف کے دریا بہہ رہے ہیں۔ مفصّل حالات جذبات اکبر کے دیباچہ میں مولانا نثار مرحوم و مغفور نے خود تحریر فرمائے ہیں۔

## نمونۂ کلام

پردۂ راز ہے اے دوست ہر انسان تیرا
کون سے دل میں کوئی سرّ نہیں پنہاں تیرا

صبح کے پہلے ہی میں شمع صفت آخر ہوں
ساتھ اب چھوٹتا ہے اے شبِ ہجراں تیرا

دل کو آخر کسی صورت سے تو بہلا ہی لیا
تُو اگر پاس نہیں ہے تو ہے ارماں تیرا

---

خیال آیا تھا وحشت میں ہمیں کسی پاکداماں کا
غلافِ کعبہ ہر ٹکڑا بنا اپنے گریباں کا

دیکھیں خوش ہو کے نہ کیوں آپ تماشا اپنا
آئینہ اپنا ہے عکس اپنا ہے جلوہ اپنا

نہ ٹپکے رنگ اُلفت جس سے ایسی بھی عداوت کیا
محبّت کی نہ بُو آتی ہو جس میں وہ شکایت کیا

---

## برہم وارثی

حکیم عبدالکریم صاحب برہم وارثی سلسلہ عالیہ وارثیہ سے منسلک تھے۔ وطن فرخ آباد یوپی بھارت تھا۔ آپ کا شعروشاعری کے سلسلے میں کوئی دستاویزی ثبوت باوجودیکہ کوشش بسیار کے دستیاب نہیں ہوا۔ آپ گورکھپور میں ہفت روزہ جریدہ "مشرق" کے ایڈیٹر تھے۔ اس کے بعد ایک جریدہ "فتنہ" بھی آپ کی ادارت میں نکلتا رہا۔

آپ حضرت امیر مینائی لکھنوی کے شاگردوں میں سے تھے جس کا ثبوت مندرجہ ذیل ایک خط سے جو حضرت امیر مینائی لکھنوی نے حکیم برہم وارثی کے نام پر تحریر کیا ہے اور یہ مکتوب مشہور زمانہ جریدہ "اُردوئے معلّٰی" کانپور جنوری ۱۹۰۷ء میں چھپا ہے جس کی نقل قارئین کرام کے پیشِ نظر ہے۔

پیارے برہم !

لکھ کر پچھتا رہا ہوں کہ برہمی پیارے ہونے کی چیز کہاں ہے کہ میں نے پیارے برہم القاب میں لکھا۔ پھر یُوں دل کو تسکین دیتا ہوں کہ کسی کی برہمی بھی تو کسی کو مزہ دے جاتی ہے۔ میرا مخاطب تو بہ عنایت الٰہی مجھ پہ مہربان ہے۔ ابتدا میں البتہ کسی قدر اثر تخلّص کو کام میں لایا تھا، مگر جب دیکھا کہ اس سے یہ کڑیاں نہ اٹھیں گی تو اب رحم آ گیا مہربان ہو گیا اور خدا سے امید ہے کہ مہربان ہی رہے گا۔ اس کی تقصیرات صد درسی پہلے ہی عفو کرے گا۔ پیارے برہم! سلامت فروری کا خط اس وقت نظر کے سامنے ہے اور تاخیر و تقصیر جواب سے مجھے محجوب کر رہا ہے۔ امیر اللغات کو خدا رونق

دے ذرا میری زیر باری گھٹے تو ضرور ایک وقت اصلاح کے واسطے نکالوں گا۔ امیر اللغات کا پہلا حصّہ چھپ گیا ہے، اس ہفتے میں خریداری کو پہنچے گا۔ اشتہارات ہندوستانی بعض اخباروں میں چھپ گئے۔ انگریزی اخبار پائینر (PIONEER) کے ایڈیٹوریل میں تو ۲۶؍ مارچ کو شائع ہو گیا۔ عنقریب اشتہار انگریزی بھی جو ایک منتخب ادیب مسٹر فلپ صاحب ڈائریکٹر ریاست رام پور نے لکھا ہے۔

پائینر (PIONEER) میں ملفوف ہو کر نکلے گا تاکہ عموماً فرنگیوں کو اطلاع ہو جائے۔ "صنم خانے" کو چندے ابھی اور رہنے دو۔ خدا ذرا اطمینان دے تو اچھا ہو کر نکلے گا، بغیر اپنے چھپوائی خاطر خواہ نہ چھپے گا۔ منشی نظام الدین صاحب نظام کی لیاقت سے میں بخوبی آگاہ ہوں افسوس کہ بڑی ناقدردانی کے وقت میں وہ پیدا ہوئے اور بہت خراب مقام پر اُن کا قیام ہے۔ خدا اُن کو کہیں اچھی جگہ پہنچائے۔ میری آرزو تو یہ ہے کہ امیر اللغات کو رونق ہو تو اُن کو اسی دفتر میں رونق افزائی کی تکلیف دوں۔ میر اسلام کہیے گا۔ محمد احمد تسلیم گزارش ہیں۔

امیر فقیر۔ ۲۸؍ مارچ ۱۸۹۲ء)

حکیم عبدالکریم برہم وارثی مرحوم ایڈیٹر ہفت روزہ رسالہ "مشرق" گورکھ پور کا ایک مضمون بعنوان "اُردو زبان کی مختصر تاریخ" جو کہ ایک غیر مطبوعہ مضمون ہے مشہور جریدہ "عالمگیر خاص نمبر ۱۹۳۸ء لاہور" دستیاب ہوا ہے جس کے اقتباسات مندرجہ ذیل ہیں:-

ہندوستان میں آرین قوم کے وسط ایشیا سے آنے سے پہلے اس مُلک میں قدیم ہندوستانی قوم آباد تھیں اور مختلف زبانیں بولی جاتی ہوں گی۔ آرین قوم چونکہ فاتح قوم تھی، اس نے قدیم اقوام کی زبان کو پراکرت اور اہلِ ملک کو ملکش کا خطاب دیا۔ پراکرت غیر مہذب اور ملکش گونگے کو کہتے ہیں۔ جس طرح عرب غیر عرب کو عجم کہتے تھے۔ قدیم زمانہ سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ فاتح قوم کا اثر مُلکی معاشرت اور زبان پر بہت زیادہ پڑتا ہے اور وہ مفتوحہ اقوام کی زبان اور تہذیب کو حتّی الواسع مٹانے کی کوشش کرتی ہے مگر آرین قوم اس قدیم ہندوستانی زبان پر صرف یہ اثر ڈال سکی کہ آگے چل کر یہ پراکرت ایک دوسری زبان بن گئی یعنی برج بھاشا اور برج بھاشا سے اُردو۔

مہاتما گوتم بدھ کے زمانے میں جب راجہ پرجا ایک ہو رہے تھے تو یہی پراکرت زبانیں درباری اور عوام کی بول چال میں کام آتی تھیں۔ آرین قوم کی شاخیں وسط ایشیا سے نکل کر جیحوں و سیحوں کو طے کرتی ہوئی ہندوستان، یونان اور روما کو گئیں اور اپنے ساتھ مُلکی خصوصیات میں بُت تراشی اور زبان کو بھی لیتی گئیں۔

فارسی، سنسکرت، لاطینی، انگریزی زبانوں کے الفاظ آپس میں بہت ملتے جلتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

قدیم ایرانی زبان اور سنسکرت کا تعلّق بہت گہرا ہے۔ ہندوستان آکر آرین قوم نے اپنی زبان کو بہت محفوظ رکھا اور یہاں تک ضابطہ اور قاعدہ بنا دیا کہ اگر کوئی غیر آرین اس کو سیکھتا یا پڑھتا تو اُس کو سخت سزا دی جاتی۔

مُسلمانوں کی آمد چھٹی صدی عیسوی یا پہلی صدی ہجری سے ہندوستان میں شروع ہوئی اور وہ سب سے پہلے غازی محمدؒ قاسم خلیفہ ثالث کے عہدِ خلافت میں سندھ تک آئے اور یہاں کچھ روز قیام کیا، گویا پہلے پہلے عرب کے مُسلمان ہندوستان آئے۔ ان عربوں کی آمد کا پتہ موپلا قوم سے چلتا ہے مگر موپلا قوم کی زبان جُنوبی ہند کی قدیم پراکرت سے اس قدر مغلوب ہوئی کہ اس عرب نژاد قوم نے جس کے باپ دادا بالیقین حضر موت کے عرب تھے اپنی زبان ہی نہیں بدلی اپنے نام بھی بدل ڈالے اور معاشرت بھی بدل گئی۔ ماں کا اثر اولاد پر ہوتا ہے یہ فلسفہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ گیارہویں صدی عیسوی سے جب مُسلمان ایران اور افغانستان کی طرف سے حملہ آور ہوئے اور ہندوستان میں اُن کا دور دورہ ہوا تو ہندوؤں سے میل جول بھی ہونے لگا۔ فارسی اور بھاشا دونوں میں قدرتی طور پر اس قدر اتحاد پیدا ہو گیا کہ تیسری زبان اُردو کی بُنیاد پڑ گئی۔ بارہویں صدی میں پٹھانوں نے ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کر لی اور اقتضائے وقت کے حُکم پر اور دوسرے معاملات کے افہام و تفہیم کے لیے ایک جدید اور مرکب زبان کی بُنیاد پڑی اور تیمور کی فتوحات سے اُسے ترقّی اور استحکام ہوا۔ تیمور کے زمانے میں ہندو مُسلمانوں کے ربط اور روزانہ مراسم نے جُنوبی ہند میں بھی ایک زبان کی بُنیاد ڈالی آج "دکھنی" کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔

پراکرت زبان میں ہندوؤں نے اپنی دیوبانی زبان کے الفاظ داخل کر کے برج بھاشا بنائی اور یہ تبدیلی اُصولی تھی۔ اس کو کوئی قوم نہیں روک سکتی، زبانیں خود بنا کرتی ہیں اور جب بن جاتی ہے تو اُن کے نام رکھے جاتے ہیں۔ ہندوستان کی کسی سمت نکل جائیے، اُردو زبان بولنے والا ہر شہر ہر قصبہ اور ہر دیہات میں اپنا کام نکال لیتا ہے۔ دراصل مُسلمان بادشاہوں نے اُردو کی ترقّی میں کچھ بھی کوشش نہیں کی جس طرح تبلیغِ اسلام میں اُنہوں نے توجہ نہیں کی اور رواداری جائز رکھی ورنہ آج چودہ کروڑ اچھوت مُسلمان نظر آتے۔ اسی طرح اُردو کو شاہانِ مُغلیہ چاہتے تو آج اُردو مدارجِ اعلیٰ پر نظر آتی۔ اس میں شک نہیں کہ اُردو کی ترقّی دینے اور اُردو کے قواعد بنانے میں انگریزوں نے سبقت کی اور انگریزی حکومت ہی نے اُردو کی کتابوں پر مصنّفین کو انعام دے کر حوصلہ افزائی کی۔

وارثی صاحب لکھتے ہیں: "میرے سیاسی عقائد ہندوستان میں وہ نہیں ہیں جو لالہ ہر دیال ایم اے اور اُن کے ہم خیال لیڈروں کے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ مُسلمانوں کو ہندوستان میں ہندو بن کر رہنا ہوگا اور اُن کو اپنے اسلامی نام بدل کر ہندوانی نام رکھنے ہوں گے۔ عبادت وہ کسی طرح کریں مگر مسجدوں کو مندر کہنا ہوگا۔ ہندوستان کے باہر جو

مُسلمان سلطنتیں ہیں اُن سے کسی قسم کا تعلّق ہمدردی و محبّت کا نہیں رکھ سکتے۔"

اگر ہندو لیڈروں میں کچھ بھی سمجھ ہوتی اور اُن کا زاویہ نظر مُلک کی حفاظت ہوتا تو سب سے پہلے یہ کوشش کرتے کہ ہندوستان کی مشترکہ زبان اُردو بنا دی جائے، کیونکہ جب تک زبان ایک نہیں ہوتی دل بھی ایک نہیں ہو سکتے۔ جن لوگوں کو اب تک یہ نہیں معلوم ہوا کہ برج بھاشا اور فارسی ایک ماں کی اولادیں اور ان دونوں کا جوڑا مل کر اُردو زبان پیدا ہوئی۔

سب سے پہلے ہندوؤں نے یہ کوشش شروع کی کہ سنسکرت کے غیر مانوس الفاظ اخبارات اور اپنی تقریروں میں بھرنا شروع کیے اور دیکھا دیکھی مُسلمانوں نے عربی کے بہت غیر مانوس الفاظ اُردو میں داخل کرنا شروع کر دیے، جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ایک معمولی پڑھا لکھا ہندو ہو یا مُسلمان دونوں کے اخبار و تقریریں پڑھنے اور سمجھنے سے مجبور ہو جاتا ہے۔

---

# ریاض فروغ وارثی شاہجہان پوری

آپ کا وطن شاہجہان پور (یو پی بھارت) تھا اور رئیس زادے تھے۔ آپ نے حضرت وارث پاک علیہ الرحمۃ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ شعر و شاعری سے آپ کو کافی ذوق تھا۔ صاحبِ دیوان تھے۔

## انتخابِ کلام

اولاد ہے یہ خاص شہہ مشرقین کی　　چھبیسویں پُشت جناب حسینؑ کی
پتلی یہی ہے فاطمہ کے نُورِ عین کی　　مہرِ نگیں ہے فاتح بدر و حنین کی
یہ جوہر و خلاصہ ہے دونوں جہان کا
بندہ نظر پڑا ہے خدا کی شان کا

ہے تُو ہی وارثِ علیؑ و وارث نبیؐ　　دل ہے ترا خزینہ اسرارِ معنوی
تیرے بدن پہ ٹھیک قبا فقر کی ہوئی　　عادت کی ابتدا ہی سے ترک لباس کی
دستار و پائجامہ نہ زیبِ بدن کیا
احرام کو پسند پہ سرِ تن کیا

لڑکا یہی ہے شاہ شہیداں کا باخلف　　پُر نور سلک شاہِ نجف کا دُرِ نجف
دُرج رسُولؐ کا ہے یہی گوہرِ صدف　　اللہ نے دیا ہے ہر اک بات کا شرف

سیّد بھی ہے فقیر بھی ہے اور ولی بھی ہے
ہر طرح جانشینِ نبیؐ و علیؑ بھی ہے
قوم ایسی لاجواب کہ دُنیا میں آفتاب　دُنیا میں آفتاب تو عقبیٰ میں ماہتاب
عقبیٰ میں ماہتاب تو کوثر پہ جوشِ آب　کوثر پہ جوشِ آب سے پر ساقیٔ شراب
ساقی شرابِ کوثر و تسنیم کا یہ ہے
وارث علی و احمد بے میم کا یہ ہے

---

چہرے سے جلوہ گر ہے سراسر خدا کا نُور　ظاہر ہے لب سے قدرت اللہ کا ظہور
رُخ سے عیاں ہے صاف تجلّی برق طور　ایسا پری جمال کہ قربان جس پہ حُور
بحرِ ضیائے حق کا یہ دُرِّ یتیم ہے
جاری اسی کا خلق میں فیضِ عمیم ہے

---

احرام کی بہار وہ ہر رنگ کی پھبن　مثل شعاع مہر چمکتا ہے سب بدن
روشن ہے روئے پاک سے ہر بزم و انجمن　خوش رنگ جس طرح سے چمن میں گُل چمن
زینت ہے جس کی وہ گل روئے سبد یہ ہے
باغ جہاں میں مرصع ہر نیک و بد ہے
وہ بھیڑ رہتی ہے درِ دولت پہ ہر گھڑی　خلقِ خدا ہے آٹھ پہر ڈیوڑھی پر اڑی
چُپ ہے کھڑا ستوں بھی لیے ہاتھ میں چھڑی　ہر سُو رواں ہے دیدۂ مشتاق سے جھڑی
یُوں قمریوں کا عشق ہے اس سروِ باغ پر
گرتے ہیں جس طرح سے پتنگے چراغ پر

---

یہی سبب تھا جو زلفوں کو تھے بڑھائے ہوئے　کہ آج سارے زمانے پہ وہ چھائے ہوئے
اے صبح سعادت زجبیں تو ہویدا　ایں حُسن چہ حُسن است تبارک تعالیٰ

---

حاضر حضور میں شعرائے دیار ہیں　مدّاح حضرت شہہ عالی وقار ہیں
خمسے اگر ہیں سو تو قصیدے ہزار ہیں　ایک اُن میں عبدآلاد شہہ نامدار ہیں

اُن میں ہیں دو شرف کہ حکیم و فقیر ہیں
یکتا ہیں وہ کہ آپ ہی اپنی نظیر ہیں

ہر ایک ان میں فرد ہے ہر ایک انتخاب — ہر ایک بے مثال ہے ہر ایک لاجواب
کہتی ہے جن کو خلق مکانِ سخن کا باب — کرتے ہیں یہ خیال کہ موزوں میانِ خواب

مضمون نظم کرتے ہیں وہ اپنے حال میں
گزرے نہ انوری کے جو خواب و خیال میں

شیدا کے ہر کلام کی وہ بے مثالیاں — وہ شاہ بے نظیر کی نازک خیالیاں
میٹھی ہیں جن کی قندِ مکرر سے گالیاں — اور اس فروغ خستہ کی یہ بے کمالیاں

کس فن کا کس ہنر کا یہاں آدمی نہیں ہے
دولت تو لُٹ رہی ہے مگر کچھ کمی نہیں ہے

---

# پروفیسر سیّد برق وارثی

پروفیسر حافظ سید برق وارثی خلف سید محمد قاسم صاحب (مرحوم) جناب برق کی دادیہال موضع حسن پورہ میں ہے جو پھلواری شریف سے دو میل کے فاصلے پر واقع ہے اور ننھیال موضع کسمر چھپرہ میں ہے۔ آپ کے والد ماجد اپنی سسرال کسمر میں آباد ہو گئے تھے اس لیے آپ کی پرورش ننھیال میں ہوئی۔ آپ اُردو اور عربی کے ایم اے ہیں اور سندھ مسلم کالج کراچی میں شعبہ اُردو کے صدر ہیں۔ شاعری میں ذوق سلیم کے مالک ہیں۔ غزل اور نظم دونوں میں آپ کو دسترس حاصل ہے۔ آپ کے بڑے بھائی سید محمد ابراہیم انجم ندوی مرحوم بھی نہایت خوش فکر شاعر تھے۔ جناب برق آگرہ تاج کالونی کراچی میں سکونت پذیر ہیں۔

## نمونۂ کلام

وہ شے کہ لوگ جسے آفتاب کہتے ہیں — ہم اس کو اپنی نظر کا شباب کہتے ہیں
ہر اک ادا کو تری لاجواب کہتے ہیں — ستم کو بھی کرم بے حساب کہتے ہیں
ہر اک شے میں ہے آباد حُسن کی دُنیا — ہر اک ذرّے کو ہم آفتاب کہتے ہیں
تہِ نقاب نہیں وہ تجلّیٔ زیبا — ہم اپنے ضعفِ بصر کو نقاب کہتے ہیں
عروسِ دہر کی ہے اک حسین سی کروٹ — جہاں والے جسے انقلاب کہتے ہیں

فروغ دے کے اسے بحرِ بیکراں کر دو — وہ زندگی جسے حباب کہتے ہیں
یہ تیری چشم خمار آلود و حیا آلود — جو مجھ سے پُوچھو اس کو شراب کہتے ہیں
شبابِ عشق کا میرے وہ ایک پرتو ہے — وہ اپنے حُسن کا جس کو شباب کہتے ہیں
کچھ اور چاہیے مضراب زندگی کے لیے — اُداس اُداس سا ہے یہ رباب کہتے ہیں
ہر اک سوال پر اُلٹا سوال ہوتا ہے — ترے جواب کو ہم لاجواب کہتے ہیں
تلاش کر لے جو کثرت میں حُسنِ وحدت کو — اُسی نگاہ کو ہم کامیاب کہتے ہیں
سکُونِ جسم ہو جس میں سکُونِ رُوح نہ ہو — ہم اس سکوں کو اک اضطراب کہتے ہیں
وہی ہے راگ جسے دل کا ساز بھی گائے — رباب دل کو ہم اصل رباب کہتے ہیں
وہ اپنے حُسن پہ نازاں تو اپنے عشق پہ ہم — ہم اپنے آپ کو اُن کا جواب کہتے ہیں
ہر ایک جزو ہے آئینہ وسعتِ کُل کا — ہر ایک حرف کو ہم ایک کتاب کہتے ہیں
شعاعِ حُسن درخشاں نہیں نقاب سے کم — وہ اپنے حُسن کو کیوں بے نقاب کہتے ہیں
یہ زندگی کہ ہے رحمت تری رفاقت میں — تیرے بغیر ہم اس کو عذاب کہتے ہیں

مسرتیں بھی ہیں اے برقؔ غم کا آئینہ
سکُون کو بھی تو ہم اضطراب کہتے ہیں

## طلبہ سے خطاب

عمل کی قوتِ پنہاں کو آشکار کرو — وطن کو اوجِ ترقی سے ہمکنار کرو
سکون شکن تو بنو سکوں پرست نہیں — ہمیشہ بروئے موج بے قرار کرو
وطن کی ناؤ کے تو ہم ہی تو ناخدا ٹھہرے — وطن کی ناؤ کو ساحل سے ہمکنار کرو
اداس کیوں ہو زمانہ جو سازگار نہیں — اُٹھو! مزاجِ زمانہ کو سازگار کرو
فضا میں چھوڑ دو اک نغمۂ سکوت شکن — خود اشکبار ہو اوروں کو اشکبار کرو
مٹا دو باغِ جہاں سے فسردگی کا نشان — ملے جو قطرۂ شبنم اسے شرار کرو
تمہارا آئینہ دل ہے کچھ غبار آلود — تم اپنے آئینہ دل کو تابدار کرو
بتاؤ اہلِ جہاں کو معانیٔ غمِ عشق — ہر ایک دل کو غم یہ دے کے سوگوار کرو
تم اپنے داغِ محبت کو خوب چمکا کے — شعاعِ مہرِ درخشاں کو شرمسار کرو
تمہاری شان کے شایاں نہیں ہے یہ تقلید — تم اپنی قوتِ تجرید آشکار کرو

نفس نفس میں جلاؤ چراغِ روحِ یقین　　تبائے فکرِ پریشاں کو تار تار کرو
بڑھو بڑھو سوئے منزل یقین وعزم کے ساتھ　　جو سنگِ راہ میں آئے تو سنگسار کرو
جہاں میں رہنے نہ پائے نشان پستی کا　　ہر ایک ذرّے کو خورشید زرنگار کرو
یہ زندگی تو عبارت ہے سعیٔ پیہم سے　　ذرا مشاہدہ نبضِ آبشار کرو
قرار موت ہے انساں کی خودی کے لیے
پیامِ برقؔ یہ ہے خود کو بے قرار کرو

---

# محبوب وارثی گیاوی

محبوب احمد وارثی نام، سنجیدہ مضامین میں محبوبؔ اور مزاحیہ میں مسٹرؔ تخلّص ہے۔ فخرِ ملّت مولوی سیّد عاشق وکیل گیاوی کے پسرِ دوم ہیں۔ اسلامیہ کالج سے بی اے کی ڈگری حاصل کی اور علی گڑھ مُسلم یونیورسٹی سے قانون میں فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ ایک سرگرم سیاستداں، قانون داں، کامیاب مقرّر اور شاعر ہیں۔ پروفیسر رضا علی "وحشت" کلکتوی کے قریبی شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ طبیعت میں شوخی اور جولانی ہے۔ ہفتہ وار "مورچہ گیا"، اور رسالہ "درگاہ" لکھنو میں اکثر لکھا کرتے تھے۔

## نمونۂ کلام

گر راہِ طلب میں صادق ہے شکوہ بھی دل ناشاد نہ کر
ہاں ضبط سے لے تو کام ذرا بے چین نہ ہو فریاد نہ کر
کوشش تو بہت کی مَیں نے مگر قسمت کی نہ تھی کچھ اپنی خبر
لے صبر سے کام دلِ مضطر جب داد نہیں فریاد نہ کر
اُمّید کی وہ ہلکی سی کرن تھی جس سے مری دُنیا روشن
اوجھل ہوئی وہ بھی نگاہوں سے اے چرخ مجھے برباد نہ کر
اب دل کا ہے ویران چمن وہ گل ہیں کہاں کیسا گلشن
ٹھہرا ہے قفس ہی اپنا وطن صیاد مجھے آزاد نہ کر

دم توڑ رہا ہے دیکھ ذرا عاشق ہے ترا کشتہ ہے ترا
اے موہنی صورت والے حسیں محبوب کو یوں برباد نہ کر

---

# حکیم عبدالروف خاں جوہر وارثی

آپ بہرائچ یوپی بھارت کے رہنے والے تھے۔ سلسلہ عالیہ وارثیہ سے منسلک رہے۔ سرکار وارث پاک ؒ کی محبّت نے شاعر بنا دیا۔ صرف ایک غزل از انتخاب مشاعرہ بزم پنڈت میلارام وفاؔ۔ لکھنؤ ماخذ ہے۔

## غزل

نہ بہک سکا وہ واقف جو ہے تیری رہگذر سے
نہ سنبھل سکا کبھی وہ جو گرا تری نظر سے

نہ یہ سوزشِ جگر سے نہ یہ درد کے اثر سے
یہ فغاں مرے لبوں پر ہے مفارقت کے ڈر سے

تیرے صدقے حُسنِ جاناں یہ کہاں کا فیصلہ ہے
جسے دید کی ہو حسرت وہی دیکھنے کو ترسے

مرے آنسوؤں کے قطرے ہیں چراغِ رہِ منزل
اُنہیں روشنی ملی ہے تپشِ دل و جگر سے

مرا سجدۂ محبّت کبھی اس طرح ادا ہو
کہ مری جبیں جھکے جب نہ اُٹھے تمہارے در سے

یہ دُعا ہے سر پہ رکھ کر تری خاکِ آستاں کو
کہ یہ میرا تاجِ شاہی نہ جُدا ہو مرے سر سے

تیرے میکدے میں ساقی نہیں جب رواجِ ساغر
تو شعورِ بادہ نوشی ہو عطا مجھے نظر سے

اُسے خُلد نے پُکارا اُسے رُوحوں نے بُلایا
مگر اپنی دُھن میں جوہر نہ اُٹھا تمہارے در سے

(مشاعرہ۔ لکھنؤ)

---

# عزیز وارثی دہلوی

آپ سلسلہ عالیہ وارثیہ سے منسلک تھے۔ نمونۂ کلام مختلف رسائل سے اخذ کر کے قارئین کرام کے پیشِ نظر ہے۔ حالاتِ زندگی نہیں مل سکے۔

جناب عزیز وارثی کی پیدائش اُترپردیش کے ضلع مراد آباد کے قصبہ بچھڑایوں میں ہوئی۔ آپ ایک معمولی گھرانے کے فرد تھے۔ آپ کے والد محکمہ جنگلات میں بحیثیت کلرک زمین کی پیمائش کا کام کرتے تھے۔ بچپن سے والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ زندگی کا آغاز الم سے ہوا اور اسی الم کی شدت نے شعروشاعری کا ذوقِ لطیف پیدا کر دیا۔ حضرت اوگھٹ شاہ وارثی سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ تلاش معاش میں دہلی آئے جہاں اُن کے برادر کلاں ہندوستان دواخانہ میں ملازم تھے۔ یہاں پہ دلی کے ادبی ماحول میں دن رات گزرنے لگے۔ سائل دہلوی اور حضرت نوح ناروی سے اصلاحِ سخن کرتے تھے۔ ۱۹۵۵ء سے پندرہ روزہ "ندائے اتحاد" جاری کیا۔ اس کے پرنٹر، پبلشر اور ایڈیٹر خود ہی تھے۔ اس اخبار کا مقصد ترقی و بقا ادب تھا۔ اس میں سلسلہ وارثیہ کی تبلیغ وغیرہ نہیں ہوتی تھی۔ دو دیوان چھپے تھے۔ (۱) سفینہ و ساحل (۲) محراب

## نمونۂ کلام

کبھی حُسن یار کا ذکر ہے کبھی دَورِ جام کی بات ہے
یہ ہماری صُبح کی گفتگو وہ ہماری شام کی بات ہے

جسے آپ کہتے ہیں شش جہت وہ ازل سے ہے مری ملکیت
مرے دل نے جس کو بُھلا دیا یہ اُس مقام کی بات ہے

کہیں روشنی کہیں تیرگی جو کہیں خوشی تو کہیں غمی
تیری بزم میں ہمیں دخل کیا، ترے اہتمام کی بات ہے

مرا ہر مقام پہ تذکرہ، مرا ہر زبان پر تبصرہ
یہ تمہاری ذات کا فیض ہے یہ تمہارے نام کی بات ہے

وہ نماز پڑھتا ہوں روز و شب کہ عزیزؔ جس پہ فدا ہیں سب
نہ کہیں سجود کا ذکر ہے، نہ کہیں قیام کی بات ہے

---

اُسے کیوں سحر سے نشاط ہو اُسے کیا ملال ہو شام سے
جسے عشق ہے ترے ذکر سے جسے اُنس ہے ترے نام سے

وہ تمہارے طور و طریق تھے کہ ہزار رنگ بدل لیے
یہ ہمارے دل کا شعور ہے نہ ہٹے ہم اپنے مقام سے

مری آرزو کے چراغ پہ کوئی تبصرہ بھی کرے تو کیا
کبھی جل اُٹھا سرِ شام سے کبھی بجھ گیا سرِ شام سے

جو حیاتِ عشق سوز گئی تو حیاتِ حُسن نکھر گئی — کبھی تیرے حُسنِ خرام سے کبھی میرے سوزِ دوام سے
جو عزیزؔ وارثی تھا کبھی وہ عزیزؔ وارثی اب نہیں
نہ جنونِ عشقِ بُتاں ہے اب نہ غرض ہے بادہ و جام سے

---

حُسن کی طرح عشق بھی خود کو رکھے جو راز میں — فرق جمیل کیا رہے ناز میں اور نیاز میں
مرحلہ یہ بھی طے ہوا منزلِ امتیاز میں — کعبہ و دیر مل گئے اُن کے حریمِ ناز میں
اے میرے ذوقِ بندگی تیرا خدا بھلا کرے — جب سے تجھے سمجھ لیا جی نہ لگا نماز میں
دیر و حرم کے ساکنو! تم سے جدا سہی مگر — میرا بھی اک مقام ہے اُن کی نگاہِ ناز میں
حُسن ہو جس کا بے اثر عمر ہو جس کی مختصر — ایسی سحر کا ذکر کیا اپنی شبِ دراز میں
جانے پڑی تھی کب ادھر اُن کے کرم کی اک نظر — آج بھی ہوں نیاز مند اُن کے حریمِ ناز میں
ہر جگہ سر بلند ہے ان کا عزیزؔ وارثی
یہ بھی کرشمہ خُوب ہے حُسنِ کرشمہ ساز میں

---

جسے تجلّیِ جاناں سے آگہی نہ ہوئی — وہ زندگی تو ہوئی اصل زندگی نہ ہوئی
وہ کیا حیات ہے جو ترکِ بندگی نہ ہوئی — چراغ جلتا رہا اور روشنی نہ ہوئی
تیرے مزاج میں ایک دن بھی برہمی نہ ہوئی — خوشی کی بات تھی لیکن مجھے خوشی نہ ہوئی
شہیدِ ناز کا مرتبہ کسی کو کیا معلوم — کسی سرشت میں تخلیق سرمدی نہ ہوئی
مجھے سکون کی دُنیا نہ مل سکی اب تک — میری جبیں پہ سجدہ جو مکتبی نہ ہوئی
قدم قدم پہ رہی ایک یاد دامن گیر — تمہاری بزم میں یہ مجھ کو بے خودی نہ ہوئی
نگار خانوں میں کیا کیا سکون دل کو ملا — یہ اور بات ہے تسکین دائمی نہ ہوئی
جہاں بھی دیکھا جدھر دیکھا آپ کو دیکھا — مَیں کیوں کہوں کہ یہ معراجِ عاشقی نہ ہوئی
تمام عمر گزاری ہے مے کدے میں مگر — وہ رند ہوں کہ طبیعت کو سیری نہ ہوئی
ایک آپ ہی انسانیت کے پیکر ہیں — یہ ایک فریب ہوا قدر آدمی نہ ہوئی

مشاعروں کی فضا تک ہو چکا لطف و سرور
عزیزؔ وارثی ہم سے وہ شاعری نہ ہوئی

---

یہ اشعار سالانہ عرس پاک محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء ۱۳۸۴ھ کے موقع پر زیر تعمیر قوالی ہال حضرت خواجہ حسن نظامی میں پڑھے گئے۔

حاصل ہے فقیری میں تمہیں مسند شاہی — کہتا ہے زمانہ تمہیں محبوبِ الٰہیؒ
سلطان تھے، سلطان ہو، سلطان رہو گے — یہ بزم اسی بات کی دیتی ہے گواہی

---

شاہدِ حق عارف فخرِ زمن کی بزم ہے — ہوشیار اے نطق یہ خواجہ حسن نظامی کی بزم ہے
کوثر و تسنیم بھی تھے جس کے لہجہ پر نثار — یہ اُسی دلدادۂ گنگ و جمن کی بزم ہے

(خواجہ حسن نظامی کی بزم)

---

در مدح حضرت وارث پاکؒ

بافیض حضرت وارث ہمارے دیوہٰ میں — بڑے قرینے سے نورانیت برستی ہے
نیاز، فاتحہ، سجدہ، سلام اور سماع — طریق کچھ بھی ہیں لیکن خدا پرستی ہے

---

یہ جگہ وہ ہے کہ مشرب کی یہاں قید نہیں — کوئی جذبہ ہو تخیّل ہو مگر صید نہیں
سب برابر ہیں یہاں سب کا مساوی حق ہے — کوئی راجہ نہیں رانا نہیں جمشید نہیں

---

یہ کعبہ ہے کلیسا ہے نہ مسجد ہے نہ بُت خانہ — یہاں پر ایک سالک ہے یہاں مسلک ہے رندانہ
یہاں ہر دور میں سب کو برابر ظرف ملتی ہے — یہاں شیشہ نہ ساغر ہے صراحی ہے نہ پیمانہ

---

خزانے میں تمہارے کیا نہیں موجود یا وارث ۔۔۔ میری مشکل بھی حل کر دو مرے مشکل کشا وارث

عزیزؔ وارثی کو آپ بھی جانتے ہوں گے ۔۔۔ جو کہتا ہے میرا مولا میرا آقا وارث

(جلوہ گاہ۔ لکھنؤ)

---

## غزلیات

چھپ اس طرح کہ ترا عکس بھی دکھائی نہ دے ۔۔۔ تری صدا تری آواز بھی سنائی نہ دے

وہ ظلمتیں ہیں رہِ زیست میں قدم بہ قدم ۔۔۔ چراغ دل بھی جلائیں تو کچھ سجھائی نہ دے

اُس آرزو سے حذر خوئے زندگی سے حذر ۔۔۔ جو تاب و طاقتِ اظہار لب کشائی نہ دے

صلیب و دار سے ہوگا معانقہ اپنا ۔۔۔ تو میرے ہاتھ میں اپنی حسیں کلائی نہ دے

تھکن بھی ساتھ ہے میرے تھکن کا سایہ بھی ۔۔۔ مرے جلال کو طعنِ شکستہ پائی نہ دے

ہوئی قلمروِ نظارہ نُور سے خالی ۔۔۔ بجز دھوئیں کے کہیں روشنی دکھائی نہ دے

عطا ہوئی ہے قلم کی سکندری ہم کو ۔۔۔ ہمارے ہاتھ میں تو کاسۂ گدائی نہ دے

یہ مجھ سے کہتا ہے اخترؔ نگار ناخواندہ
کہ خُون میں ڈوبی ہوئی زیست کی دہائی نہ دے

(اربابِ قلم۔ کراچی)

---

عکسِ رُخِ نگار ہے جامِ شراب میں ۔۔۔ ہے آفتاب جلوہ نما آفتاب میں

کچھ تو کمی ہو روزِ جزا کے عذاب میں ۔۔۔ اب مئے پیا کریں گے ملا کر گلاب میں

مجھ سے نہ اب حقیقتِ تعبیر پوچھیے ۔۔۔ وصلِ صنم کے نقش نظر آئے خواب میں

اُن کی بساطِ حُسن نے پانسہ پلٹ دیا ۔۔۔ خورشید و مہ کو مات ملی آب و تاب میں

کب تک تہِ نقاب رہے گی حیا و شرم ۔۔۔ کب تک رہے گا ماہ نہفتہ سحاب میں

رُخسار و چشمِ یار کی تصویر دیکھنا ۔۔۔ نرگس کے پھول باندھ دیئے ہیں گلاب میں

ہے بوستانِ عمر میں دو روز کی بہار ۔۔۔ دُنیا کے انبساط کو دیکھا ہے خواب میں

جلتا ہوں مَیں بھی اہلِ جہنم بھی ہاں مگر ۔۔۔ وہ کم ہیں اور مَیں ہوں زیادہ عذاب میں

کس نے خرامِ ناز محشر بپا کر دیا ۔۔۔ یہ کون آگیا دلِ خانہ خراب میں

اخترؔ یہ پائے ناز پر اب تک جھکا رہا
لیکن یہ سر جھک گیا اب تیری جناب میں

---

آنکھوں میں ہے بہار تماشا کہیں جسے
دل میں ہے اشتیاق کی دُنیا کہیں جسے

پیدا کیا ہے مشقِ تصوّر سے قلب میں
عکسِ جمالِ یار کا جلوہ کہیں جسے

اے میرا حال پُوچھنے والو بتاؤ تو
ایسا بھی ہے کوئی کہ مسیحا کہیں جسے

اے دوست کیوں ہے میری مصیبت پہ خندہ زن
یہ عیش وہ ہے عشرت رعنا کہیں جسے

اس کا جمال پیشِ نظر مدّتوں سے ہے
تسکین جان و دل کا سہارا کہیں جسے

ہم تو تیری گلی کو سمجھتے ہیں اپنا عرش
کیا جانے کیا ہے عرشِ معلّیٰ کہیں جسے

اخترؔ وہ ساری بزم میں بدنام ہو گئے
میری وہ کیا نگاہ تھی رسوا کہیں جسے

(ماہنامہ "الوارث" ۱۹۶۳ء کراچی)

---

# میر احدی اجمیری وارثی

## غزل

مل جائے مسرت کی دولت دلِ حیران کو
دیکھوں جو شبِ فرقت میں اُس مہ تاباں کو

ہے زخمِ جگر کاری ۔ ہے درد سے جاں عاری
مَیں ڈھونڈتا پھرتا ہوں اک عیسیٰ دوراں کو

ہم جوشِ محبت میں ہم رنج و مصیبت میں
سینے سے لگاتے ہیں سیپارۂ قرآں کو

روشن ہیں دل و دیدہ جس کے رُخ روشن سے
چُومیں گے قیامت میں اُس ماہ کے داماں کو

آنکھوں کو بچھاتا ہوں مَیں جادۂ یثرب میں
پلکوں سے اٹھاتا ہوں ہر خار بیاباں کو

اک حشر مچا دیں گے طوفاں اُٹھا دیں گے
جوش آیا سرِ کوثر گر دیدۂ گریاں کو

کرتا ہوں تلاوت جب اس مصحفِ عارض کی
والفجر سُناتا ہوں شامِ شبِ ہجراں کو

مَیں شکر بجا لاؤں دل سے ترے احساں کا
اے ابرِ کرم اگر دھو دے تو نامۂ عصیاں کو

جو موت سے ڈرتے ہیں جینے پہ جو مرتے ہیں
اے میرؔ وہی ڈھونڈھیں بس چشمۂ حیواں کو

# بزمی وارثی

## غزل

میرے بچھڑے ہوئے ہمدم میرے دیرینہ حبیب

میرا ہر خواب ہے لب تشنۂ تعمیر اے دوست
میری گویائی ہے بے جاں سی تحریر اے دوست

اجنبیت نظر آتی ہے مجھے راہوں میں
کتنا مغموم سا رہتا ہوں سفر گاہوں میں

جلوہ گاہوں سے گزرتا ہوں مگر بے معنی
بہ ہر انداز سنورتا ہوں مگر بے معنی

نہ خیالوں میں تسلسل نہ ارادوں میں ثبات
تُو نے کیوں چھین لی مجھ سے مری زنجیر حیات

تیری پُر جوش رفاقت ہے سر ذہنِ ندیم
میرے گیتوں میں سمویا ہے ترا لحن ندیم

ہم کہ بچھڑے نہ کبھی عرصہ بچپن سے ندیم
دو الگ راہوں میں کیوں آج یہ آوارہ ہیں

کچھ نہیں پختگی شوق میں ناکارہ ہیں

میری مجبوری جسے تُو نے ارادہ سمجھا
میری کمزوری فطرت کا اعادہ سمجھا

وقت نے بڑھ کے دلِ صاف کو بے نُور کیا
اور یُوں تجھ کو رفاقت سے مری دُور کیا

ہم کہ بچھڑے نہ کبھی عرصہ بچپن سے ندیم
دو الگ راہوں میں کیوں آج یہ آوارہ ہیں

کچھ نہیں پختگی شوق میں ناکارہ ہیں

(شاعر۔ مئی ۱۹۴۹ء آگرہ)

---

# شیخ احمد واہ وارثی

آپ سلسلہ عالیہ وارثیہ سے منسلک تھے۔ حالاتِ زندگی پردہ اخفا میں ہیں۔ آپ کا کلام محدود ذرائع کی وجہ سے دستیاب نہیں ہُوا۔ مندرجہ ذیل کلام بھی رسالہ حامی سُخن بمبئی کا مطبوعہ ہے۔ سن ۱۹۲۵ء درج ہے۔

دل بے تاب اپنا کس قدر مضطر ہے فرقت میں
ہماری جان بھی جائے گی اک دن یادِ حضرت میں

ہزاروں حسن ہیں نور و جمال عرش رفعت میں
ہزاروں راز ہیں سرکار کی مُہر نبوت میں

مسلمان شوق میں میلاد میں آنکھوں پہ رکھتے ہیں
گُلِ رخسار احمدؐ کی ہے بُو پھولوں کی رنگت میں

گنہ گاراں اُمت ساتھ ہوں گے حشر کے دن سب
رسُولؐ اللہ جائیں گے کبھی تنہا نہ جنت میں

بہارِ گلشن طیبہ اگر لکھی ہے قسمت میں مدینے کے چمن کا رنگ جا کر ہم بھی دیکھیں گے

مدینے میں جو یاروں نے نہ دفنایا پسِ مُردن
گھڑی بھر چین آئے گا نہ ہم کو واہ تُربت میں

---

# وفا وارثی اجمیری

سرزمین اجمیر (راجستھان بھارت) اہلِ دل اہلِ محبت کی آماجگاہ ہے۔ اس خطہ میں ہزاروں جانثارانِ اسلام پیدا ہوئے جنہوں نے تبلیغ اسلام کی خاطر جان و مال کی قربانیاں دیں اور مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔ اس خطہ ارض میں سب سے پہلے سلسلہ عالیہ چشتیہ کے سلطان الہند خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ نے پرچم اسلام گاڑے۔ اس خطہ پاک میں اہلِ قلم حضرات بھی پیدا ہوئے۔ انہیں حضرات میں سلسلہ عالیہ وارثیہ کے ایک اہلِ قلم حضرت وفا وارثی صاحب اجمیری ہوئے ہیں۔ " کا کلام دستیاب نہیں ہوا مگر ایک نعت جو رسالہ "حقیقت اسلام" (لاہور) جولائی ۱۹۲۲ء میں چھپی ہے قارئین کرام کی نذر کرتا ہوں۔

## نعت شریف

اُن کے قدموں میں دم نکل جائے ہر بلا آئی سر سے ٹل جائے
خاک چھانوں میں ہند کی کب تک اب تو قسمت مری بدل جائے
غیر حالت ہے ہجر میں دل کی وہ جو آئیں تو کچھ سنبھل جائے
مَیں تو جاتا ہوں اب مدینے کو قافلہ آج یا کل جائے

آرزو ہے وفا یہی اپنی
اُن کے قدموں میں دم نکل جائے

---

# حامد وارثی

آپ بمقام حاجی والا ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ گھر کے ماحول سے متاثر ہو کر زندگی درویشانہ رکھی۔ بچپن ہی سے طبیعت شعر کہنے کی طرف مائل تھی۔ یوپی کے قیام کے دوران حضرت سیماب اکبر آبادی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ حضرت سرکار عالم پناہ حضرت وارث پاک علیہ الرحمۃ کے سلسلہ عالیہ سے منسلک ہو جانے سے شاعریِ کا ایک دوسرا رنگ پیدا ہو گیا۔ بجائے قال کے حال میں مست رہتے ہیں۔ صاحبِ دیوان ہیں۔ دو کتابیں "میلادِ

حامد" اور" نغمۂ نور" کے نام سے شائع کیں۔ زیادہ تر حضور پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شانِ اقدس میں نعتیہ کلام لکھا ہے۔ اور سارا کلام عشقِ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سرشار ہو کر کہا ہے جو سُنتا ہے اُس پر بھی کیفیت طاری ہو جاتی ہے ۔

## نعت شریف

جہاں بے حقیقت میں حقیقت لے کے آیا ہوں
مَیں دل میں کملی والے کی محبّت لے کے آیا ہوں

عقیدت لے کے آیا ہوں، ارادت لے کے آیا ہوں
خوشا قسمت! سعادت ہی سعادت لے کے آیا ہوں

شہِ منصور کی خونیں روایت لے کے آیا ہوں
گراں مایہ متاعِ دردِ ملّت لے کے آیا ہوں

دلِ بے خود سے اُٹھتی ہے انا الحق کی صدا ہر دم
ترستے ہیں جسے قدسی وہ دولت لے کے آیا ہوں

غلامِ مصطفےٰ ہوں اے فرشتو پُوچھتے کیا ہو
مَیں دُنیا ہی سے اپنے ساتھ جنّت لے کے آیا ہوں

غمِ دُنیا، غمِ عقبےٰ، غمِ ملّت، غمِ جاناں !
ذرا سی جان مگر صدہا مصیبت لے کے آیا ہوں

نظر اُٹھتے ہی پڑتی ہے رُخِ جاناں پہ اے حامدؔ
بڑی باذوق و پُر تاثیر فطرت لے کے آیا ہوں

---

## نعتیہ رُباعی

نعت لکھتا ہوں تو آتا ہے سُرور
سامنے ہوتے ہیں گویا کہ حضور
اُس کے ایماں میں شُبہ ہے مجھ کو
جو سمجھتا نہیں آقا کو نُور

---

آنکھ اُن کی پھر آلودۂ نم دیکھ رہا ہوں
خود پر اُنہیں، مائل بہ کرم دیکھ رہا ہوں

اے جذبِ محبّت! تیرے مقدور پہ قرباں
کونین تیرے سامنے خم دیکھ رہا ہوں

عنواں تیرا، ذکر تیرا، لفظ ترے ہیں
مَیں ہاتھ میں صرف اپنے قلم دیکھ رہا ہوں

پردے سے ذرا دیکھ! مرا ذوقِ تماشہ
بے پردہ تجھے تیری قسم دیکھ رہا ہوں

پڑھ لیتا ہوں ہر امرِ مقدّر کو مَیں دل پر
جیسے کہ سوئے "لوح و قلم" دیکھ رہا ہوں

ہر نقش پہ ہے ترا نقشِ کفِ پا!
بُت خانہ میں بھی سوئے حرم دیکھ رہا ہوں

---

سانس آتا رہے سانس جاتا رہے / درد اُٹھ اُٹھ کے دل کو بٹھاتا رہے
عمر گزرے اسی کشمکش میں مری / غم ستاتا رہے خُوں رلاتا رہے
بادِ رحمت مدینہ سے چلتی رہے / غُنچۂ آرزو مُسکراتا رہے
مَیں ہمہ وقت محوِ نظارا رہوں / تو سرِ بام جلوہ دکھاتا رہے
ہمسفر نہ کوئی اور نہ راہبر / عشق خود راہ طیبہ دکھاتا رہے
پردے پردے میں پیتا رہوں جامِ مے / آنکھوں آنکھوں میں کوئی پلاتا رہے
برق گرتی رہے جان جلتی رہے / قلب صدموں پہ صدمے اُٹھاتا رہے
ذکر میلاد ہوتا رہے دھر میں / اہلِ محفل پہ رحمت برستی رہے

فکرِ دُنیا کی کوئی نہ حامدؔ کو ہو
نغمے تیرے سدا گنگناتا رہے

---

آگے جو بڑھا آقا تو بڑھتا ہی گیا ہے / قدموں کے تلے حبذا آج عرشِ علیٰ ہے
اعزاز تجھے اوّل و آخر کا ملا ہے / ہیئت بھی جدا تری ہے خلقت بھی جُدا ہے
کوئی بھی تو یہ کہہ نہیں سکتا کہ تُو کیا ہے / آگاہ تری اصل سے یا تُو یا خدا ہے
سب کچھ ترا ہے جو بھی یہاں ترے سوا ہے / خلقت بھی تری خالق اکبر بھی ترا ہے
ہر فوق کو ہے فوق ترے فوق سے حاصل / ہر ایک عطا تری عطا ہی کی عطا ہے

حامدؔ رہے آباد سدا شہرِ نبیؐ کا
جنت سے بھی مرغوب مدینے کی فضا ہے

---

## شائقؔ وارثی

بے سکونی میں سکونِ قلب ہے حاصل مجھے / اضطراب دل نہیں ہے اضطراب دل مجھے
کھینچ لُوں منزل کو مَیں یا کھینچ لے منزل مجھے / ہے بہر صورت یقین جذبۂ کامل مجھے
کر دیا میری بے خودی نے آج اس قابل مجھے / اپنے پہلو میں لئے لیتی ہے خود منزل مجھے
ذوقِ آسانی سے مطلق ہو چُکا نا آشنا / اب کوئی مشکل نظر آتی نہیں مشکل مجھے
چشمِ حق بیں ہو چلی ہے شاد کامِ آرزو / توڑتا ہے اب طلسمِ جلوۂ باطل مجھے

میری فطرت تو ازل ہی سے تھی آزادی پسند — کیوں کسی نے کر دیا پابندِ آب و گل مجھے
مرحبا اے اضطراب ذوقِ تکمیلِ طلب — لے اُڑی ہے جانبِ منزل ہوائے دل مجھے
ہو چکا ہوں بے نیازِ شوق و ذوقِ آرزو — اب لبھا سکتی نہیں رنگینیِ محفل مجھے
اس نگاہِ ناز کے پُر کیف جلووں کی قسم — اب کہاں ممکن سکُون اضطرابِ دل مجھے
مرحبا جوشِ تمنا مرحبا ذوقِ نظر — ہو گئی تمیزِ حُسن و عشق میں مشکل مجھے

مشکلاتِ راہ میں ہمت شکن شائق مگر
شوقِ منزل کھینچتا ہے جانبِ منزل مجھے

(زمانہ، کان پور)

---

اے نگار شعر و نغمہ! اے عروسِ رنگ و بُو — ہر ادائے مست تیری کیف بار و دمے فردش
برگ برگِ باغِ ہستی کو ہے تیری آرزو — کائناتِ دل کا ہر ذرہ ترا حلقہ بگوش

---

تا بہ کے محمل نشینی۔ تا بہ کے شرم و حجاب — تا بہ کے صحرا نوردی، تا بہ کے جوشِ جنوں
تا بہ کے چشمِ محبت زا میں رنگِ اجتناب — تا بہ کے دامانِ ہستی میں یہ اشکِ لالہ گوں

---

اے بہارِ گل بداماں، گلشنِ فطرت نوار — آ پیامِ زندگی دے اک فسردہ رُوح کو
جذب ہو جائیں بیک دیگر بہم ناز و نیاز — اک نئی دُنیائے حُسن و عشق کی تخلیق ہو

---

خود بخود ہو جائے آغوشِ تمنا بے قرار — قلب میں انگڑائیاں لیں اشتیاق و آرزو
کاش! تیرا دل بھی ہو میری طرح بے اختیار — کاش! ہو میری طرح تجھ کو بھی میری جستجو

---

پردا داری کے عوض پردہ دری کی رسم ہو — حُسن کی دُنیا میں ہو اے کاش! ایسا انقلاب
کاش! ہو تسکین چشم و قلب و جان رُوح کو — کاش! ہو جائے ہر اک ناکامِ حسرت کامیاب

---

اے کہ تیرے سامنے شرمندہ گلشن کی بہار — اے سراپا حُسن و خُوبی اے نگارِ رنگ و بو
اے کہ تیرے عشق میں بُلبُل کا دل ہے بے قرار — اے کہ ہر اہلِ گلستان کو ہے تیری آرزو
اے کہ چمن آرائے فطرت شاہدِ رنگیں ادا — تیری رعنائی سے ہیں نسرین و لالہ فیضیاب

اے کہ شمس ضوفشاں آئینہ تیرے حُسن کا
کر رہا ہے اکتسابِ نُور تجھ سے ماہتاب

اے کہ تُو ہے باعثِ آرائشِ بزمِ جہاں
اے کہ رشکِ شمعِ روشن اے کہ تصویرِ وفا

ذرّے ذرّے سے عیاں ہے تیرا حُسن زرفشاں
اے مجسّم حُسن! میری بزمِ خلوت بزم میں آ

آ کہ حُسن وعشق میں ہو جائے باہم اختلاط
آ کہ دونوں مل کے گائیں نغمۂ عیش ونشاط

---

کسی کو کیا بتاؤں کیوں مٹا دی زندگی اپنی
بقا عین بقا - ذوقِ فنا میں دیکھ لی اپنی

سُنا ہے حُسن پھر اُٹھا ہے پیغامِ وفا لے کر
الٰہی خیر! ہے بیتاب چشمِ ملتجی اپنی

جبیں شوق کے سجدوں پہ سجدے تابہ کے آخر
جو تو ہو سامنے تو بندگی ہو بندگی اپنی

مری آنکھیں ہیں یہ تارے مرا رونا ہے یہ شبنم
بکھر کر رہ گئی ہے داستاں بے کسی اپنی

نہ مستی ہے نہ ہستی ہے نہ کلفت ہے نہ راحت ہے
یہاں تک تو مجھے لے آئی ہے وارفتگی اپنی

بعید از فہم ہے میری ہمہ رنگی وہم رنگی
جو کچھ مَیں جانتا ہوں بس حقیقت ہے وہی اپنی

ادا جو ترے قدموں پہ ہوا وہ ایک سجدہ تھا
مگر یُوں تو ہے ذوقِ جبیں افتادگی اپنی

تمناؤں کی کوئی زندگیاں لے کر آیا تھا
وہ رنگین لمحے جب تھی زندگی اک زندگی اپنی

جو سوزِ عشق سے اُڑ کر فضاؤں میں پریشاں تھیں
وہی چنگاریاں جب مل گئیں ہستی بنی اپنی

حدیثِ برق و ایمن دامنِ فطرت پہ کندہ ہے
فضاؤں پر وہ خود پھیلا رہے ہیں روشنی اپنی

جسے کہتے ہیں موت اک بے خودی کی نیند ہے شائق
پریشانی ہے جس کا نام وہ ہے زندگی اپنی

(ماہنامہ "ندیم" بھوپال سالگرہ نمبر
فروری ۱۹۴۰ء)

# فرحت وارثیہ

## جلوۂ وارث

کرم اتنا تو مجھ پر اے مرے سرکار ہو جائے
کہ جب میں سر جھکاؤں آپ کا دیدار ہو جائے

مرے وارثؒ کی جو مجھ پر نظر اک بار ہو جائے
بہت آساں مری ہر منزل دشوار ہو جائے

نہ پوچھو جلوۂ وارث کی عظمت مختصر یہ ہے
اگر بے خود اُسے دیکھے تو وہ ہوشیار ہو جائے
مرے دل سے کوئی پوچھے حقیقت عشق وارث کی
یہ وہ مے ہے کہ جو پی لے وہی سرشار ہو جائے
عنایت کی نظر سے دیکھ لیں مجھ کو اگر وارث
مری سوئی ہوئی قسمت ابھی بیدار ہو جائے
رواں ہے بحرِ غم میں مدتوں سے کشتی فرحت
کرم کر دیں اگر وارث تو بیڑا پار ہو جائے

---

# نادر حسین قدوائی وارثی

## تضمین بر غزل حضرت بیدم شاہ وارثی

بارک اللہ فی القرآن خیر البیان پنجتنؑ
آیۂ تطہیر وصفِ دُودمانِ پنجتنؑ
اِنَّہٗ ما جاء اِلہ عزّ و شانِ پنجتنؑ
حضرت وارث چراغ خاندان پنجتنؑ
یادگارِ پنجتنؑ نام و نشان پنجتنؑ

کر دیا تلقین یُوں عشقِ حقیقی کا شغف
کل مذاہب پا گئے رشد و ہدایت ہر طرف
رہبرِ برحق ہے تو شہزادۂ شاہِ نجف
نیّر بُرجِ سیادت گوہرِ تاجِ شرف
اے گُلِ زہراؑ بہار بوستان پنجتنؑ

پرتوِ وحدت مجسّم پیکرِ نُورِ خدا
جانشین مصطفٰےؐ ارث علی مرتضٰےؑ
مرضیٔ حق سب پہ فائق آپ کا مسلک رہا
شاہِ تسلیم و رضا ابنِ شہیدِ کربلا
خواجۂ گل گوں قبا رُوحِ رواں پنجتنؑ

دھوم تیری فرش سے ہے لے کے تا عرشِ بریں
خُوب چمکا دہر میں مُہرِ نبوت کا نگیں
مرجعِ شان و شکوہِ رحمت العالمینؐ
سبز گنبد کے مکیں اے وارث دُنیا و دین
راحتِ قلبِ حزیں اے جانِ جانِ پنجتنؑ

حبّ آلِ مصطفٰےؐ کا یہ بڑا فیضان ہے
جس کو اُن سے عشق ہے کامل وہی انسان ہے
اک نادر کیا فدائی دو جہاں قربان ہے
خاکِ بیدمؔ کے ہر اک ذرّہ کو یہ ارمان ہے
کاش ہم ہوتے غبارِ کاروانِ پنجتنؑ

(جلوہ گاہ۔ لکھنؤ۔ اکتوبر ۱۹۶۲ء)

# روشن وارثی شاہجہان پوری

دل بتائے وارث جان ہے فدائے وارثؒ ہے جان و دل کا حاصل اک اک ادائے وارثؒ
دُنیا کی کیا ہے ہستی عقبیٰ کی کیا حقیقت ایمان کی تو یہ ہے ہم ہیں گدائے وارثؒ
اے شیخ حور و غلماں تجھ کو تیرے مبارک ہم کو نہ چھیڑ ظالم ہم ہیں گدائے وارثؒ
اک کافرِ محبت کی رہبری سے روشن
حاصل کیا ہے ہم نے فخر گدائے وارثؒ

(ماخذ از جلوہ گاہ لکھنؤ ۱۹۶۱ء)

---

# وحشی وارثی

آپ کا نام فضل الدین خاں اور وحشی تخلص کرتے تھے۔ آباؤ اجداد آگرہ کے باشندے تھے۔ آپ کے والد محبوب خاں صاحب وارثی تھے۔ ریاست بھرتپور میں ٹھیکیداروں کی خدمات انجام دیتے تھے۔ وحشی وارثی صاحب نے ابتدائی اُردو اور فارسی کی تعلیم گھر ہی پر حاصل کی۔ اس کے بعد وکٹوریہ ہائی سکول میں انٹرنس تک پڑھتے رہے، لیکن بعض ذاتی وجوہ کی بنا پر شریکِ امتحان نہ ہو سکے اور تعلیم ترک کرنا پڑی۔ ذوقِ شاعری طالب علمی کے زمانے سے ہی پیدا ہو گیا تھا؛ چنانچہ ۱۹۲۰ء سے جو کچھ کہنا شروع کیا اُسے لحاظ کی وجہ سے مُدت تک کسی کو نہ دکھایا۔ آخر جب یہ سمجھ لیا کہ آپ ترکِ شعر گوئی نہیں کر سکتے تو ۱۹۲۳ء سے منشی فیض الدین صاحب مفید اکبر آبادی سے شرفِ تلمذ حاصل کیا جو نثار اکبر آبادیؒ کے شاگرد تھے۔

## نمونۂ کلام

دل تو پہلو میں تھا لیکن امتیازِ دل نہ تھا اضطراب دل نے بخشا امتیازِ دل مجھے
تم نے سر رکھنے دیا اپنے پائے ناز پر تم نے کب سمجھا نیازِ عشق کے قابل مجھے

---

تمہاری دید کے مشتاق سر بسجدہ ہیں نقاب اب تو اُلٹ دیجیے خدا کے لیے

---

حُسن ہی تو ہے حقیقت میں بنائے اُلفت کافرِ عشق ہیں جو حُسن کو سجدہ نہ کریں

---

# مائل صدیقی الوارثی

میرے پاس ایسی زباں کہاں تیری شان جل جلالہٗ
تیری حمد کو جو کرے بیاں تیری شان جل جلالہٗ
ہیں چمن میں سینکڑوں بجلیاں مجھے کون جز تیرے دے اماں
میرا چار تنکوں کا آشیاں تیری شان جل جلالہٗ
جہاں شیطنت کا ظہور ہے جہاں ظُلمتوں کا وفور ہے
تیرا حُسن ہے وہیں ضوفشاں تیری شان جل جلالہٗ
نہ مٹا سکیں نہ مٹا سکے مجھے کائنات کے حادثے
میری زندگی کی ہے پاسباں تیری شان جل جلالہٗ
جو تھے ظُلمتوں میں گرے ہُوئے جو تھے تیرے دین سے پھرے ہوئے
اُنہیں راہ حق کے ملے نشاں تیری شان جل جلالہٗ
تیرا حُسن ہے میرا مدعا تیرا عشق ہے میرا رہنما
تیرا ذکر ہے میری داستاں تیری شان جل جلالہٗ
مجھے ہر قدم تیری جستجو مجھے ہر نفس تیری آرزو
مجھے اپنا غم ہے نہ غم جہاں تیری شان جل جلالہٗ
غم دو جہاں سے بچا کے تُو مجھے اپنی حفظ واماں میں رکھ
میرے رہنما میرے پاسباں تیری شان جل جلالہٗ
جو غم دو جہاں سے اُداس ہے جسے صرف تیری ہی آس ہے
مَیں وہی ہوں مائل خستہ جاں تیری شان جل جلالہٗ

(ماہنامہ "نئی دہلی"، جلد نمبر ۳۸، شمارہ نمبر ۳)

# اعجاز وارثی اٹاوی

آپ سلسلہ عالیہ وارثیہ میں داخلِ سلسلہ تھے، کِس کے ذریعے ہوئے یہ نہیں معلوم۔ سرکار عالم پناہ بانی سلسلہ وارثیہ حضرت حافظ سید وارث علی شاہ علیہ الرحمتہ کے سالانہ عُرس مبارک پر ریکارڈ کیا گیا اُن کا کلام۔

وہ جس کے دل پہ تیری بندہ پروری ہوجائے سیاہ کار خدا کی قسم ولی ہو جائے
یہ آرزو ہے کہ معراجِ زندگی ہوجائے غلام کی درِ آقا پہ حاضری ہوجائے
تمہارے دستِ عنایت سے اے مرے وارث عطا کی مجھے تو محبت کی زندگی ہوجائے
دمِ آخر تیرے در پہ جبیں ہو قبول کاش! تمنائے زندگی ہوجائے
تجلیاتِ الٰہی سے اے مرے آقا سیاہ خانۂ ہستی میں روشنی ہو جائے
خدا کے واسطے اپنا جمال دکھلا دو جو تم کو دیکھ لے بیشک وہ جنتی ہوجائے
حسنؓ حسینؓ کا دیتا ہوں واسطہ تم کو مرے بھی حال پہ اب بندہ پروری ہوجائے
خدا کرے مرے وارث وہ دن بھی آئے کبھی
نثار آپ پہ اعجازؔ وارثی ہو جائے

---

ہم سے اعجازؔ کوئی پوچھے تو بتلائیں اُسے اُن کے دیوانۂ اُلفت اُنہیں کیا کہتے ہیں
کوئی وارث کوئی سرکار اُنہیں کہتا ہے لیکن ہم اُن کو محبت کا خدا کہتے ہیں

---

تمہاری ذات ہے وہ پاک ذات یا وارث کہ جس میں سب ہیں خدا کی صفات یا وارث
تمہارا ہاتھ نبیؐ کا ہے ہاتھ یا وارث تمہاری ذات علی کی ہے ذات یا وارث
کچھ ایسا لگتا ہے اک تیرے ساتھ رہنے سے کہ جیسے ساری خدائی ہے ساتھ یا وارث
بھٹک رہا تھا سرِ راہ کاروانِ حیات دکھائی تم نے ہی راہِ نجات یا وارث
سرِ نیاز جُھکا کر سلام کرتی ہے دل و نگاہ کی کُل کائنات یا وارث
اُمّید وار ہے اعجازؔ چشمِ رحمت کا
ادھر بھی ہو نگاہِ التفات یا وارث

---

# حیات وارثی لکھنوی

آپ کی بیعت سلسلہ عالیہ وارثیہ میں تھی۔ آپ زیادہ تر نعت شریف لکھتے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت تھی۔

## نعت شریف

بلا لو سرکار اپنے در پر دُرود تم پر سلام تم پر کرم ہو مجھ پر بھی بندہ پرور دُرود تم پر سلام تم پر

ذہن ہے سرچشمۂ صداقت زباں ہے گنجینۂ فصاحت
لبوں پہ قربان موجِ کوثر ۔ " " " "
تمہیں ہو شمعِ حریمِ داور درود تم پر سلام تم پر
ہیں تم سے دوجہاں منوّر درود ۔ ۔ ۔ " "
گزر ہو گیا جانبِ مدینہ تو مری جانب سے باقرینہ
یہ عرض کرنا صبا مکرّر " ۔ ۔ " "
پھر اور اب کس کے در پہ جائیں، کسے غمِ زندگی سنائیں
تمہیں ہو جب بیکسوں کے یاور " ۔ ۔ " "
راہِ ہدیٰ سے ہٹائے گا کیا زمانہ اُس کو مٹائے گا کیا
تمہاری سیرت ہو چکی رہبر " " " " "
کبھی تو آئے گا وہ زمانہ کبھی تو ہو گا مدینہ جانا
پڑھوں گا روضہ پہ سر جھکا کر " " ۔ "
جو قبر سے اُٹھوں روزِ محشر یہی ہو نغمہ حیاتؔ لب پر
شفیعِ محشر قسیمِ کوثر درود تم پر سلام تم پر

---

دل میں ترے خیال کی دولت لیے ہوئے
بیٹھا ہوں دو جہاں کی دولت لیے ہوئے
آ، اے نسیم کوئے مدینہ ادھر بھی آ
پیراہنِ حبیبؐ کی نکہت لیے ہوئے
دولت سرائے ساقیِ کوثر پہ جبریل
حاضر ہیں قدسیوں کی جماعت لیے ہوئے
اک اک چراغ بزمِ رسالت مآب کا
ہے نورِ آفتابِ رسالت لیے ہوئے
جب سے خیالِ قبلۂ کونین دل میں ہے
ہر اک نفس ہے شانِ عبادت لیے ہوئے
فیضِ جمالِ ماہِ نبوّت نہ پوچھیے
ہے ذرّہ ذرّہ نورِ حقیقت لیے ہوئے
چھائی ہوئی حرم پہ گھٹائیں ہیں نور کی
کون آ گیا یہ ساغرِ وحدت لیے ہوئے
اُس دل کی قدر و قیمت و عظمت نہ پوچھیے
جو دل ہے اُن کے درد کی لذّت لیے ہوئے
سرکارؐ خود بلا کے سُنیں کوئی تازہ نعت
دل میں حیاتؔ ہوں یہی حسرت لیے ہوئے

---

حُسن و اخلاق و محبّت کا ستارہ چمکا
آج کونین کی قسمت کا ستارہ چمکا
ابنِ مریم نے کبھی جس کی بشارت دی تھی
ارضِ بطحا پہ وہ رحمت کا ستارہ چمکا
جلوہ افروز ہوئے نازشِ بزمِ کونین!
آج عالم میں ہدایت کا ستارہ چمکا
زینتِ بزم ہوئے ختمِ رُسل سرورِ دین
اے زمیں اب تری عظمت کا ستارہ چمکا
شافعِ روزِ جزا آئے ہیں ساقی بن کر
تشنہ کامانِ محبت کا ستارہ چمکا
سایۂ دامنِ سرکار میں ہوں آج حیاتؔ
اب مرے اشکِ ندامت کا ستارہ چمکا

شیشے میں حسیں بادۂ گلفام حسیں ہے
مئے خانہ اسلام کا ہر جام حسیں ہے

محراب کی رونق ہے کوئی زینتِ ممبر
اصحابِ محمدؐ کا ہر ایک نام حسیں ہے

فردوس کے باغوں کی بہاروں سے زیادہ
آرام گہہ ساقیٔ اسلام حسیں ہے

اللہ رے تنویرِ رُخ و زلفِ محمدؐ
ہر صبح فروزاں ہے ہر اک شام حسیں ہے

اے صلِ علیٰ عارضِ ساقی کی بہاریں
مئے خانہ منوّر ہے ہر اک جام حسیں ہے

زُلفوں کا تصوّر سلاموں کی ہے بارش
مجبورِ غمِ عشق کی ہر شام حسیں ہے

کونین نے پائی ہے حیات اس سے تجلّی
وہ عرش سے بھی جلوہ گہہ عام حسیں ہے

---

صبح مدینہ مطلعِ ایماں
شامِ مدینہ نورِ بداماں

مل گئے تم تو مل گیا سب کچھ
اب نہ چھُٹے گا ہاتھ بداماں

شانِ کریمی، شانِ حبیبی
فرش کے سلطاں عرش کے مہماں

دین کا پرچم زینتِ کعبہ
کفر و جہالت چاک گریباں

بزمِ وحدت بزمِ تجلّی
ساغرِ عرفاں رقصاں رقصاں

صلِّ علیٰ وطیبہ کی بہاریں
ہر غنچہ فردوس بداماں

آتشِ فارس مدہم مدہم
نورِ الٰہی رخشاں رخشاں

عشق حیات اللہ نبیؐ کا
میرا مذہب میرا ایماں

---

ہے بہاروں پر مدینہ گلستاں آج بھی
ہر پھول ہر کلی ہے جنت بداماں آج بھی

باوجود بے کسی رہ رہ کے اُٹھتے ہیں قدم
سوئے طیبہ کھینچتا ہے کوئی داماں آج بھی

اُن کا کیا کہنا جن کے آستانِ ناز کا
ذرہ ذرہ ہے چراغ راہ عرفاں آج بھی

اس پر بھی اک نظر اے ناخدائے بحرِ غم
اُٹھ رہے ہیں ہر طرف ساحل سے طوفاں آج بھی

مرحبا اے سوزِ غم اے حاصلِ عشقِ نبیؐ
کچھ ستارے ہیں مری پلکوں پہ ارزاں آج بھی

اس کے بعد اے ذوقِ نظارہ تیری تقدیر ہے
آفتابِ نورِ وحدت ہے درخشاں آج بھی

نور کے چشمے اُبلتے ہیں حریمِ ناز سے
جلوہ فگن ہے عرب کا ماہِ تاباں آج بھی

کارفرمائی جن کی نظر آئی تھی طُور پر
خاکِ طیبہ میں وہی جلوے ہیں پنہاں آج بھی

جس کو نسبت ہے سراج السالکین سے اے حیاتؔ
بزمِ عالم میں ہیں وہ شمع فروزاں آج بھی

---

اب سنائے کسے حالِ دلِ سوزاں کوئی
صاحبِ درد تو ملتا نہیں انساں کوئی

خاک کر کے مرے ذرّوں کو پریشاں کر دے
دل میں رہ جائے جفا کا نہ ارماں کوئی

امتحان بھی نگہ شوق کا ہو جائے گا
ہو کے دیکھے تو سرِ بزم نمایاں کوئی

مرے صیاد کو با وصفِ اسیری ہے یہ خوف
مَیں قفس میں بھی بنالوں گا گلستاں کوئی

بے کسی پر بھی میرا حوصلۂ دل دیکھئے
پھیر تو دے مری جانب رُخِ طوفاں کوئی

ہم سنبھلنے بھی نہ پائے تھے سرِ محفلِ ناز
لوٹ کے لے گیا سرمایۂ ایماں کوئی

شمع فانوس میں ہے نُور سے روشن ہے جہاں
لاکھ پردوں میں بھی رہ کر نمایاں کوئی

بادۂ عشق سے پرہیز ستم ہے زاہد
بے پیئے بھی کہیں ہوتا ہے مسلماں کوئی

اس قدر یاد ہے بس عشق کی روداد حیاتؔ
جیسے دیکھا تھا کبھی خواب پریشاں کوئی

---

# ستار وارثی

جناب ستار وارثی سے میری اکثر مُلاقاتیں کراچی میں ہوئیں۔ وہ جب بھی ملے والہانہ انداز میں ملے۔ اُن کے رنگ ڈھنگ اور شکل وشباہت سے کوئی بھی شخص اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ یہ فقیر منش آدمی نعت بھی کہہ سکتا ہے۔ ہاں اپنے کلام سے کبھی کبھی ضرور کچھ نہ کچھ تبرکاً سنا دیا کرتا تھا۔ میری اور اُن کی مُلاقاتیں ۱۹۶۰ء سے لے کر ۱۹۶۶ء تک برابر رہیں۔ ملازمت کے سلسلے میں جب میرا تبادلہ لاہور ہو گیا تو وہ کیا چھُٹے خط وکتابت بھی چھوٹ گئی۔ میرے اُن کے ساتھ سلسلہ عالیہ وارثیہ کے تعارف کے ناطے سے بھی تعلّقات تھے اور دوسرے میرے اُستاد بھائی بھی تھے۔ جس بزرگوار شخصیت سے اُنہوں نے شاعری میں اصلاح لی اُن کا اسم گرامی قبلہ مرزا راحت علی بیگ ظفر بریلوی تھا۔ اُنہیں سے راقم الحروف نے بھی مشورہ سُخن کیا۔ اُن کی ذات بھی اہلِ سُخن حضرات کے لیے ایک انجمن کی حیثیت رکھتی تھی۔ اُن کی دیرینہ خواہش تھی کہ اُن کی زندگی میں اُن کا کلام چھپ جائے مگر یہ آرزو زندگی میں پُوری نہیں ہوئی۔

ستار وارثی کے والد ماجد قبلہ سیدنا شاہ غفار شاہ وارثی جن کی بیعت بقول اُن کے حضرت وارث پاک علیہ الرحمۃ کے دست حق پرست پر ہوئی تھی۔ وہ سرکار پاک کے سچے عاشق اور احرام پوش تھے، فقیر تھے۔ ستار وارثی صاحب شاید اُنہیں سے بیعت تھے۔ ستار وارثی صاحب ۱۹۲۸ء میں بریلی (یو پی۔ بھارت) میں پیدا ہوئے۔ پاکستان بننے کے بعد ہجرت کر کے کراچی آگئے اور یہیں پر مستقل طور پر سکونت اختیار کر لی۔ بزرگانِ دین کی محافل میں شرکت کرنا اُن کی وضعداری میں شامل تھا اور یہ ورثہ اُنہوں نے اپنے بزرگوں سے پایا۔ ستار وارثی صاحب کا نعتیہ کلام "معطر معطر" کے نام سے شائع ہو گیا ہے اور اس کو مدینہ پبلشنگ کمپنی ایم اے جناح روڈ کراچی نے چھاپا ہے۔

ستار وارثی صاحب کی پیدائش ۱۹۲۸ء میں بریلی میں ہوئی اور وفات ۸ ، مارچ ۱۹۸۵ء کو کراچی میں ہوئی۔

مجھ پہ اتنا تو کرم خالقِ اکبر کر دے — اُن کے جلوؤں سے میرا قلب منوّر کر دے
تاج والے تیرے ادنیٰ سے بھکاری بن جائیں — تُو جو چاہے تو گداؤں کو سکندر کر دے
حُکم دریا کو جو دیدے تو وہ صحرا بن جائے — خُشک صحرا کو تو دم بھر میں سمندر کر دے
گنگ ہو جائیں بس اک آن میں سب اہلِ زباں — ایک اُمّی کو جو تو علم کا مصدر کر دے
اے حسیں تو جو اُلٹ دے رُخِ تاباں سے نقاب — سارے عالم کو ابھی بے خود و ششدر کر دے
عشق کا نشہ ہو ایسا کہ مٹا دوں ہستی — ہر نظر کو مئے توحید کا ساغر کر دے

التجا ہے ترے ستّار کی تجھ سے یا رب
اب میرا عشقِ محمدؐ ہی مقدر کر دے

---

اللہ رے شادابیٔ گلزارِ محمدؐ — ہر پھول پہ ہے بارشِ انوارِ محمدؐ
قربان کروں گلشنِ جنّت کی بہاریں — مل جائے اگر سایۂ دیوارِ محمدؐ
دکھلا دے خدا مجھ کو بھی وہ عارضِ تاباں — دل میں ہے مرے حسرتِ دیدارِ محمدؐ
سرشار ہوں پی کر مئے توحید کے ساغر — کہتا ہے زمانہ مجھے مئے خوارِ محمدؐ
انسان تو انساں فرشتے بھی ادب سے — ہیں صبح و مسا حاضرِ دربارِ محمدؐ
دیدار کے عوض یہاں خود بکتے ہیں عاشق — دیکھے تو کوئی گرمیٔ بازارِ محمدؐ

ستّار اُٹھیں جھوم کے رحمت کی گھٹائیں
کھُل جائیں اگر گیسوئے خم دارِ محمدؐ

---

بہارِ صبحِ ازل ہے جمالِ روئے رسولؐ — جسے بھی دیکھیے ہے محوِ آرزوئے رسولؐ
عروجِ فکر و نظر شرحِ گفتگوئے رسولؐ — کمالِ لطف و عطا ہے کمالِ خوئے رسولؐ

ہر ایک ذرّہ دل میں اُن کا عکسِ جمیل
نگاہِ شوق کو پھر بھی ہے آرزوئے رسُولؐ

ہے اُن کا حُسنِ تبسّم چمن میں عطر فشاں
ہر ایک غُنچہ و گُل میں بسی ہے بُوئے رسُولؐ

ملی ہے مجھ کو عجب لذّتِ سجود و قیام
زہے نصیب کہ کعبہ ہے میرا کوئے رسُولؐ

میرے حضورؐ سے میرا سلام کہہ دینا
نسیم صبح گزر ہو جو تیرا سوئے رسُولؐ

خدا مدینے میں ستّار مجھ کو پہنچا دے
تو نعت پاک پڑھوں جا کے روبروئے رسُولؐ

---

مستوں کا آپ کے ہے عجیب مطمحِ نظر
کہتے ہیں سجدہ آپ کی چوکھٹ کو چُوم کر

یہ بارگاہ حُسن عدیم المثال ہے
رُوح الامینؑ جُھکاتے ہیں اس آستان پہ سر

عاشق خدا ہے خود بھی تمہارے جمال پر
ثانی نہیں تمہارا کوئی شاہِ بحر و بر

دیکھو جسے ہے طالبِ دیدار آپؐ کا
لاکھوں سلام آپؐ پر یا سیّد البشر

نبیوں کے پیشوا ہو خدا کے حبیبؐ ہو
تم سا ہوا نہ ہو گا کہیں کوئی خُوب تر

تم رونقِ ازل ہو تمہیں حُسنِ کائنات
تم سے ہے فیض یاب ہر آئینہ نظر

ستّار وارثی ہے یہی میری بندگی
نعت رسُول پاکؐ ہے میری زبان پر

---

عجب پُر کشش ہے بہارِ مدینہ
جسے دیکھیے ہے نثارِ مدینہ

شب و روز ہوتی ہے رحمت کی بارش
معطّر ہیں لیل و نہارِ مدینہ

ہر اک سُو ہیں نقش کفِ پا کے جلوے
منوّر ہے ہر رہ گزارِ مدینہ

بہت ناز ہے تجھ کو جنّت پہ رضوان
ذرا دیکھ نقش و نگارِ مدینہ

جُھکاتی ہے سر کو یہاں سب خدائی
یہ ہے مسکنِ تاجدارِ مدینہ

وہی انتخابِ نگاہِ محمدؐ
ہُوا باعثِ افتخارِ مدینہ

جہاں چین پاتے ہیں سب غم کے مارے
وہ ہے اللہ اللہ دیارِ مدینہ

وہ چہرہ الگ سب سے چمکے گا جس پہ
قیامت میں ہو گا غبارِ مدینہ

تڑپتا ہے فرقت میں ستّار مضطر
نگاہِ کرم شہر یارِ مدینہ

---

# شاہ محمّد عمر وارثی

حضرت مولانا شاہ محمد عمر صاحب کی بیعت سلسلہ عالیہ وارثیہ میں ہوئی۔ زیادہ تر آپ نے حضور رُسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت سے سرشار ہوکر نعتیہ کلام لکھا۔

کیا وقت مبارک ہوتا ہے کیا خُوب وہ ساعت ہوتی ہے
جب ذکرِ الٰہی ہوتا ہے جب نعت رسالت ہوتی ہے
یا فرشِ زمیں پر محفل میں اس نُور کی عظمت ہوتی ہے
واں عرشِ بریں پر ملائک میں مداحوں کی مدحت ہوتی ہے
ایمان بھی تازہ ہوتا ہے دل کو بھی مسرّت ہوتی ہے
سب نعمتیں حاصل ہوتی ہیں جب دل میں محبت ہوتی ہے
تھا نُور الٰہی صاف عیاں ابلیس مگر مُنکر ہی رہا
اوصاف نظر آتے ہی نہیں جب دل میں کدُورت ہوتی ہے
بوجہل کہے تم سب سے بُرے صدیق کہے تم سب سے بھلے
آئینہ میں ہوجاتی ہے عیاں جس طرح کی صُورت ہوتی ہے
اس حُسن تصوّر کے قرباں اس فیض محبّت کے صدقے
ہر دم ہے وہ روضہ آنکھوں میں ہر وقت زیارت ہوتی ہے
ہو کوئی صحابی یا کہ ولی سب میں ہے عمؔر خوشبوئے نبیؐ
کھلتی ہے جو اس گلشن میں کلی سب میں نکہت ہوتی ہے

---

کسی شب خواب میں جلوہ دکھا دو یا رسُولؐ اللہ
مری سوئی ہوئی قسمت جگا دو یا رسُولؐ اللہ
گناہ میرے خدا سے بخشوا دو یا رسُول اللہ
مری بگڑی ہوئی باتیں بنا دو یا رسُولؐ اللہ
ابھی تو آپؐ کے سودائیوں کو ہوش آجائے
جو اپنے گیسوئے مُشکیں سنگھا دو یا رسُولؐ اللہ
کرم کر دو شہید کربلا کی پیاس کا صدقہ
مجھے دیدار کا شربت پلا دو یا رسُولؐ اللہ
اگر آنکھیں مری دیدار کے قابل نہیں آقاؐ
مجھے آواز ہی اپنی سُنا دو یا رسُولؐ اللہ
ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ کے عشق کا صدقہ
عمؔر کو دردِ فرقت کی دوا دو یا رسُول اللہ

---

وہ نُورِ خدا ہے جلوہ نما کس شان سے اپنے پیاروں میں
سُورج ہے چمکتے ذرّوں میں یا چاند ہے روشن تاروں میں
حیرت ہے جن کو مدحِ نبیؐ آئی نہ کتابِ حق میں نظر
ہم کو تو ملی نعتِ احمدؐ قرآں کے تیسوں پاروں میں
کیا کہیے رُخ و دنداں کی چمک ادنیٰ سی نظر آتی ہے جھلک
کچھ دن کو چمکتے سُورج میں کچھ رات کے روشن تاروں میں
بوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ سو جان سے تھے شیدائے نبیؐ
تھی ایک تڑپ ان چاروں میں، تھی ایک چمک ان تاروں میں
اس سرورِ دیںؐ پر جان فدا کی جس نے نمازِ عشق ادا
تلواروں کی جھنکاروں میں اور تیروں کی بوچھاڑوں میں
گو مست مئے اُلفت ہوں مگر مذہب کا بھی ہے احساس عمرؔ
دیوانہ بھی ہوں دیوانوں میں ہوشیار بھی ہوں ہوشیاروں میں

---

# معراج قدیر وارثی

آپ کی بیعت سلسلۂ عالیہ وارثیہ میں ہے۔ آپ کے خمیر میں عشق و محبّت کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہے۔ اُن کا کلام زیادہ تر غزلیات کے علاوہ نعت و سلام کا ہے۔

## نمونۂ کلام

شاہِ بطحیٰ اور اُن کے ہم نشینوں پر سلام
جنت الفردوس کے سارے مکینوں پر سلام
سُورۃ والشمس جن کی خوش نما تفسیر ہے
ان حسیں چہروں پہ ان روشن جبینوں پر سلام
آج بھی روشن ہے جن کی زندگی کا آفتاب
بھیج اے دل ان محبّت کے امینوں پر سلام
عشق میں ڈوبی ہوئی مخمور نظروں پر دُرود
شوق میں کھوئے ہوئے پُر نُور سینوں پر سلام
آج بھی جن سے چھلکتی ہے شرابِ معرفت
بادۂ توحید کے ان آبگینوں پر سلام

لے اُڑی تھی جن کی تھوڑی سی جھلک صُبحِ ازل　　معدنِ خُوبی کے ان دلکش نگینوں پر سلام
جن سے شرمندہ ہیں نظریں کوثر وتسنیم کی　　باخُلوص ان پاک سیرت پاک بینوں پر سلام
جگمگاتے ہیں جو زیرِ خاک باصد آب وتاب
اُن دفینوں پر دُرود اور ان خزینوں پر سلام
جن سے چھنتی رہتی ہے اب تک شعاعیں نُور کی　　سینۂ گیتی کے اُن نُوری دفینوں پر سلام
جن کا سونا بھی عبادت جاگنا بھی بندگی　　ان جہاں افروز ان خلوت گزینوں پر سلام
اب بھی ہیں معصوم جلوے بن کے پیغامِ حیات　　سیّدہ کی گود کے ان نازنینوں پر سلام
اب بھی معراج جن کے نقشِ پا نقشِ عمل
بھیجتے ہیں اہلِ دل ان مہ جبینوں پر سلام

---

یا نبیؐ سلامُ علیک ۔ یا رسولؐ سلامُ علیک
یا حبیبؐ سلامُ علیک ۔ صلوٰۃ اللہ علیک

آپ کی ذات مکرم باعثِ تخلیقِ عالم　　آپ پر فخرِ آدم ہو سلام پاک پیہم
یا نبیؐ سلامُ علیک ۔ " " "

صبحِ صادق کا وہ منظر اور وہ میلادِ پیمبرؐ　　بُلبُل سدرہ کے لب پر تھا یہ نغمۂ رُوح پرور
یا نبیؐ سلامُ علیک ۔ " " "

رُخ بہارِ صبحِ قدرت زلف شبگوں شامِ جنّت　　دل سراسر رازِ وحدت آئینہ دارِ حقیقت
یا نبیؐ سلامُ علیک ۔ " " "

اوّل و آخر تمہیں ہو باطن وظاہر تمہیں ہو　　حاضر و ناظر تمہیں ہو دین کے ناصر تمہیں ہو
یا نبیؐ سلامُ علیک ۔ " " "

بارش لُطف وکرم خندہ زن ہر اہلِ غم ہے　　آمد شاہِ امم ہے اب جو کچھ مل جائے کم ہے
یا نبیؐ سلامُ علیک ۔ " " "

ہر طرف جلوے نمایاں ہر طرف شمعیں فروزاں　　عرش سے تا بزمِ امکاں ہے چراغاں ہی چراغاں
یا نبیؐ سلامُ علیک ۔ " " "

سلسبیل وحوضِ کوثر خُلد کا ہر اک گُل تر　　عرش وکُرسی ماہ واختر سب کے سب تم پر نچھاور
یا نبیؐ سلامُ علیک ۔ " " "

ہر سحر خورشید خاور اور ہر شب ماہ و اختر — سوئے روضہ سر جھکا کر عرض کرتے ہیں برابر
یا نبیؐ سلامٌ علیک 〃 〃 〃

کاش جاگ اُٹھے مقدر کاش ہو وہ دن میسّر — سر جھکا کر آستاں پر یوں کہوں با دیدۂ تر
یا نبیؐ سلامٌ علیک 〃 〃 〃

با خلوص و با عقیدت سب ہیں حاضر پیشِ خدمت — ہو قبول اے شاہِ اُمّت ہدیۂ اہلِ محبت
یا نبیؐ سلامٌ علیک 〃 〃 〃

اب تو رحمت کی نظر ہو اب تو قسمت کو بنا دو — اپنے معراجِ حزیں کو اب تو روضے پر بلا لو
یا نبیؐ سلامٌ علیک ۔ یا رسُول سلامٌ علیک
یا حبیبؐ سلامٌ علیک ۔ صلوٰۃ اللہ علیک

---

# کوثر وارثی رام پوری

کوثر وارثی صاحب ایک روحانی شخصیت کے مالک تھے ۔ قلبی محبّت اور لگاؤ نے سرکار وارث پاک علیہ الرحمۃ کے سلسلہ عالیہ وارثیہ میں مشرّف بہ بیعت ہوئے ۔ حالاتِ زندگی پردہ اخفاء میں ہیں ۔ اُن کا کلام جتنا بھی دستیاب ہوا قارئین کرام کی نذر ہے ۔

## غزل

شوق میں اب نہ رُکیں گے دمِ رفتار قدم — دُور اب منزلِ مقصود ہو یا چار قدم
وحشتِ زنداں میں ٹھہرتے نہیں زنہار قدم — ترے کوچے کے ہیں ہر وقت طلب گار قدم
ہو گئے کوچۂ دلدار میں بیکار قدم — مَیں اُٹھاتا ہوں پر اُٹھتے نہیں زنہار قدم
اللہ اللہ نزاکت سے کسی کا چلنا — فتنۂ حشر نے چُومے دمِ رفتار قدم
اُٹھ کے آتے ہیں بگولے مری پابوسی کو — مَیں جو رکھتا ہوں سرِ وادیٔ پُر خار قدم
خوبیٔ بخت کہ شل ہو گئے پاؤں مرے — رہ گئی منزلِ مقصود جو دو چار قدم
بخدا قبر کی ہو جائے گی مشکل آساں — ساتھ لاشہ کے چلیں گے جو وہ دو چار قدم
غیر جب تک نہ نکل جائے گا محفل سے تری — ہم نہ رکھیں گے تری بزم میں زنہار قدم
اللہ اللہ مجھے منزلِ مقصود کا شوق — سایۂ تن سے نکل جاتا ہوں دو چار قدم

مَیں خفا ہو کے جب اُٹھا تو وہ بولے کوثرؔ
فتنۂ حشر نے چُومے دمِ رفتار قدم

---

تم پہ قربان ایک ہو تو کہوں　　جان پہچان ایک ہو تو کہوں
دل دیا جان دی خدا تُو نے　　تیرا احسان ایک ہو تو کہوں
سینکڑوں محوِ جبہ سائی ہیں　　اس کا دربان ایک ہو تو کہوں
جھوٹے وعدے تو روز کرتا ہے　　تیرا ایمان ایک ہو تو کہوں
لاکھوں آتے ہیں تیری محفل میں　　تیرا مہمان ایک ہو تو کہوں
جس کو دیکھو وہ جان دیتا ہے　　تجھ پہ قربان ایک ہو تو کہوں
ہے زمانے سے دوستی اُن کی　　جان پہچان ایک ہو تو کہوں
سینکڑوں چُبھ گئے ہیں دل میں تیر　　تیرا پیکان ایک ہو تو کہوں
پُوچھتے ہیں وہ آرزو کوثرؔ
دل میں ارماں ایک ہو تو کہوں

(ہفتہ وار "تازیانہ" عید نمبر لاہور۔ ۲۹ مارچ ۱۹۲۹ء)

---

# قیصر وارثی لکھنوی

آپ کو سلسلہ عالیہ وارثیہ میں شرفِ بیعت حاصل ہے۔ آپ کی شاعری حضور پاک نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت تک محدود تھی۔

## نعت شریف

مدینہ کے جس شام و سحر کی بات کرتے ہیں　　بالفاظِ دیگر خُلدِ نظر کی بات کرتے ہیں
ستاروں کی نہ ہم حُسنِ قمر کی بات کرتے ہیں　　جمالِ حضرت خیر البشرؐ کی بات کرتے ہیں
مبارک ذکرِ جنّت آپ کو اے حضرتِ واعظ　　ہم اپنے جذبِ دل ذوقِ نظر کی بات کرتے ہیں
مقابل روئے ختم المرسلین کے چاند کیا شے ہے　　وہ دیوانے ہیں جو شمس و قمر کی بات کرتے ہیں
کہا ہے جس کو ربّ العالمین نے رحمتِ عالم　　ہم اس مشکل کشا اس چارہ گر کی بات کرتے ہیں

نظر میں ہے جہاں گنبد خضریٰ کی رعنائی
فلک رفعت نبیؐ کے پاک در کی بات کرتے ہیں
وہ جس کی ذات عالی نازش کونین ہے قیصرؔ
اسی فخر الرسلؐ خیر البشرؐ کی بات کرتے ہیں

---

آنکھوں سے پی نظر سے نظر کو ملا کے پی
پی اور نقابِ حُسن دو عالم اُٹھا کے پی
موسیٰؑ نے پی ہے طُور نے پی ہے مئے جمال
تُو بھی حریمِ ناز کے پردے اُٹھا کے پی
میخانۂ ازل میں کھنچی ہے شرابِ عشق
تو ہستیٔ جہان کو ساغر بنا کے پی
کعبہ ہو بُت کدہ ہو کہ وہ کوئے دوست ہو
دل تیرا چاہے جس میں اسی گھر میں جا کے پی
اللہ کے حبیبؐ کی اُلفت کی ہے شراب
پی جائے جس قدر خم و ساغر اُٹھا کے پی
ان منزلوں میں عقل و خرد کا نہیں ہے کام
اے بیخودِ جمال ذرا ہوش اُڑا کے پی
جلوے پلا رہے ہیں جو قیصرؔ شرابِ عشق
اے مردِ پاک باز تو گھر میں خدا کے پی

الٰہی رحم اب کیا دیر ہے تنزیلِ رحمت میں
مدد فرما مدد کا وقت ہے ہم ہیں مصیبت میں
گنہ گار آنکھ میں بھر لائے ہیں آنسو ندامت کے
نہ اب آیا تو کب جوش آئے گا دریائے رحمت میں
کرم تیرا نہ ہوگا اے خدا اگر میری کشتی پر
تو یا رب غرق ہو جائے گی دریائے ہلاکت میں
تجھ ہی پر ناز ہے مجھ کو تو ہی میرا معاون ہے
تیری رحمت ہی کام آتی ہے میری ہر مصیبت میں
خداوندا تیرے بندے تیرے بندوں سے عاجز ہیں
مدد کر عاجزوں کی ہم بھی ہیں تیری حکومت میں
سوا تیرے کہاں جائیں کدھر جائیں کسے ڈھونڈیں
مدد کرنے کی طاقت بھی ہے تیرے دستِ قدرت میں
سوائے تیرے قیصرؔ وارثی کا کون ہے یا رب
بچا لے شرِ اعدا سے تو رکھ اپنی حفاظت میں

---

# ذکی وارثی بھوپالی

جناب ذکی وارثی صاحب کے حالاتِ زندگی پردہ اخفا میں ہیں۔ سرکار وارث پاک علیہ الرحمۃ کے سلسلہ عالیہ وارثیہ میں داخلِ سلسلہ ہیں۔ بھوپال کے رہنے والے تھے۔ ایک دفعہ آل انڈیا مشاعرہ بھوپال زیرِ صدارت نواب زادہ رشید الظفر خاں صاحب بہادر منعقد ہوا جس میں مقامی شعراء کی شرکت کے علاوہ باہر سے شعراء نے بھی شرکت کی ۔

اُن کے نام حسبِ ذیل ہیں :-

حضرت احسن مارہروی، حضرت مرزا یاس، یگانہ لکھنوی، حفیظ جالندھری، جگر مرادآبادی، شوکت تھانوی، احسان دانش، ساغر نظامی، تبسّم نظامی، فراق گورکھپوری، روشن صدیقی، کیف مرادآبادی، قمر جلال آبادی، بہزاد لکھنوی، ادیب مالیگانوی، ارشد تھانوی، ذکی وارثی بھوپالی، اصغر شعری بھوپالی، احمد اللہ خاں بھوپالی، مرزا یگانہ چنگیزی۔

## نمونۂ کلام

دیکھ کے بے خودی مری آج وہ مُسکرا دیا — عشق جنوں مزاج نے حُسن کو گدگدا دیا
پہلے تو دردِ عشق سے حُسن نے تلملا دیا — پھر اُسی دردِ عشق کو وجہِ سکون بنا دیا
سر بسجود دیکھ کر در سے مجھے اُٹھا دیا — مَیں نے سوال کیا کیا اُس نے جواب کیا دیا
جذبہ ضبط درد نے اپنا اثر دکھا دیا — حُسن کو عشق کر دیا عشق کو دل بنا دیا
حُسنِ نظر نواز سے شکوۂ بے رُخی غلط — عشق کا ولولہ دیا درد کا حوصلہ دیا
اک ادائے دلرُبا ایک نگاہ جانستاں — جلوۂ رنگ رنگ نے کیفِ جُنوں بڑھا دیا
وہ ہیں اُدھر عتاب میں دل ہے ادھر عذاب میں — ذوقِ طلب نے کیوں مجھے جلوۂ التجا دیا
دل میں تڑپ جگر میں درد سینہ میں ایک چمک سی ہے — میری فضائے قلب کو عشق نے جگمگا دیا
نغمۂ جاں نواز میں نالۂ دلگداز میں — عشق کا ماجرا ہی کیا، جس نے سُنا سُنا دیا
یاس و اُمید یُوں رہیں راہ طلب میں ساتھ ساتھ — چار قدم ہٹا دیا، چار قدم بڑھا دیا

کتنی لطیف ہے ذکیؔ کیفیت جُنون کی
ہنسنے لگا رلا دیا، رونے لگا ہنسا دیا

(روزنامہ "ندیم"، بھوپال - جشن سالگرہ فروری ۱۹۳۹ء)

---

وہ نظریں کیا ملیں راحت کی دُنیا ہو گئی اپنی — مئے منصُور اپنی ہے نوائے سرمدی اپنی
مٹا کر ہی رہی اس سنگدل کو خامشی اپنی — زبانِ بے زبانی نے دکھا دی نغمگی اپنی
نہ چھوڑی شوق کی وارفتگی نے کج روی اپنی — جدھر منزل نہ تھی وہ راہ منزل بن گئی اپنی

بھلا وہ اور ہم پر صرف کرتے بر ہمی اپنی
نگاہِ شوق کی گستاخیوں میں چھیڑ تھی اپنی

حجابِ عشق میں ہم نے حقیقت دیکھ لی اپنی
نہ اپنی موت اپنی ہے نہ اپنی زندگی اپنی

نظر افروزئ شمعِ تجلّی اے زہے قسمت
کہاں بزمِ جمال اُن کی کہاں پروانگی اپنی

خوشی سے وہ ہماری ہر خوشی پامال کر ڈالیں
جہاں تک ہے خوشی اُن کی وہاں تک ہے خوشی اپنی

یہ غم یہ ہچکیاں یہ اشک پیہم چیز ہی کیا ہیں
بہت سی ٹھوکریں کھلوائے گی دیوانگی اپنی

خدا رکھے تجھے اے مُسکرا کر دیکھنے والے
ترے صدقے میں آج اپنی ہوئی ہے زندگی اپنی

کِسی کا نقش پا ہے ہم ہیں ذوق سجدہ ریزی ہے
ترے کعبہ کو اے زاہد نہیں سے بندگی اپنی

دل وحدت نما نے منظر کثرت بدل ڈالا
اس آئینہ میں صُورت ہے وہی اُن کی وہی اپنی

---

# رشید خاں وارثی

آپ کا اسم گرامی رشید خاں ولد نذیر خاں تھا اور قصبہ لکھناں تحصیل وضلع اٹاوہ (یوپی) بھارت میں پیدا ہوئے۔ آپ نے قبلہ رحیم شاہ وارثی علیہ الرحمۃ سے شرف بیعت کیا اور سلسلہ عالیہ وارثیہ میں داخل ہوئے۔ سرکار پاک حضرت وارث علی شاہؒ سے ارادتمندی اور عشق و محبت نے شعری دُنیا سے لگاؤ پیدا کر دیا۔ راقم الحروف سے اُن کی مُلاقات بتاریخ ۶ رجب ۱۴۰۹ھ کو بموقع عُرس پاک خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ اجمیر شریف میں ہوئی اور آپ کے کلام سے مستفیض ہوا۔

## نمونۂ کلام

عشق کی کائنات میں عمر تمام ہو گئی
جاگنا فرض ہو گیا نیند حرام ہو گئی

ڈوب رہا تھا آفتاب دُور تھی منزل مراد
اب وہ غریب کیا کرے راہ میں شام ہو گئی

ہر ہر قدم میں یاس و غم کانٹے بچھے ہیں ہر قدم
زندگی ایسی راہ میں محوِ خرام ہو گئی

عشق تھا اپنے زدم میں عشق کو ضد بنی رہی
قصہ ہوا نہ مختصر عمر تمام ہو گئی

لاکھ چھپایا رازِ دل لیکن رشید کیا کریں
اہل نظر سمجھ گئے بات یہ عام ہو گئی

---

منزلِ عشق میں ہستی کا پتہ کچھ بھی نہیں
جلوے ہی جلوے ہیں جلووں کے سوا کچھ بھی نہیں
چین ہی چین ملا تم سے محبت کر کے
دولت عشق ملی گھر کا گیا کچھ بھی نہیں
ایک کھٹکا سا مرے دل کو لگا رہتا ہے
اور پوچھو کہ ہوا کیا تو ہوا کچھ بھی نہیں
اُن کا خط آنے سے تسکین ہوئی تھی دل کو
جب یہ دیکھا کہ لکھا کیا تو لکھا کچھ بھی نہیں
اے رشیدؔ ہم کو تعجب ہے کہ سازِ ہستی
جھن جھناتا ہے مگر اس کی صدا کچھ بھی نہیں

---

جب ستم کرتے ہیں وہ غم آزمانے کے لیے
مُسکرا دیتا ہوں اُن کا دل بڑھانے کے لیے
ذوقِ سجدہ جب ہوا تصویرِ جاناں کھینچ لی
خود بنا لیتا ہوں کعبہ سر جھکانے کے لیے
گر مکمل ہو گئی خود دارئ ذوقِ نظر
خود بخود آجائیں گے جلوے منانے کے لیے
کرتی ہے فطرت یہاں تک نازبردارئ حُسن
آئی شبنم گُلوں کا منہ دُھلانے کے لیے
بڑھ گیا ہے اس قدر آب خانہ ویرانی کا ذوق
بجلیاں لاتی ہیں تنکے آشیانے کے لیے
آگیا ہے وقت میرے آخری دیدار کا
آپ بھی آجائیے صُورت دکھانے کے لیے
ہو گئی ساکن زباں لب ٹھہر ٹھہر کر رہ گئے
جب ملا موقع ملا غم اُلفت سُنانے کے لیے
رنج و غم میں مُسکرانا کھیل سمجھے ہو رشیدؔ
چاہیے پتھر کا دل صدمے اُٹھانے کے لیے

---

## منقبت سرکار وارث پاکؒ

سر سے پا تک لگ رہے ہیں مظہرِ انوار سے
ہو بہو ہیں مرے وارث سیّد ابرار سے
دور ہیں دُنیا کے غم سے اور ہر آزار سے
جن کی آنکھیں ہیں مشرف آپ کے دیدار سے
جن کو حاصل ہے حضوری نسبت سرکار سے
وہ گزر جاتے ہیں ہر ایک منزل دشوار سے
یہ درِ وارث ہے ملتا ہے یہاں حد سے سوا
آئے کوئی مانگ کر دیکھے میرے سرکار سے
آپ کے قدموں پہ سر ہو رُوح جب پرواز ہو
ہے رشیدؔ وارثی کی آرزو سرکار سے

---

وفا جب نہ پائی شناسائیوں میں
پلٹ آئے ہم ابھی تنہائیوں میں
میری زندگی کو تماشا بنا کر
کھڑے ہو گئے وہ تماشائیوں میں

# میر ولی وارثی

جناب میر ولی وارثی امرتسر (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ عالیہ وارثیہ میں بیعت سے مشرف ہوئے۔ آپ شعر و شاعری سے کافی ذوق و شوق رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ نے ہندوپاک کے بٹوارہ سے بہت زیادہ متاثر ہو کر ناول بھی لکھے جس میں معاشرہ کی اصلاح کے لیے قلم اُٹھایا گیا۔ آپ نے نظم اور نثر دونوں میں کتابیں لکھی ہیں۔ ان کتابوں میں مجملہ معاشرتی برائیوں کو اور سماجی نقائص کو منظر عام پر لایا گیا ہے تاکہ معاشرہ ان پر سنجیدگی سے غور کر سکے اور اصلاحی پہلو اختیار کر سکیں۔ میر ولی وارثی صاحب کا مقصود یہ تھا کہ معاشرہ صاف ستھرا ہو اور انسانی ہمدردی کو دلوں میں جگہ ملے۔ اُنہوں نے پاکستان بنتے دیکھا۔ پاکستان کو وجود میں لانے کے لیے جن قربانیوں کو پیش کیا گیا۔ وارثی صاحب نے ان قربانیوں اور ایثار و جذبہ کو عوام تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ آپ کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر شمس العلماء مولوی محمدؐ حسین آزاد دہلوی اور حضرت اختر شیرانی فرماتے ہیں۔

آپ کی شاعرانہ حُسن کاریوں سے ہندوستان اور علی الخصوص صُوبہ پنجاب کے ادبی حلقے عام طور پر باخبر اور متعارف ہیں۔ اس نوجوان شاعر کا وطن فخر سرزمین امرتسر کو حاصل ہے اور وہ امرتسر کو ؎ "رخ بہ تماشا گہہ ناز آورم" کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کی مندرجہ ذیل کتابیں چھپ چُکی ہیں۔ ان میں ایک نسخہ "بہارِ جاوداں" جس کو پنجاب اکاڈمی ہال بازار، امرتسر (مشرقی پنجاب) نے چھاپا ہے۔ اس بہار جاوداں سے وارثی صاحب کا نمونۂ کلام قارئین کرام کے پیشِ نظر ہے۔ ان کی کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) گرداب سے ساحل تک (۲) قحبہ خانہ میں ایک رات (۳) ادھورے گیت (۴) بہارِ جاوداں

میر صاحب امرتسر کے ایک معزز گھرانے کے فرد تھے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے اور امرتسر کے سربرآوردہ اہلِ علم کے تلامذہ میں سے تھے۔ دینی اور عربی علوم استاذ الکل حضرت محمد عالم آسی سے حاصل کیے تھے۔ فنِ شاعری میں حکیم الشعراء فیروزالدین فیروز طغرائی سے فیض یاب ہوئے تھے۔

تقسیمِ مُلک کے بعد موہنی روڈ پر قیام پذیر رہے۔ غالباً ۱۹۹۰ء میں وفات پائی۔

گلشن میں جل کے داغ جگر جب دکھا دیا — پھولوں کو ہم نے پیکرِ حیرت بنا دیا
کھلنے لگی اگر کوئی اُمّید کی کلی — برقِ الم تڑپ کے گری اور جلا دیا

اُف ! رے کرشمۂ ہائے خیالِ جمالِ دوست — ہر شے نے اُن کا رُوپ بدل کر دکھا دیا
مَیں ہوں وہ رہروِ رہِ اُلفت کے ضعف میں — جب گر پڑا تو دردِ جگر نے اُٹھا دیا
واقف ہیں رازِ عشق سے اہلِ چمن کہ گل
سُن کر مرا افسانۂ غم مُسکرا دیا

---

مَیں تیرے جوشِ کرم پہ نگاہ کرتا ہوں — جبھی تو عمر کو وقفِ گناہ کرتا ہوں
تیرے فراق میں ہر وقت آہ کرتا ہوں — تیرے لیے مَیں جوانی تباہ کرتا ہوں
برس خدا کے لیے مجھ پہ اے سحابِ کرم — کہ تیری آس پہ پھر اک گناہ کرتا ہوں
سمٹ سمٹ کے اُترتے ہیں جلوے سینے میں — جھجک جھجک کے جو اُن پر نگاہ کرتا ہوں
یہ قلب ہی لے پہنچتا ہے اُن کے کوچے میں — اگرچہ لاکھ اس کو انتباہ کرتا ہوں

---

دل میں خیالِ نرگسِ مستانہ چاہیے — یعنی حریمِ کعبہ خمستانہ چاہیے
ہے مرگِ عشق ہستیِ جاوید کی دلیل — اے دل جفائے یار کا شکوانہ چاہیے
کیوں اس حُسنِ سادہ کو سمجھا ہے بے وفا — اے شوق منفعل تجھے ایسا نہ چاہیے
کب تک دبا رہے گا دلِ رُعبِ حُسن سے
آخر کبھی تو جُرأتِ رندانہ چاہیے

---

تیرے ناز میں وہ اثر کہاں جو اثر ہے میرے نیاز میں
تیرے حُسن میں وہ تڑپ کہاں جو تڑپ ہے میرے گداز میں
یہ کمال ہے یہ طلسم مرے عشقِ شعبدہ باز میں
نہ کشش رہی تیرے حُسن میں نہ اثر رہا ترے ناز میں
مجھے عیش وغم میں غرض نہیں اگر آرزو ہے تو ہے یہی
کہ اُمنگ بن کے چُھپا رہے کوئی دل کے پردۂ راز میں

تیری برقِ حُسن نے کیا کیا کہ مٹا دی لذّتِ زندگی
نہ رہیں وہ پہلی حرارتیں میرے دل کے سوز و گداز میں
مَیں جو رہنِ یادِ بُتاں رہا مجھے زندگی کا مزا ملا
کہ چُھپی حقیقتِ عشق ہے اِسی کائنات مجاز میں

---

جورِ محبوب سے ہم مائلِ فریاد نہیں — نغمۂ عیش ہے یہ شکوۂ بیداد نہیں
عہد پیمان و محبت جو ہوئے تھے ہم سے — مجھ کو یاد سبھی آپ کو گو یاد نہیں
لوگ کہتے ہیں محبت میں خدا ملتا ہے — لیکن اپنی ہے یہ حالت کہ خدا یاد نہیں
آنکھوں آنکھوں ہی میں کُھل جاتے ہیں لاکھوں اسرار — درسِ اُلفت کے لیے حاجت اُستاد نہیں
گر ستم مجھ پہ نہ کرتے تو ستم تھا مجھ پر — مجھ پہ بیداد جو کی ہے تو یہ بیداد نہیں
کیوں تعجب ہے اُسے دیکھ کے تجھ کو اے دل — جلوۂ حُسنِ ازل ہے تجھے کیا یاد نہیں
اے ولیؔ دیکھ کسی مست کے دامن کو نہ چھیڑ
بے خبر اپنا گریباں تجھے یاد نہیں

---

کہوں کیا وحشتِ دیوانہ پیمائی کہاں تک ہے — کہ وسعت میرے صحرا کی مکاں سے لامکاں تک ہے
اگر چاہوں نظامِ دہر کو زیر و زبر کر دوں — مرے جذبات کا طوفاں زمیں سے آسماں تک ہے
تیرے مٹنے میں اے دل زندگی کا راز مضمر ہے — ہراس نیتی آغازِ وقتِ امتحاں تک ہے
ستاتا ہے مجھے صیاد ظالم اس لیے شاید — کہ رونق اس کے گلشن کی مرے شغلِ فغاں تک ہے
فروغِ حسرت و غم سے جگر میں داغ رکھتا ہوں — مرے گلشن کی زینتِ دورِ ہنگامِ خزاں تک ہے
ولیؔ شامل نہیں ہو تم ابھی رندوں کے حلقے میں
تمہاری بادہ نوشی محفلِ پیرِ مغاں تک ہے

---

# شیدا وارثی

محمد سعادت حسین خاں صاحب شیدا وارثی کے والد کا نام محمد خادم حسین تھا۔ محلہ کھاڑا پیر تھالی والاں بریلی (یو۔پی بھارت) کے رہنے والے تھے۔ آپ حضرت سرکار وارث پاک علیہ الرحمۃ کے مریدین میں سے تھے، لہٰذا سلسلہ عالیہ وارثیہ سے نسبت رکھتے ہوئے وارثی کے نام سے مشہور و معروف تھے اور آپ میں صبر و قناعت کا جذبہ بہت زیادہ رکھتے تھے۔ اُن کی اولاد نہیں تھی۔ زیادہ تر گزر اوقات کے لیے پیشہ زرگری کرتے تھے۔ محض گزر بسر کی حد تک اپنے پیشے سے دلچسپی رکھی۔ شاعری سے کافی دلچسپی تھی۔ بریلی کے مشہور اُستاد منشی علی حسین ضمیرؔ بریلوی (م ۱۹۶۷ء) کے شاگرد تھے۔ اُن کا تمام کلام غیر مطبوعہ تھا جس کو انیس احمد نوری صاحب نے ترتیب دے کر چھاپا ہے۔ اُن کے کلام میں زیادہ تر نعتیں، منقبت اور قطعات درج ہیں۔ شمالی ہندوستان میں جب سے اُردو نعت کا آغاز ہوا ہے اُس وقت سے ہی بریلی میں اُردو کے صاحبِ دیوان نعت گو ملتے ہیں۔ بریلی ایک مدت سے علماء و فقراء کی بستی ہے جن کے فیض سے اُردو نعت کو ترقی ہوئی۔ بریلی میں عظیم ترین نعت گو مولانا حسن رضا صاحب بریلوی (م۔ ۱۹۰۸ء) نے اپنی نعتیہ شاعری سے اُردو نعت گوئی کو ایسی رفتار دی کہ بریلی میں اُردو نعت گوئی کو حیاتِ جاوداں مل گئی۔ نعت میں زبان اور جذبات دونوں کی اہمیت ہے کیونکہ عشق کا اظہار اس ذاتِ گرامی سے کیا جاتا ہے جو اللہ کا محبوب ہے۔ شیدا وارثی کا انتقال ۱۲ر فروری ۱۹۶۹ء کو بریلی میں ہوا اور تکیہ کھاڑا پیر بریلی میں مدفون ہوئے۔ عمر تقریباً ۶۳ برس تھی۔

## نعت

میری سمت مشکلوں نے جو کبھی نظر اُٹھائی — وہیں یادِ فخرِ رحمت میری رہبری کو آئی

یہ ہے وصفِ فخرِ عالم یہ ہے شانِ مصطفائی — جہاں اُن کا ذکر چھیڑا وہیں جھوم اُٹھی خدائی

مجھے اُن کا ہے تصوّر میرے سامنے ہے روضہ — مَیں کہاں ہوں اور کہاں تک مری ہو گی رسائی

تُو فدائے خلد زاہد مَیں ہوں زائرِ مدینہ — تیری خلد تک رسائی میری عرش تک رسائی

میری رُوح جھوم اُٹھی میرا دل ہُوا منوّر — وہ مئے جمالِ وحدت مجھے آپ نے پلائی

مجھے دیکھ کر یہ بولی سرِ حشر حق کی رحمت ۔ ترے واسطے ہے جنت تُو نبی کا ہے فدائی
جہاں راہِ حق سے شیداؔ میرے پاؤں ڈگمگائے
وہیں اُن کی رحمتوں نے میری کی ہے راہنمائی

---

کریں کیوں نہ عاصی وہیں پر بسیرے ۔ جہاں اُن کی رحمت نے ڈالے ہیں ڈیرے
قسم ہے خدا کی وہ اُن کی گلی ہے ۔ جہاں تاج والے لگاتے ہیں پھیرے
تصوّر کی راہوں سے ہے آنا جانا ۔ مدینے کے ہردم لگاتے ہیں پھیرے
مجھے کیا کمی مَیں بھکاری ہوں اس کا ۔ جو پل میں زمانے کی تقدیر پھیرے
پئے نعتِ سرکار شبنم سے غنچے ۔ وضو کر رہے ہیں سویرے سویرے
مَیں بیمارِ عشقِ پیمبر ہُوں شیداؔ
میری شامِ غم پر ہیں سویرے

---

فردوس میں اُن کے دیوانے صرف اس لیے پائے جاتے ہیں
روضے کے حسیں دلکش نقشے جنّت میں دکھائے جاتے ہیں
ہر سمت فضائے محشر پر انوار جو چھائے جاتے ہیں
پیہم یہ صدائیں ہیں دل کی سرکار اب آئے جاتے ہیں
یہ موجِ طلاطم کشتی کو ساحل کی طرف خود لاتی ہے
ہم نام نبیؐ کا لے لے کر طوفان پہ چھائے جاتے ہیں
ہے نُور بداماں ہر ذرّہ ہے خلد بداماں ہر کانٹا
اب روضہ والا کے زائر آثار سے پائے جاتے ہیں
پُر نور ہیں آنکھیں قسمت سے روضے سے زیارت سے جن کی
فردوس کے جلوے نظروں سے کب اُن کے سمائے جاتے ہیں

اب دامنِ شافع محشر میں جنّت سے بڑھ کر راحت ہے
کیوں مژدۂ بخشش محشر میں سب مجھ کو سُنائے جاتے ہیں

ہم سجدے نظر سے کرتے ہیں ہاتھوں میں سنہری جالی ہے
اس عالم کو بس ہم ہی جانیں جس کیف میں پائے جاتے ہیں

یہ اُن کی عنایت اے شَیدا یہ اُن کا کرم اللہ اللہ
وہ اپنے مسکن ہی سے مرا ہر کام بنائے جاتے ہیں

---

## حامد الوارثی

کیا بتائیں قرب و بعد منزل جانا نہ ہم
بڑھتا جاتا ہے سفر یہ جتنا جاتے جایئے

دے کے ذوقِ آرزو کو مستقل پہنائیاں
لطفِ جلوہ ذرے ذرے سے اُٹھاتے جایئے

اہلِ محفل ہوں نہ ہوں دل تو مجسم گوش ہے
قصۂ غم رات بھر حامدؔ سُناتے جایئے

(شاعر۔ آگرہ دسمبر ۱۹۳۸ء)

---

## واجد وارثی

آزادیوں کی دہر میں کوئی کمی نہیں
ہندوستانیوں میں سلامت روی نہیں

یہ زندگی ہے یا کہ ہے توہینِ زندگی
حاصل برائے نام بھی واجدؔ خوشی نہیں

---

جورو جفا کا مجھ سے گلہ بھی نہ ہو سکے
پاسِ ادب سے ترک بھی نہ ہو سکے

اک وہ کہ بے کہے ہمیں دیتا ہے نعمتیں
اک ہم کہ ہم سے شکر ادا بھی نہ ہو سکے

برقِ غضب نے خرمنِ ہستی جلا دیا
ہم کامیاب سیر و قضا بھی نہ ہو سکے

توبہ کا ٹوٹنا تھا کہ رُخصت ہوئی بہار
احسان مند جُرم و خطا بھی نہ ہو سکے

مجھ سے شبِ فراق کی مجبوریاں نہ پُوچھ
ناطاقتی سے نالہ سرا بھی نہ ہو سکے

# احسن اندوری وارثی

مولانا محمد حسین آزاد کی آب حیات کو اگر آدمی سمجھ لیا جائے تو احسن اندوری وارثی اس کا ادبی نام ہوگا۔ شعراء کے جس قدر تذکرے اب تک چھپے ہیں یا قلمی نسخوں کی صورت میں غیر مطبوعہ موجود ہیں وہ انہیں زبانی یاد تھے۔ گلبرگہ شریف میں قیام ہے۔ اجمیر کے عرس میں شرکت کے لیے اعتقاد کے پورے خلوص سے آتے تھے۔ سلسلہ عالیہ وارثیہ سے منسلک ہونے کی وجہ سے اور درویشی اختیار کرنے کی وجہ سے زرد احرام کے سوا اور کوئی کپڑا انہیں پہنتے۔ ٹوپی اور جوتا بھی استعمال نہیں کرتے تھے۔ مزار خواجہ کے پائیں بیگمی دالان میں ٹھہرتے تھے۔ ہوش و جنوں دونوں عالم سے دن میں کئی بار گزرتے تھے۔ اپنا نسبی تعلق اودھ کے شاہی خاندان سے بتاتے تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ وہ صوفی ایمانداری کے ساتھ معرفت آگاہ نہیں ہوسکتا جو سب کی بولی کو یار کی بولی مان کر ہر بولی سے پیار نہ کرے۔ اُن کی مجلس بسا اوقات مجلسِ وعظ ہوجاتی تھی جس میں وہ علمی اور روحانی اُمور پر کتابی علم سے زیادہ صدری نکات بیان فرمایا کرتے۔ اُن کی تحقیقات نے یہ ثابت کرنے کی بارہا کوشش کی کہ ہندوستان میں صوفیا نے روحانی خدمتوں کے ساتھ عوام کی اصلاحِ نفس اور نظامِ تہذیب و تمدن کو خالص ہندوستانی نقطہ نگاہ کے مطابق سنوارا۔ کبھی کبھی پُرجوش لفظوں میں کہا کرتے تھے کہ اگر صوفی ازم عام کر دیا جائے تو ذات پات کے جھگڑے اور لسانی قضیے ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائیں۔

سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز کے چشتیہ مسلک میں قوالی رنگ اور عُرس کے دوسرے مراسم کی ترویج محض اسی اُصول کے ماتحت تھی۔ امیر خسرو جن کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی کی چشم کرم نے قلوبِ انسانیت کے ہر لفظ کو پڑھ کر ترجمانِ فطرت بنایا تھا، سلک حیثیت میں وہ سب سے پہلے شاعر ہیں جنہوں نے فارسی ادب کی فاضلانہ تکمیل کے لیے ہندوستانی بول چال کو عشق و محبت کی چاشنی دے کر اُس راستہ پر گامزن کر دیا جہاں کل انسانیت کا مرکزی مقام آسانی سے مل سکتا ہے۔ مولانا احسن وارثی نے بھی "مزاج خسروی" کو شیوائے عمل بنا کر اپنی زبان وہی رکھی جسے آج اُردو کہا جاتا ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیے:۔

ساری دُنیا کی نگاہوں سے الگ رہتے ہو　　ایسا ممکن ہے کہ وہ میری نظر بن جائیں

# ساغر وارثی شاہجہان پوری

ترے جلوے تھے نظر میں مہ و کہکشاں سے پہلے — مَیں تھا رازدارِ فطرت گُل و گلستاں سے پہلے
ترا تذکرہ تھا لب پر ترے ہر نشاں سے پہلے — مجھے تری آرزو تھی ترے اس جہاں سے پہلے
تری سرزمیں سے پہلے تیرے آسماں سے پہلے

نہ تھا کوئی تجھ سے واقف نہ تھے ترے جلوے ظاہر — نہ تری تجلیوں تک کبھی پہنچی فکرِ شاعر
غمِ ماسوا بُھلایا فقط ایک تیری خاطر — نہ حرم نہ دیر ہی تھا نہ یہ دل نشیں مناظر
مَیں ہوں بندگی کا خوگر ترے آستاں سے پہلے

ہے کسی کا یہ تقاضا کہوں رازہائے غم کو — ہے کسی کا اب یہ ایما کہ سُنے نوائے غم کو
ملے کچھ قرار شاید دلِ مُبتلائے غم کو — کوئی پُوچھتا ہے مجھ سے مرے ماجرائے غم کو
مَیں یہ غور کر رہا ہوں کہ کہوں کہاں سے پہلے

تو ہی جانِ مُدعا ہے تو ہی مرے دل میں ساکن — ترا التفاتِ پیہم مری زندگی کا ضامن
مری جان و دل کے مالک میرے دوست میرے محسن — ترے وعدۂ وفا کا ہے یقیں مجھ کو لیکن
ذرا مشورہ تو کر لوں دلِ بدگماں سے پہلے

نہ کوئی مزاج داں تھا نہ کوئی وفا کا محرم — نہ کوئی شریکِ غم تھا نہ کوئی تھا میرا ہمدم
کبھی اشک آنکھ میں تھے کبھی لب پہ آہِ پیہم — مری داستانِ غم سے بنی داستانِ عالم
کوئی داستاں نہیں تھی مری داستاں سے پہلے

نہ یہ انقلابِ پیہم نہ یہ حشرِ غم بپا تھا — نہ یہ دل شکن ادا تھی نہ زباں پہ یہ گلا تھا
نہ یہ حادثے وفا کے نہ وفا کا کچھ صلا تھا — نہ جفا کا تذکرہ تھا نہ سلیقۂ جفا تھا
نہ یہ رسمِ امتحاں تھی مرے امتحاں سے پہلے

نہ ملے گا یہ ترنم نہ ملے گی یہ حلاوت — ہے مری نوا میں شاملِ اثرِ نوائے فطرت
مرے ہم زباں ابھی تک نہ سمجھ سکے حقیقت — ہے چمن کی مجھ سے عظمت ہے چمن کی مجھ سے زینت
نہ تھی یہ بہارِ ساغرؔ مرے آشیاں سے پہلے

(آجکل دہلی دسمبر ۱۹۶۶ء)

دیکھیے تری نگاہ اُلفت کب ہم پر پڑے ساقیا مدت ہوئی ہم کو تیرے در پڑے
واعظوں سے کوئی پُوچھے تو خدا کے واسطے میرے پیچھے کس لیے ہاتھ یہ دھو کر پڑے
منع کرتا ہے مجھے عشقِ بُتاں سے کس لیے عقل پر اے ناصح ناداں تیری پتھر پڑے
خاک کو اکسیر کر دے جو غلط انداز سے کاش وہ چشم فسونگر ایک دن مجھ پر پڑے
کوئی کیا سمجھے تری زلف دوتا کے پیچ وتاب اس بلا کو تو وہی جانے جس کے سر پڑے

یہ محبّت کی کشش ہے یہ عقیدت کا ہے جوش
اس کے کوچہ میں جو ہم رہتے ہیں اے ساغرؔ پڑے

---

# شرف الدین صوفی وارثی

جناب صوفی شرف الدّین صاحب وارثی میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ آپ کو حضور قبلہ وکعبہ شیخ الشفق والمحبت امام رنداں طریقت حضرت حافظ پیادی صاحب وارثی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت واحرام کا شرف حاصل ہوا۔ بڑے پاک طبیعت نیک سیرت بزرگ ہیں۔ اخلاق ومحبت کا آپ نمونہ تھے۔ باوضع صاحب ذکر وشغل درویش تھے۔ تقسیم ہند کے بعد میرٹھ سے ہجرت کر کے لاہور میں سکونت اختیار کی اور وہیں پر آپ کا وصال ہوا حضرت وارث پاک کی محبت نے آپ کو شاعر بنا دیا۔ آپ صاحبِ تصنیف تھے۔

نام شرف الدّین احمد اور صوفی تخلص ہے۔ والد ماجد کا نام شیخ علاؤ الدین ہے جو "طوطا مینا" نامی قصّہ کے مصنّف ہیں۔ نزہت میرٹھی اور مولانا عبدالغفور اکبر آبادی سے کسب علام فارسی و اُردو کیا۔ ماسٹر دھرم سنگھ سے انگریزی کی تحصیل کی۔ شاعری کا شوق ہوا تو حضرت نوح ناروی سے تعلّق شاگردی پیدا کیا اور ان کے خاص الخاص شاگردوں میں شمار ہوا۔

تقسیم مُلک کے بعد صوفی صاحب لاہور چلے آئے اور رام گلی میں مقیم ہوئے۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں حج کے لیے حاضر ہوئے تو وہاں شیخ سنوسی سے بھی بیعت وتربیت کی۔ اس کے بعد مولانا بہاؤ الدین شاہ چوندھیرہ ضلع بلند شہر سے بھی قادریہ خاندان کے فیوض وبرکات حاصل کیے۔

**تصنیفات** : شعر وقافیہ، تاریخ اسلام، عملیات جہانگیری، تعبیر نامہ خواب، دربارِ نبوت کے فیصلے، عملیات صوفیہ، طب صوفی، طب جہانگیری، رقعات شرف الدین، میلاد صوفی، بولتا مدعا (ناول) گرم مصالحے کی چاٹ (لطائف)

**کلام** : آپ نے تین دیوان مرتب کیے۔ ایک نعتیہ اور دو ادبی

# بشیر وارثی

آپ سلسلہ عالیہ وارثیہ میں بواسطہ حضرت میاں حیرت شاہ وارثی علیہ الرحمۃ داخلِ سلسلہ ہوئے۔ شاید ۱۹۴۳ء میں بیعت ہوئے۔ سرکار عالم پناہ علیہ الرحمۃ کے عشق و محبّت نے شعر و شاعری میں ذوق پیدا کر دیا۔

## نمونۂ کلام

وارث علی حبیبِ خدا پیر دستگیر — مَیں اُن کے در کا ایک گداوہ مرے امیر
دل عرش ہے بفضلِ خدا آج اے بشیرؔ — اس دل میں ہیں مقیم مرے پیر بے نظیر

---

حق تعالیٰ جنہیں اسرار بتا دیتے ہیں — حق نما بن کے رہِ حق وہ بتا دیتے ہیں
جلوۂ دوست سے دل ان کا چمکتا ہے بشیرؔ — شمعِ توحید وہ عالم میں جلا دیتے ہیں

---

فقیر منور شاہ وارثیؒ

اختر میر وارثی کی پوری زندگی درویشانہ متحرک جذبے کی زندگی رہی ہے۔ آپ کی شخصیت انسانوں کی خدمت میں ہمیشہ مشغول رہی ہے۔ اس لیے آپ کا نام بے شک تاریخ کی کسی کتاب میں بھی ہو لوگوں کے دلوں میں محفوظ رہے گا۔ اختر میر وارثی امرتسر کے ایک اچھے متمول کشمیری خاندان میں پیدا ہوئے۔ ہندو سبھا انٹر کالج امرتسر میں تعلیم پائی۔ اپنے بڑے بھائی محمود احمد میر کے ساتھ مل کر اس کالج میں مُسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی بُنیاد رکھی۔ وہاں انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کرنے کے بعد اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہوئے۔ دورانِ تعلیم بھی مُسلمانوں کی خیر خواہی کا یہ عالم رہا کہ ملک کرم دین جو اس وقت سنٹرل ٹیلی گراف کے سپرنٹنڈنٹ تھے اُن کے ساتھ مل کر مُسلم انجمن امداد باہمی ترتیب دینے کے لیے روزانہ کچھ نہ کچھ وقت دیتے تھے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ۱۹۳۷ء میں دہلی مُسلم لیگ کے بنیادی ممبر بنے۔ گورنمنٹ آف انڈیا کے ماتحت ریاست ہائے کوہستانی کے قانون کے انچارج تھے۔ اس وجہ سے آپ کو پہلے سرکاری منصب سے دست بردار ہونا پڑا مگر مُسلم لیگ کا دامن نہ چھوڑا۔ اس کی خبر جب قائداعظم کو ہوئی تو اختر میر کو داد دی اور مُسلم لیگ کا اسسٹنٹ

سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ اختر میر وارثی آل انڈیا مسلم ایمپلائز ایسوسی ایشن اور مسلم لیبر یونین کے بھی صدر رہے۔ ۱۹۴۷ء میں آپ شملہ میں مقیم تھے اور وکالت کرتے تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد آپ کی سرگرمیاں مہاجرین کی آبادکاری کے مسئلہ پر خصوصی توجہ دینے لگیں۔ میاں افتخار الدین وزیر مہاجرین نے آپ کو افسر بکار خاص مقرر کیا۔ آپ اس عہدہ پر تقریباً ڈیڑھ سال تک کام کرتے رہے مگر کوئی معاوضہ نہ لیا۔ اس دوران آپ نے بڑی تندہی سے کام کیا۔ کئی ملازمتیں پیش ہوئیں مگر صاف انکار کر دیا۔ اس دوران وارثی صاحب کے ہاتھوں بہت سے مکانات اور دکانیں تقسیم ہوئیں، مگر اپنے لیے نہ کوئی مکان لیا نہ دکان۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۴۸ء تک آبادکاری کے محکمہ سے منسلک رہے اور اس طرح کام کیا کہ خود کو بھول ہی گئے۔ اپنے لیے کوئی کلیم تک، داخل نہ کیا۔ اپنی ساری زندگی خدمتِ خلق میں گزار دی۔

آپ نے سلسلہ عالیہ وارثیہ میں حضرت میاں قبلہ اوگھٹ شاہ وارثی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور احرام پوش فقیر ہو گئے۔ آپ کو واقعی حضرت وارث پاک سے والہانہ محبت تھی اور اس سلسلے میں آپ نے دربار وارث کی بُنیاد رکھی۔ پاکستان کے قیام کے بعد حضرت میاں اوگھٹ شاہ وارثی لاہور تشریف لائے تو انہوں نے اسی دربار وارث میں قیام فرمایا۔ آپ نے سلسلہ عالیہ وارثیہ کی تبلیغ و اشاعت کے لیے کافی کام کیا۔ آپ کا وصال دسمبر ۱۹۸۹ء میں ہوا۔ آپ کا مزار دربارِ وارث میں مرجع خلائق ہے۔

---

# رضا وارثی

بابا حسن رضا وارثیؒ کا تعلق رُوسا سلطان پور سے تھا۔ آپ نے ۱۸۵۹ء میں سلطان پور اترپردیش ہی میں جنم لیا۔ ان کے والد جو سرکار وارث پاک سے مرید تھے بابا حسن رضا کو اوائل عمر میں حاجی صاحب قبلہ کی خدمت میں سلام کرانے کے لیے لائے۔ وارث پاکؒ نے انہیں بیعت فرمایا اور کچھ عرصہ اپنی خدمت میں رکھا۔ اور ریاضت روحانی کا حکم دے کر برما کے جنگلات میں جانے کی ہدایت فرمائی۔ آپ سات برس تک برما کے جنگلات میں عبادت الٰہی میں مشغول رہے۔ انہیں جنگلات میں آپ کو وارث پاکؒ ملے اور حکم دیا کہ حسن رضا تم اب کلکتے چلے جاؤ۔ آپ نے کہا وہاں کیا کروں۔ سرکار نے فرمایا جو کام سب سے پہلے ملے وہی کرنا۔ چنانچہ آپ رنگون ہوتے ہوئے کلکتہ آ گئے۔ آپ کی صحت بہت اچھی تھی۔ پولیس کمشنر کی آپ پر نظر پڑ گئی۔ اُس نے کہا نوکری کرو گے۔ آپ نے فرمایا کریں گے۔ چنانچہ آپ کو پولیس میں بھرتی کر لیا گیا۔ آپ کا مزاج فقیرانہ تھا۔ تاحیات مجرد رہے اور جذب و کیف کے عالم میں رہتے تھے، اسی لیے پولیس کمشنر اور دوسرے حضرات آپ کو پاگل بابا کے نام سے پکارتے تھے۔ اتفاق سے انہیں دنوں پولیس کمشنر کے اکلوتے بیٹے کا چھت سے گر کر انتقال ہو گیا۔ پولیس کمشنر بہت رنجیدہ تھا۔ ڈاکٹر

جواب دے چکے تھے۔ بابا کی طرف پولیس کمشنر نے ملتجی نظروں سے دیکھا۔ بابا نے لڑکے کو گود میں لے کر کہا اس کی تو سانس چل رہی ہے۔ لڑکا واقعی زندہ تھا۔ اس واقعہ کا پولیس کمشنر پر ایسا اثر ہوا کہ اُس نے حسن رضا کی فائل میں لکھ دیا کہ یہ تاملازمت کبھی ڈیوٹی نہیں کریں گے اور نہ ہی وردی پہنیں گے۔ چونکہ بابا صاحب اس سے قبل دو مرتبہ اپنی وردی گروی رکھ کر دو بھوکوں کو کھانا کھلا چکے تھے۔ حسن رضا شاہؒ پولیس کی ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد کلکتہ ہی رہے، مگر اپنا کسی کو مرید نہیں کیا۔ اکثر عرس و میلہ کے موقع پر دیویٰ شریف آتے، سینکڑوں معتقد ہمراہ ہوتے۔ سرکار کے مزار مبارک کی چادر پکڑوا کر انہیں سلسلہ وارثیہ میں داخل کرتے اور کہتے آج سے یہ تمہارے پیر ہیں۔ تم ان کے مرید ہو، ہم گواہ ہیں تم ہمارے پیر بھائی ہو، تم انہیں مانو ان سے محبّت رکھو گے تو سب کچھ حاصل کر سکتے ہو۔

حضرت بابا حسن شاہ وارثیؒ کے سینکڑوں عقیدت مند مُلک کے گوشے گوشے میں موجود ہیں۔

ہر دانشور صوفی کی طرح بابا حسن رضا شاہ صاحب وارثیؒ نے بھی اپنے جذبات روحانی خیالات اور سلسلہ کے عقائد کو شعر کا جامہ پہنایا اور اس میں کافی کامیابی حاصل کی۔ آپ کا کلام تقریباً ایک ہزار نظموں دغزلوں پر مشتمل ہے۔ ۱۹۶۵ء میں اس کا ایک انتخاب فرمودات رضا کے نام سے شائع ہوا تھا جس نے کافی مقبولیت حاصل کی۔

بابا حسن رضاؒ وارثی بہت سادہ زندگی گزارتے تھے۔ کُرتہ اور لُنگی آپ کا خاص لباس تھا جو زرد رنگ کا ہوتا تھا۔

وسط اپریل ۱۹۵۴ء میں آپ کی طبیعت اچانک خراب ہوئی۔ معتقدین کو گھبراہٹ ہونے لگی۔ ڈاکٹروں نے علاج و مشورے پر زور دیا، مگر آپ نے گریز کیا۔ آخر ۱۷ اپریل ۱۹۵۴ء کو صبح ۷ بجکر ۱۵ منٹ پر واصل حق ہوگئے۔ معتقدین نے نمبر ۱۲ صندل سٹریٹ پر آپ کا دربار اور نمبر ا رائٹے چرن پال کلکتہ پر مزار مبارک بنایا جو عالیشان مقبرہ کی صُورت میں ہے۔

سید وزیر علی شاہ آپ کی روحانی اولاد میں سے تھے۔

---

# کلام

تو ہی ہے مالک ہر دو سرا اے قادر مطلق — ترا ثانی کوئی اے بندہ پرور ہو نہیں سکتا
مکاں ہے لامکاں تیرا، نشاں ہے بے نشاں تیرا — کوئی تجھ سا دو عالم میں مُکرّر ہو نہیں سکتا
کرم تیرا نہ ہوتا گر خدایا تیرے بندوں پر — تو اپنے بخت کا کوئی سکندر ہو نہیں سکتا
یہ ممکن ہی نہیں بندہ کرے دعویٰ خدائی کا — یہ ثابت ہے کہ تجھ سا کوئی برتر ہو نہیں سکتا

زمانے میں حسیں تو سینکڑوں ہم نے بھی دیکھے ہیں
ہمارا دل تو وارفتہ کسی پر ہو نہیں سکتا

---

آپ ہی دولت مال خزانہ آپ ہی بانٹن والا	آپ ہی داتی آپ ہی پونی آپ ہی بندہ مولیٰ
ہر کا کھیل نرالا سادھو ہر کا کھیل نرالا
آپ ہی اپنے روپ میں آ کر آپ کرت جھمیلا	آپ ہی اپنا آپ گرو ہے آپ ہی اپنا چیلا
ہر کا کھیل نرالا سادھو ہر کا کھیل نرالا
آپ ہی اپنی راہ بتایا آپ ہی ڈھونڈ نکالا	آپ ہی کعبہ آپ ہی کاشی آپ ہی کنشت شوالا
ہر کا کھیل نرالا سادھو ہر کا کھیل نرالا
اپنی پوجا آپ کرت ہے آپ جپت ہے مالا	آپ ہی مندر آپ ہی مسجد آپ بنا گوشالا
ہر کا کھیل نرالا سادھو ہر کا کھیل نرالا
وہ تو ہے ہر رنگ میں سمایا پرکھے پرکھن والا	کہت رضا وارث رے بابا کھیل ہے واکا نرالا
ہر کا کھیل نرالا سادھو ہر کا کھیل نرالا

---

## (وارث علی کے دوار)

چلو ری گوئیاں وارث علی کے دوار
دیوا نگر میں دھوم مچی ہے دولہا بنے ہیں وارث پاک	مل جُل سب سکھی سہرا گاویں جھومت ہے سنسار
چلو ری گوئیاں وارث علی کے دوار
جامہ اقدس انیؔ انا کا عرفاں کا سر پہ ہے تاج	عین سراپا سرِ حقیقت حُور و ملک بلہار
چلو ری گوئیاں وارث علی کے دوار
آل نبیؐ اولاد علیؓ ہیں رب کی سراپا ہیں شان	دیوا نگر میں آکے براجت ولیوں کے سردار
چلو ری گوئیاں وارث علی کے دوار
انحد کا باجا باجن لاگے عرش سے آئی برات	دولہا بن مورے مُرشد وارث تا پہ رضاؔ بلہار
چلو ری گوئیاں وارث علی کے دوار

دل وہی دل ہے جو اللہ کا جلوہ دیکھے — آنکھ وہ آنکھ جو قدرت کا تماشا دیکھے
وہ تو ایسا ہے کہ ہر شے میں نظر آتا ہے — چشمِ باطن سے اگر دیکھنے والا دیکھے
ایک ہی جلوے میں جب ہو گئے بیخود موسیٰ — تاب کس کو ہے جو اس کا رُخِ زیبا دیکھے
ذرّے ذرّے سے عیاں جب ہے تجلّی تیری — تجھ کو دیکھے یا کوئی تیرا تماشا دیکھے
تاب اتنی تو عطا کر دے خدایا مجھ کو — جس طرف آنکھ اٹھائے دل شیدا دیکھے
کور باطن سے یہ کہہ دو کہ مٹا کر ہستی — قطرے قطرے میں نظر آئے گا دریا دیکھے
ہم اسی طرح رضاؔ دیکھ رہے ہیں اس کو
جس طرح پیاس کا مارا کوئی دریا دیکھے

---

جی میں آتا ہے بُت کافر تری پوجا کروں — آئینہ تجھ کو بناؤں اور مَیں دیکھا کروں
وائے ناکامی کہ اب تک میں ہوں محرومِ وصال — کیا یہی ہے منصفی کہ عمر بھر تڑپا کروں
عمر آخر ہو گئی اے جانِ عالم تا بہ کَے — دیر میں مسجد میں کعبہ میں تجھے ڈھونڈا کروں
جس کی حسرت ہے مجھے ملتا نہیں وہ ماہرُو — اے فلک حورانِ جنّت لے کے آخر کیا کروں
یہ بھی اک ڈر ہے کہیں رسوا نہ ہو قاتل میرا — حشر میں خُونِ تمنّا کا اگر دعویٰ کروں
ہے یہی اپنی تمنّا اے رضائے وارثی
رُو برو پیرِ مغاں ہو اور مَیں دیکھا کروں

---

میری شان وہ ہے کہ مَیں جا بجا ہوں — جہاں ڈھونڈیئے ہر جگہ برملا ہوں
جہانِ تجسس مَیں نُورِ خدا ہوں — خدائی ہے میری مَیں عقدہ کشا ہوں
ہر اک روپ میں ہوں مَیں ان روپیا ہوں
میرا رُوپ گویا ہے اک نورِ وحدت — کہاں نور میں سایۂ آدمیت
سمجھ کون سکتا ہے میری مشیّت — جو میرے ہیں مَیں اُن کا مشکل کشا ہوں
ہر اک روپ میں ہوں مَیں ان روپیا ہوں
مَیں ستّار ہوں اور غفّار ہوں مَیں — مَیں جبّار ہوں اور قہّار ہوں میں

سمجھ میں نہ آئے وہ اسرار ہوں میں جو سمجھے مجھے اس کے دل کی صدا ہوں
ہر اک رُوپ میں ہوں میں ان روپیا ہوں

میرے نُور سے دونوں عالم ہیں روشن ستاروں میں رونق فلک ہے مزّین
چمکنے لگا مجھ سے دُنیا کا گلشن مَیں ہر شے میں ہوں اور جلوہ نما ہوں
ہر اک رُوپ میں ہوں مَیں ان روپیا ہوں

عقیدت سے جس نے مجھے جب پُکارا دیا مَیں نے ہر ڈوبتے کو سہارا
میری رحمتوں کا وہ بہتا ہے دھارا کہ منجدھار میں سب کا مَیں ناخدا ہوں
ہر اک روپ میں ہوں مَیں ان روپیا ہوں

---

# سعید وارثی

جناب سعید صاحب وارثی میرے ایک دیرینہ اور ہم مشرب سلسلۂ عالیہ وارثیہ سے منسلک شراب وارثی کے مست بادہ پرست سیّد ستار شاہ وارثی کے صاحبزادے ہیں۔ قبلہ ستار صاحب وارثی سے میری اکثر محفلوں میں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ بڑی پیاری شخصیت تھی۔ ستار وارثی صاحب مرزا راحت علی بیگ ظفر بریلوی سے شعر و شاعری میں اصلاح لیتے تھے۔ جب جب ملاقات ہوتی، اکثر ظفر صاحب مرحوم کا ذکرِ خیر نہایت ادب و احترام سے کرتے تھے۔ ظفر مرحوم صاحب راقم الحروف کے بھی اُستاد تھے، لہٰذا ستار وارثی صاحب کا شمار میرے نزدیک بزرگوں میں ہوتا ہے۔ ویسے بھی وہ ایک بزرگ اور قابلِ احترام شخصیت سیّد غفار شاہ وارثی کے فرزند ارجمند تھے۔ شاعری اُنہیں ورثے میں ملی یا نہیں اس کے متعلّق مَیں کچھ نہیں کہہ سکتا، لیکن جس سلسلۂ عالیہ وارثیہ سے اُنہیں نسبت تھی اس میں سوائے درسِ محبّت کے کوئی دوسرا درس ہے ہی نہیں۔ وہ اسی عشق و محبّت کے درس سے سرشار ہو کر اپنے عشق و محبّت کا اظہار شعر و شاعری میں کرتے تھے۔ ان کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم سے والہانہ عشق تھا۔ اُن کا نعتیہ کلام "معطر معطر" سعید وارثی صاحب نے چھپوایا ہے۔

سعید صاحب کو شعر و شاعری کا ذوق ورثہ میں ملا ہے۔ اُن کا کلام نعت کی صُورت میں "ورثہ" مجھے ملا ہے۔ اس کے علاوہ غزل وغیرہ کا کلام میرے پاس نہیں ہے اور نہ ہی سرِ دست دستیاب ہوا۔

ناز تم کو اگر ہے زر و مال پر ہم بھی بے بس نہیں بے سہارا نہیں

زورِ بادِ مخالف سے گھبرائیں وہ جن کو اُن کے کرم پر بھروسہ نہیں
کیا ہوا چاک اگر بادباں ہو گئے اور حالات نامہرباں ہو گئے
تیری چشمِ کرم جب ہو سایہ فگن دُور کشتی سے اپنی کنارا نہیں

---

# قمر وارثی

جناب قمر وارثی صاحب کا اصل نام ارشاد حسین ہے۔ پیدائش ۵ جنوری ۱۹۵۰ء بمقام فرخ آباد (یو پی بھارت) میں ہوئی۔ والدین سمیت گھر کے سبھی افراد اٹاوہ کے حضرت حاجی میاں محمود شاہ وارثی علیہ الرحمۃ جن کا وصال ۱۹۶۱ء میں اٹاوہ ہی میں ہوا اور وہ فقیر تھے۔ حضرت قبلہ سیّد ابوالحسن شاہ وارثی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کی بیعت و نرگیس پوشی سرکار عالم پناہ حافظ حاجی سیّد وارث علی شاہ علیہ الرحمۃ کے دست حق پرست سے ہوئی۔ ہندوستان سے ہجرت کر کے پہلے سکھر پھر بعد میں کراچی سکونت اختیار کی۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ملازمت اختیار کر لی۔ شعر و شاعری میں سب سے پہلے حضرت رئیس امروہوی سے اصلاح ہوتی رہی۔ بعد میں حضرت رشید انجم سے تلامذہ رہا۔ راقم الحروف کے پاس قمر صاحب کا مجموعہ کلام جو کہ نعتوں کا مجموعہ ہے "شمس الضحیٰ" کی صورت میں پہنچا۔

## نمونہ کلام نعت شریف

وابستہ رکھ حضورؐ سے دامن حیات کا اے دل یہی ہے ایک ذریعہ نجات کا

---

نعت احمد لکھوں مجھ میں قدرت کہاں میں کہاں میرے آقا کی مدحت کہاں
سیرتِ مصطفےٰؐ کا احاطہ کرے دامنِ لفظ میں اتنی وسعت کہاں

اس اعتقاد پہ ہم اعتماد رکھتے ہیں حضور اپنے غلاموں کو یاد رکھتے ہیں
عجیب غم ہے غمِ مصطفےٰ کہ ہم جیسے ہزار غم ہوں مگر دل کو شاد رکھتے ہیں

---

جبینِ شوق اسی کو تلاش کرتی ہے قمر دیار ہے جو ہر دیار سے بالا

# فقیر سیّد عنبر علی شاہ وارثی

حضرت عنبر شاہ وارثی صاحب خواجہ غریب نواز کی نگری اجمیر شریف (راجستھان بھارت) کے باشی ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد ہجرت کر کے کراچی آ گئے اور یہیں پر سکونت اختیار کر لی۔ آپ کی بیعت حضرت قبلہ میاں حیرت شاہ وارثیؒ کے دست حق پرست پر ہوئی۔ آپ نے سلسلہ عالیہ وارثیہ کی اعلیٰ پیمانے پر خدمات سرانجام دی ہیں۔ صاحب تصنیف ہیں۔

(نمونۂ کلام)

ترا خیال کر کے دل نشیں مَیں نے
مٹا دیا ہے جو تھا فرقِ کفر و دیں مَیں نے

کہیں یہ وہم کہ مَیں کیا میرا وجود ہی کیا
کہیں یقین کہ کیا حُسن کا حسین مَیں نے

محبّت اور محبّت میں وسوسے دل کے
بنایا خود ہی زمانہ کو نُکتہ چیں مَیں نے

جنونِ عشق پہ اب دیکھیں کیا کہے دُنیا
بنا لیا ہے گریباں کو آستیں مَیں نے

ہزار ہے مہ و انجم میں جلوہ نگیں
تیرا جواب نہ پایا مگر کہیں مَیں نے

سجود شوق پہ دُنیا کو کیوں یہ حیرت ہے
چمکتے ذروں پہ رکھ دی اگر جبیں مَیں نے

ہزار بار مَیں مر مر کے جی اُٹھا عنبر
سُنی زبان سے جو قاتل کے آفریں مَیں نے

نہ کیوں ہو فخر مجھے اپنے بخت پر عنبر
کہ سجدہ ریزی کو پایا درِ معینؒ مَیں نے

---

# ایاز وارث وارثی

ہزار جرم و خطا ہوں سیاہ کار نہیں
پہنچ گیا جو مدینے گناہگار نہیں

نگاہ والوں میں اُس کا کوئی شمار نہیں
غمِ حسینؓ میں جو آنکھ اشکبار نہیں

تُو کیوں نہ کوچۂ جنّت پہ جان دے زاہد
کہ تیری آنکھوں نے دیکھا ہی کوئے یار نہیں

ہر ایک ذرۂ خاکِ مدینہ کہتا ہے
کہ اس دیار سے بہتر کوئی دیار نہیں

مدینہ تاجِ سرِ خلد کا نگینہ ہے
زمیں پہ عرش کی تصویر ہے مزار نہیں

رسُول وراکبِ دوشِ رسُولؐ یکتا ہیں
سواری ایسی نہیں ایسا شہسوار نہیں

بلا لو جلد مدینے ایازؔ کو شاہا!
کہ زندگی کا جہاں میں کچھ اعتبار نہیں

---

رحمتِ کبریا تاجدارِ حرم اس طرف بھی نگاہِ کرم کیجیے
اشرفِ انبیاء فخرِ کون و مکاں میری بگڑی ہوئی کو بنا دیجیے

اے حبیبِ خدا نورِ ربّ العلیٰ فرش سے عرش تک آپ کی ضیا ہے
ظُلمتوں کو تجلّی بنا دیجیے دل کی دُنیا میری جگمگا دیجیے

اِک غلامِ غلامانِ حسنین ہوں اور خطا کار ہوں مَیں گناہگار ہوں
میری لاج و شرم آپ کے ہاتھ ہے اپنی کملی میں مجھ کو چھپا لیجیے

وارثِ دو جہاں کا تصدّق ملے مالکِ اِنس وجاں کا تصدق ملے
آج خیرالنساء کا تصدق ملے مَیں بھکاری ہوں صدقہ عطا کیجیے

سدرۃ المنتہیٰ سے بھی آگے گئے اور مقامِ دنیٰ کا نظارا کیا
ربِ سلم علیٰ اے رسُولِ خدا یا محمّدؐ ہماری خبر لیجیے

کشتیٔ دل ہے اور غم کا طوفاں ہے بس خدا ہی ہمارا نگہبان ہے
رحمتوں کے سہارے پہ ہے آسرا پار بیڑا ہمارا لگا دیجیے

خاتمِ انبیا شاہِ جن و بشر اے شفیعِ اُمم ہادیٔ دوسرا
ہے ایازؔ کمینہ غلام آپ کا اپنے قدموں میں آقا بلا لیجیے

---

ﺳﮧ ایاز وارث وارثی حضور قبلہ میاں بیدمؔ شاہ وارثی کے صاحبزادے ہیں۔

# قیصر وارثی

حاجی مولانا حکیم عبدالغنی شاہ قیصر وارثی مولانا سیّد منیر علی صاحب کے فرزندِ ارجمند تھے۔ آپ کے والد ماجد ہندوستان کے مشہور عالم و بزرگ حضرت مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی کے شاگرد خاص ہونے کے شرف کے ساتھ خداداد ذہانت و قابلیت رکھتے تھے۔ آپ نے مراد آباد میں مستقل سکونت اختیار کی اور خلد آشیاں نواب کلب علی خان والئ رام پور کے دور میں مدرسہ عالیہ رام پور میں مدرس اوّل (ہیڈ ماسٹر) رہے۔ حضرت سیّد قاسم علی صاحب رام پوری کی دخترِ نیک اختر سے آپ کی شادی ہوئی اور اُنہیں کے بطن سے مراد آباد میں قیصر وارثی ۱۸۸۷ء میں پیدا ہوئے۔ آپ پاکستان بننے سے تقریباً چھ سات سال پہلے ہی بمعہ خاندان کراچی میں آکر سکونت اختیار کرلی تھی اور بقیہ خاندان مراد آباد ہی میں رہا۔

آپ کو ابتدائے ہوش ہی سے مذہب و تصوّف سے لگاؤ تھا۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا مولوی محمّد گل صاحب مدرس اوّل مدرسہ امدادیہ مراد آباد کی توجّہ اور برکاتِ درس سے آپ پر خصوصی توجّہ رہی۔ ۱۹۰۴ء سے درویشی اور ۱۹۰۹ء سے شاعری کی ابتدا ہوئی۔ اس دوران آپ سیر کناں رہے۔ ممالک اسلامیہ اور بلاد پاک و ہند کی سیاحی فرمائی اور حیدر آباد دکن میں بھی رہے۔ پھر مراد آباد گئے۔ ۱۹۲۰ء میں سلسلہ عالیہ وارثیہ میں بیعت سے مشرف ہو کر احرام پوش فقیر ہو گئے۔ آپ کا وصال شریف کراچی میں ہوا اور وہیں پہ مدفن بنا۔ نمونہ کلام ملاحظہ فرمایئے۔

## غزلیات

جب سے مری نگاہ میں آ کے سما گیا کوئی — ہوش اڑا گیا کوئی مست بنا گیا کوئی
زیست کی منزلیں نئی مجھ کو دکھا گیا کوئی — عشق کی ایک آگ سی دل میں لگا گیا کوئی
آپ پسِ نقاب برقِ طور پہ آ گیا کوئی — ہوش اُڑا گیا کوئی آگ لگا گیا کوئی
میرے جنونِ عشق میں ہے وہ لطیف سی جھلک — حُسن جو پردہ ڈال کر جلوہ دکھا گیا کوئی
میری خوشی خوشی نہیں میرا الم الم نہیں — مجھ کو ہنسا گیا کوئی مجھ کو رُلا گیا کوئی
حُسن کا ایک ناز ہے رازِ فنا بقا ہے کیا — چاہے جلا گیا کوئی چاہے مٹا گیا کوئی

آج تو قیصرِ حزیں زلیست کی راہ مل گئی
آ کے خیال و خواب میں شکل دکھا گیا کوئی

---

ہر ایک جلوہ ہے مشتاق دلربائی میں
یہ کیسی لوٹ ہے یا رب تری خدائی میں

بھڑک رہے ہیں ہر اک سمت طور کے شعلے
کمال ہے یہ تیری شانِ خود نمائی میں

بیادِ مست نگاہی چشم پیتا ہوں
بھری ہے مَے جو مرے جام پارسائی میں

وہیں پہ ڈوب کے دل رہ گیا خدا کی قسم
اُٹھی جو موج کہیں بحرِ دلربائی میں

اِدھر تو آنکھوں میں آنسو اُدھر خیال میں وہ
بڑے مزے سے کٹی زندگی جُدائی میں

چھپا ہوا کہیں کعبہ بھی بُت کدہ میں تھا
خدا ملا ہے مجھے بُت کی آشنائی میں

وہی زمانہ میں قیصر بنا خدا کی قسم
کہ جس نے عمر گزاری تیری گدائی میں

---

کبھی تنہائی منزل سے جو گھبراتا ہوں
اُن کی آواز یہ آتی ہے کہ مَیں آتا ہوں

بے خودی کی یہی تکمیل ہے شاید اے دوست
تُو جو آتا ہے تو مَیں ہوش میں آجاتا ہوں

یہ ترا در بھی ہے کعبہ بھی ہے بُت خانہ بھی
سجدے کرتا ہُوا مَیں سب کو یہیں پاتا ہوں

طور خاموش سہی جلوے تو خاموش نہیں
بجلیاں کوندتی پاتا ہوں جدھر جاتا ہوں

اب اُسے ڈھونڈنے والا نہیں بھٹکے گا کوئی
میں رہِ دوست میں اِک نقش بنا جاتا ہوں

کون آواز دیئے جاتا ہے مجھ کو قیصر
کہ مَیں ہر گام پہ کہتا ہوں ابھی آتا ہوں

---

مرا عشق منظرِ عام پر ترا حُسن پردۂ راز میں
یہی فرق روزِ ازل سے ہے ترے ناز میرے نیاز میں

نہ حقیقتوں سے مجھے غرض نہ قدم ہے میرا مجاز میں
کہ مَیں ہوں تلاشِ جمال میں کہ میں ہوں تجسّسِ ناز میں

میرے سجدۂ ہائے جنوں کو اب کسی در سے کچھ نہیں واسطہ — کہ ہزار کعبہ و دیر ہیں مری اک جبینِ نیاز میں
نہ وہ ہوش ہے نہ وہ بے خودی نہ خرد رہی نہ جنوں رہا — یہ تری نظر کی ہیں شوخیاں یہ کمال ہے ترے ناز میں
مجھے کیا خبر کہ بقا ہے کیا مجھے کیا خبر کہ فنا ہے کیا — کہ مَیں دو جہاں سے ہوں بے خبر ترے عشق فتنہ نواز میں

یہ دُعا ہے قیصرؔ وارثی کہ مدینہ میرا مقام ہو
مری زندگی کی جو شام ہو تو سحر ہو اس کی حجاز میں

---

جس کو دیکھو وہ نظر آتا ہے دیوانہ ترا — واہ کیا انداز ہے اے چشمِ مستانہ ترا
اے حسیں جلوہ ہے ہر سُو بے حجابانہ ترا — ذرّہ ذرّہ کہہ رہا ہے مجھ سے افسانہ ترا
گُل ترے، گلشن ہے تیرا سب بہاریں ہیں تیری — آشیاں و برق سب کہتے ہیں افسانہ ترا
لُطف اُس کا ہے خمار اُس کا ہے مستی اُس کی ہے — پی لیا جس نے ازل کے روز پیمانہ ترا
اب کمی کیا ہے مرے ساقی پلائے جا مجھ کو — شیشہ تیرا، مئے تری ہے جام و میخانہ ترا

تُو نے کچھ ایسی پلائی اے نگاہ چشم دوست
روزِ اوّل سے ترا قیصرؔ ہے مستانہ ترا

---

## منقبت

مقامِ رحمت حق ہے ترے در کی زمین وارثؒ — ادا ہو جائے میرا بھی کوئی سجدہ یہیں وارثؒ
لیے بیٹھا ہوں سب ہوش و خرد قربان کرنے کو — ذرا جنبش میں آئے تیری چشمِ نازنیں وارثؒ
مقامات تعیّن سے جدا ہے عشق کی منزل — جہاں کوئی نہیں میری نظر میں ہے وہیں وارثؒ
بہاریں گُل نچھاور کرنے آئیں باغِ عالم میں — تمہاری مسکراہٹ بھی ہے اُف کتنی حسیں وارثؒ
اسی اُمّید پہ بیٹھا ہوں دامن تھام کر اُن کا — یہ فرما دیں کہ تُو میرا ہے اے قیصرؔ کہیں وارثؒ

---

# پنڈت نایاب شاہ وارثی

حضرت قبلہ پنڈت صاحب کا اسم گرامی جو والدین کی طرف سے عطا ہوا تھا پنڈت سیج رام دکیشت تھا۔ آپ کا مولد وطن دنیش پور تحصیل فتح پور ضلع بارہ بنکی یوپی بھارت میں ہوا۔ سنِ ولادت کے متعلق معلوم نہیں کب ہوا۔ موضع دنیش پور قصبہ دیوی شریف سے تقریباً پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ آپ گریجوایٹ ہیں تحصیلداری کے معزز عہدے پر فائز رہے۔ آپ بلند کردار، بلند اخلاق و خیالات کے مالک ہیں۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ بمقام دیوی شریف قصبے میں جو روحانیت کا مرکز ہے۔ ہندو مسلمان بلکہ تمام مذاہب بلا تفریق کے لوگ حضرت وارث پاک علیہ الرحمۃ پر حاضری دینا فخر محسوس کرتے ہیں اور مخلوق خدا روحانی فیض سے ہمکنار ہوتی ہیں۔ بغرضِ زیارت و حاضری تشریف لاتے ہیں۔ اس آماجگاہ سے کوئی بھی آج تک تہی دست نہیں گیا، بلکہ درِ وارثی سے تہی دست جانا کسی سائل کا شانِ وارث کے منافی ہے۔ اس عاشقوں کے مرکز سے ہر درد کا علاج ہوتا ہے۔ بقول:

او ہمہ درد را دوا دارد

حضرت سرکار وارث پاک علیہ الرحمۃ کے روضہ اقدس کی حاضری نے آپ کی کایا پلٹ دی، دولتِ فقر سے نوازے گئے۔ غالباً ۱۹۵۶ء میں سرکار وارث پاکؒ کے فقیر قبلہ شاہد میاں جو آستانہ وارثیہ پر فرائض منصبی ادا کرتے ہیں کے دستِ حق پرست پر تبدیلیٔ مذہب اور پھر بیعت سے مشرف ہوئے اور شرع محمدی پر گامزن ہو گئے اور آپ کا آبائی نام تبدیل کر کے پنڈت نایاب شاہ وارثی رکھا گیا۔ شاید بعد میں آپ نے تحصیلداری جیسے معزز عہدہ سے استعفیٰ متعلقہ گورنمنٹ آف انڈیا کو دے دیا۔ اس کے بعد ۱۹۷۱ء میں حضرت بابا قبلہ شیر شاہ وارثی بہاریؒ سے مکمل فقیری عطا ہوئی اور احرام پوش ہو گئے۔ وارثی فقیروں کے لیے نظامِ تعلیم علیحدہ ہوتا ہے جو خاص طور پر ایک فقیر کے لیے ہی ہوتا ہے۔ فقیر نے معاشرے کی اصلاح کا بوجھ اٹھانا ہوتا ہے۔ انسان کو مقامِ انسانیت سے روشناس کرانا ہوتا ہے۔ اس کا جو بھی قدم اٹھتا ہے راہ راست پر ہوتا ہے۔ اندھیرے سے اُجالے میں لانا ہوتا ہے۔ وارثی تعلیم میں درسِ محبّت کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ کسی کے دُکھ درد کو اپنا دُکھ درد سمجھنا پڑتا ہے۔ فقیری اختیار کرنے کے بعد صحیح معنوں میں راہِ فقر پر گامزن ہونا پڑتا ہے۔

لہٰذا آپ کو جب لباسِ فقر سے نوازا گیا تو بابا شیر شاہ وارثیؒ نے فرمایا کہ یہ لباسِ فقر دراصل جیتے جی کفن پوشی ہے لہٰذا مُردے کی کوئی خواہش آرزو باقی نہیں رہنا چاہیے۔ فقیر دعا بد دعا سے مستثنیٰ ہے۔ بڑی فقیری یہ ہے کہ ہاتھ نہ پھیلے۔ راقم الحروف کی پہلی مُلاقات مارچ ۱۹۸۶ء میں اجمیر شریف راجستھان بھارت میں دربار سرکار خواجہ غریب نوازؒ میں ہوئی تھی۔ آپ کی گفتگو اور اندازِ تکلّم فقیرانہ ہے۔ ارشادات وارثیہ کے سخت پابند ہیں۔

شاہ صاحب کی تعلیم کے زیرِ اثر رہ کر صدق کو اپنا توشہ بنایا۔ سلاسلِ روحانیت میں مرشدِ پاک رسول پاک صلّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم اور خدا سے عشق کی مختلف منزلوں سے گزار کر ہی سالک کو اکمل بنایا جاتا ہے۔ اس لیے ہر دانشور صوفی اور سالک اپنے عشق کی شدّت کا اظہار کرتے کرتے شعر کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ "تصوف برائے شعر گفتن خوب است" کے مصداق اگر شاعر صوفی بھی ہو تو عقیدت اور محبّت دست و گریباں ہو کر شعری قوتوں اور روحانی محسوسات میں اتصال پیدا کر کے اضطراری کیفیت پیدا کر دیتے ہیں اور اُن کی تخلیقات ادب عالیہ کا درجہ رکھتی ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیں۔

## قطعات

ہیں کاتب قدرت کی بے مثل یہ تحریریں
یا حُسنِ حقیقت کی پُر کیف ہیں تنویریں
وہ ساکنِ بطحا ہیں یہ والیٔ دیویٰ ہیں
ہیں ایک ہی صُورت کی بدلی ہوئی تصویریں

---

میرا وارث ہے کیا شمع طور ہے
میرے وارث کا گھر بقعہ نُور ہے
دیویٰ دیویٰ غیرتِ طُور ہے
کیسا نورانی نورالعلیٰ نُور ہے

---

## غزل

ہے تقاضۂ محبّت نہ اُٹھے سر آستاں سے
جہاں عقل تک نہ پہنچے مَیں گزر گیا وہاں سے

تُو ہے جانشینِ حیدر تُو ہے مرکزِ سخاوت
تُو نے کس قدر نوازا مجھے لُطف بے کراں سے

مجھے دی ہے اپنی چاہت یہ کرم یہ مہربانی
مَیں ادائے شکر تیرا کروں کون سی زباں سے

وہی خُوب جانتا ہے میرا مقصدِ تمنّا
نہ اٹھائے کوئی چلمن میرے اُن کے درمیاں سے

مجھے جب سے ہو گئی ہے درِ یار سے محبّت
مجھے دیکھتی ہے دُنیا اب نگاہِ بدگماں سے

مَیں نایابِ وارثی ہوں کہ سراپا رازِ اُلفت
میرا حال ہو گا ظاہر کبھی مرگِ ناگہاں سے

# سرور شاہ وارثی

جناب قبلہ سرور شاہ وارثی برار (خاندیس بھارت) کے رہنے والے تھے۔ قوم افغان سے تعلق تھا۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد گورنمنٹ کے محکمہ پولیس میں ملازمت کی۔ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد ہجرت کر کے کراچی آکر سکونت اختیار کر لی۔ سب سے پہلے خواجہ حسن نظامیؒ کے دست حق پرست پر مشرف بہ بیعت ہوئے۔ بعد میں سلسلہ عالیہ وارثیہ میں قبلہ بزرگوار میاں حیرت شاہ وارثیؒ سے اکتسابِ فیض کیا اور پھر انہی کے احرام پوش فقیر ہو گئے۔ عمر کا آخری حصہ سیاحی میں گزارا۔ ؎

نہ تیرے کوچے میں قرار ہے نہ اپنی گلی میں قیام ہے
تیرے زلف و رُخ کا فریفتہ کہیں صبح ہے کہیں شام ہے

زندگی میں فریضہ حج بھی ادا کر لیا تھا، مگر اس کے باوجود بھی اُن کے دل میں ایک بار پھر حج کرنے کی امنگ پیدا ہو گئی تھی۔ شریعت کے سخت پابند تھے۔ بحکم مرشد پاک طریقت اور وضع داری کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔ جب کسی دوسرے کو راہ راست سے بھٹکتے دیکھتے تو مزاج کو ناگوار گزرتا۔ مزاج عموماً جلالی تھا جو ایک قدرتی کیفیت تھی۔ آپ صاحب دیوان تھے۔

## نمونہ کلام

وارث نے محبت کی جب بنا ڈالی — پھر عشقِ حقیقی کی وہ شان دکھا ڈالی
کیا سحر کیا وارث معلوم نہیں ہم پر — پھر ہستی دُنیا میں کیا ہلچل مچا ڈالی
ناکام ہوئے گو سب لیکن تیری ہمت نے — جو بات نہ ہوتی تھی وہ کر کے دکھا ڈالی
واقف ہی نہ تھا کوئی اسرار محبت سے — ایک جام پلا کر ہمیں الفت بھی سکھا ڈالی
وہ درس دیا تم نے اخلاق و محبت کا — جو بات پتے کی تھی واللہ بتا ڈالی
وہ اک جام کے پیتے ہی سب ہو گئے دیوانے — اتنا تو بتا وارث کیا اس میں ملا ڈالی
وارث سا مصور کیا دُنیا میں کہیں ہو گا — سینے میں محبت کی تصویر بنا ڈالی
وارث کے سفینے کو کیا ڈر ہے حوادث کا — جب وارث قدرت نے خود اس کی بنا ڈالی
ہر سمت سے شور اُٹھا تحسین و ستائش کا — سرورؔ نے جو محفل میں مدحت سُنا ڈالی

# ابرشاہ وارثی

قبلہ ابرشاہ وارثی کا اصلی نام اللہ دتہ تھا۔ جالندھر شہر کی ایک بستی (مشرقی پنجاب بھارت) میں سکونت پذیر تھے۔ حضور میاں قبلہ بیدم شاہ وارثی علیہ الرحمۃ سے بیعت و رنگین پوشی تھی۔ جب ہندو پاک کا بٹوارہ ہوا، ہجرت کر کے ملتان میں آ کر سکونت اختیار فرمائی۔ ملتان ہی میں ۱۹۶۳ء میں وصال ہوا۔ وہیں پر دفن ہوئے اور مزار بنا۔ آپ کو سرکار وارث پاک علیہ الرحمۃ سے والہانہ عشق و محبّت تھا۔ اس عشق کے جذبے سے سرشار ہو کر اور دل کی کیفیات کا اظہار کرنے کے لیے شعر و شاعری کی طرف مائل تھے۔ آپ کا سارے کا سارا کلام پنجابی زبان میں اور نعتیہ ہے۔ آپ کا ہندوستان کی تقسیم سے پہلے کلام بعنوان ابرِ کرم، ابرِ بہار اور ابرِ رحمت تقریباً ۱۹۴۳ء میں چھپا۔ پاکستان معرضِ وجود میں آنے کے بعد ابرِ باراں، ابرِ جمال، ابرِ پاکستان، ابرِ انوار، ابرِ کمال، ابرِ مدینہ اور ابرِ محبّت کتابیں چھپیں۔

## نمونۂ کلام

ہزاراں حمد ذاتِ کبریا نوں — دُرود اس دے محمّد مصطفٰےؐ نوں
چوہاں یاراں توں مَیں قربان جاواں — انہاں دی خاکِ پا سُرمہ بناواں
جنابِ فاطمہؓ خاتونِ جنّت — برائے عاصیاں رحمت ہی رحمت
حسنؓ و حسینؓ پیارے مصطفٰےؐ دے — رہے ثابت قدم جو وچ رضا دے

---

دو جگ دے مختار محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم — خالق دے ہن یار محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم
بے سایہ نے ہوئے پیدا حُسن تے ہو گیا ہر اک شیدا — نبیاں دے سالار محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم

## دوہڑا

ڈُبیاں بیڑیاں نُوں بنّے لاون والے بِلّہ سُن لے ایہہ درد کہانی میری
ذرا زُلفاں نوں چا کے دید بخشو دُور کر دیو ایہہ پریشانی میری

دسّے کون آئینہ رُوجا تینوں مَیں قربان جاواں ایہہ حیرانی میری
تیرے ،ہجر وچہ رُو رُو کے ابرؔ وانگوں حدوں ودھ گئی اے ناتوانی میری

---

جہدی کملی نے کیتی اے خلق کملی دس اُس دی پیندی اے مدینے دے وچہ
لے درود جماعت فرشتیاں دی صبح و شام اے لہندی مدینے دے وچہ
او تھے بگڑیاں سب دیاں بندیاں نے آس کِسے دی نہیں ڈھیندی مدینے دے وچہ
ہے وجود پنجاب وچہ ابرؔ میرا اتے رُوح ہے رہندی مدینے دے وچہ

---

لِلّٰہ شاہِ اُمم ہو نگاہِ کرم سُن لو میری صدا
وقت آخر ہے صُورت دکھا دو مجھے دیکھو بگڑی بنا
آپ کے ہجر نے ہے ستایا مجھے دربدر جستجو میں پھرایا مجھے
ہوں پریشان مَیں اور حیران مَیں کر دو مجھے غم سے رہا
لِلّٰہ شاہِ اُمم ہو نگاہ کرم سُن لو میری صدا

---

# غلام رسول افضل وارثی

تُو وہ معشوق کہ عاشق ہو یزداں تیرا — واہ کیا حُسنِ اتم اے شہ خوباں تیرا
خُلق عاجز نہ ہو کیوں حقِ ثنا خوانی سے — مالک الملک ازل سے ہے ثنا خواں تیرا
انبیاء اور رُسل سب ہیں مکرّم لیکن — مرتبہ سب سے بڑا ختمِ رسُولاں تیرا
ذاتِ باری کی تجلّی کا سراپا مظہر — ایک اک جلوۂ حُسنِ رُخِ تاباں تیرا
ہادئی کون و مکاں کوئی بجز تیرے ہو کیا — دین تیرا ہے شریعت تری قرآں تیرا
اس قدر کامل و اکمل ہے مبارک ہستی — ہو فقط عارف باللہ ہی کو عرفاں تیرا

تیرے اوصافِ حمیدہ سے تو ہے یہ ظاہر — حق نے پیدا نہ کیا ہمسر کوئی انساں تیرا
تیرے صدیقؓ و عمرؓ اور وہ عثمانؓ و علیؓ — سر بسر قدسی صفت حلقۂ یاراں تیرا
سلطنت تیری ہے محیطِ حدِ ہر دو عالم — تُو وہ سُلطان کہ جبریل ہے درباں تیرا
سینۂ کُفر میں پیوست ہوا تیرِ قضا — نعرۂ دعوتِ حق بر سرِ فاراں تیرا
گرمئ حشر میں کام آئیں تو بس یہ دونوں — سایۂ رحمتِ حق یا سایۂ داماں تیرا
باعثِ زینت و زیبائش باغِ عالم — مُشک افشاں وہ سیہ گیسوئے پیماں تیرا
رشکِ فردوس نہ کیونکر ہوں فضائیں تیری — ہے گُل تر سے حسیں خارِ مغیلاں تیرا
اشرف المخلوق ہوا ہے یہ بدولت تیری — نوعِ انساں پہ ہے کتنا بڑا احساں تیرا
کشتئ زیست کا رُخ موڑ لے جو تُو سوئے حرم — راستہ خود ہی تعیّن کر لے طوفاں تیرا
مضطرب یاد میں رہتے ہیں دل وجاں دن بھر — شب کو سونے نہیں دیتا غمِ ہجراں تیرا

چل درِ شافعِ محشر پہ بعجلت افضلؔ
ہو وہاں خُوب علاجِ غمِ عصیاں تیرا

---

ملہ یہ الحاج میاں حیرت شاہ صاحبؒ کے مرید ہیں۔

## جگرؔ وارثی

حضرت حکیم شیخ محمد افتخار علی جگرؔ صدیقی الوارثی بمقام قصبہ لسوان ضلع سیتاپور ۱۲۸۹ھ بہ مطابق ۱۸۷۱ء میں پیدا ہوئے۔ آبائی سلسلہ نسب نامہ حضرت سیدنا و مولانا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ خلیفہ اوّل سے ملتا ہے شجرہ نسب یہ ہے۔

حکیم شیخ محمد افتخار علی جگرؔ صدیقی الوارثی بن شیخ اُمید علی خاں بن شیخ اشرف علی خاں بن شیخ محمد ہمت خاں بہادر بن شیخ محمد نعمت خاں ظفر جنگ بن شیخ محمد شیر خاں بن شیخ محمد مرتضیٰ خاں بن شیخ محمد حبیب خاں بن شیخ محمد سعید خاں بہادر المعروف بہ اسد جنگ بن محمد نصرت اللہ قاضی القضاۃ دربار دہلی بن شیخ محمد عالم بن شیخ محمد امجد بن شیخ محمد نصیر اللہ بن شیخ محمد علم الدین بن شیخ محمد اوحد دین بن شیخ محمد شمس الدین بن شیخ محمد جلال الدین بن شیخ عبد الملک بن شیخ محمد حمزہ

بن شیخ محمد عبدالمجید بن شیخ محمد جلیل بن شیخ محمد قاسم بن شیخ محمد بن حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ۔

حالاتِ زندگی:۔

مڈل کلاس تک بسواں میں انگریزی تعلیم حاصل کی۔ لکھنؤ میں انٹرنس کلاس کا امتحان دینے کے بعد بعض دلی مصائب کی وجہ سے انگریزی تعلیم سے دل ہٹ گیا اور پھر ہمیشہ کے لیے سکول سے علٰحدگی اختیار کر لی۔ آپ کے والد شیخ اُمید علی خاں مرحوم کا تخلص جنا تھا اور خواجہ حیدری آتش مرحوم کے شاگرد رشید تھے، مگر جگر وارثی صاحب نے خدائے سخن حضرت امیر مینائی کی شاگردی اختیار کی اور ۱۸۹۶ء میں رام پور جا کر شرف تلمذ حاصل کیا۔ بعد میں ایک عرصہ تک وقتاً فوقتاً اصلاح کی غرض سے آ کر قدم بوس ہوتے رہے۔ راجہ نوشاد علی خاں مرحوم تعلقہ دار جہانگیر آباد پر شاعری نے اثر کیا۔ اس کی وجہ سے تمام دُنیا کا سفر کیا۔ اس دلکش سفر میں بمبئی کی بہار کا جوبن علٰحدہ ہی تھا۔ واپسی کے بعد جگر نے لکھنؤ میں بدستور قیام کیا اور حضرت نوشاد کی راحتوں کے شریک رہے، لیکن بمبئی دیکھنے کے بعد لکھنؤ کا حُسن آنکھوں کو نہ بھایا۔ پھر بمبئی چلے گئے، لیکن وہاں سے پھر نامساعد حالات کی بنا پر اور راجہ نوشاد علی خاں مرحوم کی دوستی نے محبت کا اظہار کیا اور کھینچ کر لکھنؤ آ گئے۔ یہاں آ کر مرحوم نے ذوق کے شعر پر مصرعہ لگانے کی فرمائش کی۔

ع وہ مول لیتے ہیں جس دن کوئی نئی تلوار
لگاتے پہلے مجھی پر ہیں امتحاں کے لیے

جگر صاحب نے مندرجہ بالا مصرع لگا کر راجہ مرحوم کو سُنا دیے جنہیں بے حد سراہا گیا۔

۱۸۹۱ء میں جگر صاحب نے تجارت کی لائن اختیار کی اور سول لائن حضرت گنج لکھنؤ میں "اف جگر برادرس کمپنی" کے نام سے جنرل سٹور کے نام سے کھولا۔ اس فرم کو بہت نفع ہوا، مگر روز بروز افکار بڑھ جانے سے اور لاپرواہیوں سے کاروبار پر اثر پڑا اور کاروبار بند کر دیا۔

جگر صاحب نے ایک بار پھر ۱۹۰۷ء کو مستقل طور پر بمبئی میں قیام کرنے کے لیے ارادہ کر کے چلے گئے۔ وہاں پر ہر قسم کی کامیابی بھی رہی، لیکن غنی دل، قانع طبیعت اور گوشہ نشینی کی خُو ترقی کے راستے میں مانع ہوئی۔ پھر مایوس ہو کر ۱۹۱۴ء کو وطن واپس آ گئے۔

آپ کو آغازِ شباب ہی سے شاعری کا شوق ہے اور مندرجہ ذیل تصانیف اشاعت کرائیں۔

(۱) دیوانِ جگر حصہ اوّل (۲) دیوانِ جگر حصہ دوم (۳) دردِ جگر (ناول) مکاتیب جگر (غیر مطبوعہ)
(۴) تذکرہ الشعراء (۵) دورِ سُخن

آپ کے شاگردوں کی تعداد سو کے لگ بھگ ہے جن میں شیخ احمد صاحب واہ وارثی خیری، ماسٹر سید باسط علی صاحب باسط زمیندار بسواں سیکرٹری بزمِ جگر، منشی محمد سرفراز خاں صاحب سرور زمیندار بستی غزاں جالندھر پنجاب مولوی محمد عظیم صاحب واثق بسوانی، لالہ جگن ناتھ پرشاد صاحب شاد، سیٹھ بدھو لعل صاحب جوہر رئیس کان پور، سیٹھ پیر محمد صاحب وفا تاجر بمبئی، منشی سید علی صاحب سید قادری بگڈھی، منشی واجد علی صاحب واجد بلگرامی، منشی

شبیر حسین صاحب شبیر فتح پوری۔ نیز اور بہت سے احباب مشقِ سخن کی منزل طے کر چکے ہیں۔
وفات، مئی ۱۹۵۸ء کو واقع ہوئی اور بسوان ضلع سیتاپور (یوپی بھارت) میں سپردِ خاک ہوئے۔

## غزلیات

طرح مصرعہ: قربان ہوئی اس بُت کافر پہ خدائی

یادِ بُتِ کافر میں ہمیں نیند نہ آئی — ہم جاگتے تھے رات کو سوتی تھی خدائی
ساتھی بھی چھُٹے منزلِ مقصد بھی نہ پائی — روتی ہے مقدر کو میری آبلہ پائی
دل خاک ہوا جل کے مگر ہم یہ نہ سمجھے — کب آگ لگی کیسے لگی کس نے لگائی
اعمال بد و نیک پہ پردہ نہیں پڑتا — انسان کی چھپتی ہے بُرائی نہ بھلائی
گل پہلے وہ ہنس ہنس کے چڑھاتے شب کو — پھر شمع میری قبر پہ رو رو کے جلائی

تم کیسے مسلمان ہو جگرؔ کیوں نہیں قائل
کہتی ہے خدا اس بُتِ کافر کو خدائی

(الناظر، لکھنؤ۔ جون ۱۹۳۵ء)

---

طرح مصرعہ: پھر نہ دامن نظر آیا نہ گریباں مجھ کو

داورِ حشر یہ ہے حشر میں ارماں مجھ کو — بدلے جنّت کے ملے کوچۂ جاناں مجھ کو
لے گئے لے گئے دل کر گئے بے جاں مجھ کو — دے گئے دے گئے داغِ غمِ ہجراں مجھ کو
میں تو کعبے کی طرف دل کو چلا تھا لے کر — لے چلا دل طرفِ کوچۂ جاناں مجھ کو
اشک شوئی غمِ فرقت میں یُونہی ہوتی ہے — ہنس دیا کرتے ہیں وہ دیکھ کے گریاں مجھ کو
جس طرف کوچۂ قاتل میں گزر ہوتا ہے — نظر آتے ہیں اُدھر موت کے ساماں مجھ کو
مری تقدیر کہ تم سا تو مسیحا پایا — اور پھر بھی نہ ملا درد کا درماں مجھ کو
یُوں اکیلے ترا جانا نہیں اچھا سرِ حشر — ساتھ لیسلے بُتِ غارت گرِ ایماں مجھ کو

کافرِ عشقِ بُتاں ہوں مَیں تعجب ہے جگرؔ
کیوں مُسلماں سمجھتے ہیں مُسلمان مجھ کو

---

طرح مصرعہ: عرض کریں گے ہم بھی کچھ انجمن نیاز میں

رات کو بے خبر رہے آپ تو خوابِ ناز میں — نیند نہ آئی صُبح تک ہم کو شبِ دراز میں
اور کسی کا نُور ہے اُس مہ دلنواز میں — عکس کو دیکھ بے خبر آئینہ مجاز میں

دیکھیے فیصلہ ہو کیا ناز اور نیاز میں
جائیں گے بے بلائے پھر یار کی بزمِ ناز میں
آپ ادھر بھی آیئے خلوتِ ناز سے کبھی
عرض کریں گے ہم بھی کچھ انجمن نیاز میں
قصہ زلف چھیڑ کر دل نے بڑا کرم کیا
اور بھی طول بڑھ گیا مری شب دراز میں
دیکھ کر آسماں کو ہم تو زمین میں گڑ گئے
جب نہ کہیں جگہ ملی آپ کی بزمِ ناز میں
حُسن ہے عشق سے خفا حشر کا دن گزر گیا
کچھ بھی نہ فیصلہ ہوا ناز اور نیاز میں
روز میں جا کے بیٹھتے روز اُٹھائے جاتے ہیں
قدر بہت ہے آج کل یار کی بزمِ ناز میں

قلب و جگر پہ اے جگرؔ کیا کہیں کیا گزر گیا
دونوں جہاں لُٹ گئے اک نگاہ ناز میں

---

مَیں نے راحت سے ترے ہجر کی راتیں کاٹیں
چارا سازاں بر اندیش کی باتیں کاٹیں
دل کو تڑپا تیری فرقت میں تو آرام رہا
رات دن ترے تصوّر سے مجھے کام رہا
کیا گلا خواب میں صُورت نہ دکھائی مجھ کو
نیند ہی جب نہ شب غم کبھی آئی مجھ کو
دل مرا جلوہ گر طُور نظر آتا ہے
ہر ستارے میں تیرا نُور نظر آتا ہے
رات کو جلوۂ مستور تیرا پھیلا ہے
چاند کا نُور نہیں نُور تیرا پھیلا ہے
شب کو وا دیدۂ بیدار رہا کرتا ہے
ہر ستارہ مجھے حسرت سے تکا کرتا ہے

ساتھ میرا تیرا اے آئینہ رہتا تھا
وہ بھی دن یاد ہیں جب سامنے تُو رہتا تھا

(الناظر، لکھنؤ)

---

ہم اس بزم میں مہماں جا رہے ہیں
بُلایا ہے کِس نے کہاں جا رہے ہیں
اُٹھے ہیں جو خوش خوش کوئی اُن سے پُوچھے
وہ دفنا کے ہم کو کہاں جا رہے ہیں
مرے بعد اتنا خیال اُن کو آیا
مٹانے لحد کا نشاں جا رہے ہیں
عدم کو جانے والے عدم کو سدھارے
کِسی سے نہ پُوچھا کہاں جا رہے ہیں
خدا ہی پہنچائے اُن کو تو پہنچیں
عدم کو تیرے ناتواں جا رہے ہیں
مجھے در سے اُٹھوا کے کہتے ہیں ہنس کر
کوئی اُن سے پُوچھے کہاں جا رہے ہیں
بڑے لُطف سے ہم چلے ہیں قفس کو
لیے دوش پر آشیاں جا رہے ہیں
کِسی نے نہ اے موت ہم کو بتایا
کہاں سے ہم آئے کہاں جا رہے ہیں
خجل ہوں گے میخانے میں شیخ صاحب
مرے ساتھ حضرت کہاں جا رہے ہیں

اُن کے مزار دیکھنے والے بھی رو دیے — مارے ہوئے جو اُس نگہہ جانستان کے ہیں
سینے میں سوز دل میں ہے کاوشِ جگر میں درد — جتنے کرم یہ ہم پہ ہیں اک مہرباں کے ہیں
سب پر طوافِ کوئے خرابات فرض ہے — جتنے مرید حضرتِ پیرِ مغاں کے ہیں
اُن کی یہ ہے وہ بڑے خوش نصیب ہیں — سجدے نصیب جن کو ترے آستاں کے ہیں
مشکل ہے میرے ٹوٹے ہوئے دل کا جوڑنا — سمجھو تو پہلے کون سے ٹکڑے کہاں کے ہیں
منہ پھیر کر چلے ہیں جگرؔ اُن سے پوچھ لو
دل خاک میں ملا کے ارادے کہاں کے ہیں

---

حکیم جگر وارثی بسوانی نے اپنے قصبہ بسوان ضلع بارہ بنکی میں ایک بزم کی طرح و بنیاد ڈالی تھی جس کا نام بزمِ جگرؔ بسواں رکھا تھا۔ بسوان میں ماہانہ اور سالانہ مشاعرے منعقد ہوتے تھے۔ اس مشاعرے میں پورے ہندوستان کے شاعر شرکت کرتے تھے۔ ایک سالانہ مشاعرے کی رُوداد

انتخاب مشاعرہ سالانہ بزمِ جگرؔ بسوان (الناظر ۔ لکھنؤ)

مصرع طرح : جان لے کر اُس نے بیماروں کو اچھا کر دیا

## حکیم جگرؔ صدّیقی الوارثی

کام جو کرنا تھا تجھ کو وہ مسیحا کر دیا — مار ڈالا ہم کو دُنیا بھر میں زندہ کر دیا
ٹوٹے ہوئے بازو اور بھی توڑے مرے صیاد نے — ہنس کے دروازہ قفس کا اُس نے پھر وا کر دیا
مرگئے سب وہ سمجھتے ہیں تسلّی ہو گئی — ہنس کے کہتے ہیں مریضوں کا مداوا کر دیا
کس قدر افسردہ تھا باغِ کائنات — حُسن کی نیرنگیوں نے رنگ پیدا کر دیا
یہ طرفداری نہ تھی تو کیا تھا قسامِ ازل! — ہم کو بیدل کر دیا اُن کو دل آرا کر دیا
فاتحہ پڑھتے رہے ہنستے رہے روتے رہے — قبر پر آکر اُنہوں نے قول پورا کر دیا
دیر سے بگڑے ہوئے بیٹھے ہیں اس بات پر — کیوں مرے بیمار کو عیسیٰ نے اچھا کر دیا
کیا سمجھ کر شمع روئے یار پر تم نے جگرؔ
صورتِ پروانہ دل قرباں اپنا کر دیا

## ماسٹر باسط بسوانی سیکرٹری بزمِ جگرؔ

بے خودی میں رازِ اُلفت اُن پہ افشا کر دیا — آپ میں آئے تو سوچے ہم نے یہ کیا کر دیا

خیر ہم تو ہوگئے بدنام اپنے عشق سے — تجھ کو لیکن حُسن والے کس نے رسوا کر دیا
جان لینا ہی مریضِ حق کے غم میں خُوب تھا — تم نے یہ اچّھا کیا دراصل اچّھا کر دیا
مَیں ترے رازِ اُلفت کو چھپاتا ہی رہا — دیکھ افشا ہو گیا یا مَیں نے افشا کر دیا
اشکِ حسرت رات دن رو دیا کیسے پُونچھا کیے — آستیں میں جذب ہم نے ایک دریا کر دیا
کیا بتائیں عشق نے ہم سے کیا کیا سلوک — جو نتیجہ چاہئے تھا وہ نتیجہ کر دیا

خُون کے آنسو جو تم روتے ہو باسط رات دن
کیا کِسی بے درد نے خُونِ تمنّا کر دیا

## ایجاد بسوانی

شمع کے اشکوں میں شامل تھا مگر آبِ حیات — اپنے پروانے کو پھر محفل میں زندہ کر دیا

## احمد خیر آبادی

اپنی آنکھیں کھول غافل اور فیضِ علم دیکھ — علم والوں کو خدا نے مُلک والا کر دیا

## بشیر بسوانی

جو کہ اچھے تھے ہوئے بیمار اُس کو دیکھ کر — اور بیماروں کو اُس نے آ کے اچّھا کر دیا

## بکیس بلگرامی

کامیاب آرزو ہنستے ہیں میرے حال پر — تم نے ایسا مجھ کو ناکامِ تمنّا کر دیا
سب اُنہی کو دیکھتے ہیں اہلِ محشر حشر میں — سب انہی کو کہتے ہیں اک حشر برپا کر دیا

## خبر بسوانی

تربتوں میں بھی رہیں گے بارِ احسان سے دبے — جان دے کر اُس نے بیماروں کو اچّھا کر دیا

## شاعرہ پردہ نشیں حجاب صاحبہ شاہجہانپوری

ختم یوں دستِ جنوں نے سب کا جھگڑا کر دیا — ہتھکڑی ٹوٹی کہ بیڑی کا ارادا کر دیا
ہائے رازِ غم کا دل سے رُخ پہ جا پہنچا اثر — کر دیا حسرت بھری صُورت نے رسوا کر دیا

برمحل تھا ربطِ حُسن و عشق آگے کیا کہوں
کس کے قابل کون تھا قسمت نے کس کا کر دیا

تابعِ حکمِ جُنوں ہیں ہم کو کیا پاسِ مقام
بارہا صحرا کو گھر اور گھر کو صحرا کر دیا

ہم کلام اس سے ہوئے کیوں دل میں تھا جب جوشِ شوق
ہم نے خود ہر حرف کو حرفِ تمنّا کر دیا

گو کلامِ عاشقانہ سے ہے اب نفرت حجابؔ
پھر خاطرِ جگر صاحب کا کہنا کر دیا

## خرد بسوانی

کچھ بھی تو ہستی نہ تھی آدم کی اے میرے کریم
خاک کا پُتلا تھا رُتبہ تُو نے اعلیٰ کر دیا

## سُرور جالندھری

دستِ رنگین دیکھتے ہیں آج وہ پھر بار بار
آج پھر قتل دو عالم کا ارادہ کر دیا

## شور بسوانی

کیوں مقدر سے نہ پہنچے عرش پر اُس کا دماغ
تری زُلفِ عنبریں نے اُس پہ سایا کر دیا

## خلیل بسوانی

مست آنکھوں سے جو ساقی نے اشارا کر دیا
پھر مئے دل میں ہمارے جوش پیدا کر دیا

اس طرح فاراں کی چوٹی پہ چمکا نورِ حق
کُفر کی تاریک دُنیا میں اُجالا کر دیا

جلوۂ دلدار و موسیٰ سامنے تھے طُور پر
عشق نے آ کر بیچ میں دونوں کے پردا کر دیا

وہ سُنا کر مجھ پریشاں حال کو کہتے رہے
ایک سودائی نے ہم کو خُوب رسوا کر دیا

آئے تھے کعبہ سے بُت خانہ میں اُٹھ کر ہم خلیل
آج بُت خانہ سے کعبہ کا ارادا کر دیا

## نشاط بسوانی

دل کو حیراں اُن کو ناخوش خود کو رسوا کر دیا
کیا کیا مَیں نے کہ اظہارِ تمنّا کر دیا

بعد مرنے کے بہائے اشک اس کی خاک پر
شمع نے پروانہ کا ٹھنڈا کلیجہ کر دیا

اُس نے پُوچھا حال ہم نے ایک ٹھنڈی سانس لی — اس طرح افسانۂ غم کا خلاصہ کر دیا
حُسن گر ہوتا نہ دُنیا میں تو یہ بے کیف تھی
ہاں اسی اک چیز نے دُنیا کو دُنیا کر دیا

## سوز بسوانی

جان دیتا ہوں اُسی پر جس نے رسوا کر دیا — اس پر مَیں قربان جس نے درد پیدا کر دیا
حرکتِ دل موج ہے اور زندگی دریا کی موج — جب اجل آئی تو دریا نے کنارا کر دیا
کیا بد قسمت ہوں مَیں یارو کہ میرا رازِ عشق — گر چھپایا دل نے تو آنکھوں نے افشا کر دیا
دہر میں تنہا رہا عقبیٰ میں بھی تنہا رہوں — گوشۂ تربت میں بھی یاروں نے تنہا کر دیا
سوزؔ پروانے جلے لیکن نہ رسوائی ہوئی
شمع نے خود جل کے رازِ الفت افشا کر دیا

## رام بسوانی

رام جی کے نام سے یہ جان و دل ہیں شادماں — رامؔ اُن کے نام میں احسان کیا کیا کر دیا

## سُندر بسوانی

جو ہماری قبر کو پامال کر کے ہنستے ہیں — ساری دُنیا میں اُنہیں نے حشر برپا کر دیا

## رتن اورنگ آبادی

ایک ہی ترچھی نظر سے ہائے یہ کیا کر دیا — تھم چُکا تھا درد جو پھر دل میں دُونا کر دیا
آپ میں آنا ہمیں دشوار پہروں ہو گیا — جب کسی نے ذکر کچھ ہم سے تمہارا کر دیا

## صدیق بسوانی

لن ترانی کی صدا آئی تو موسیٰ غش میں تھے — یہ نہ پُوچھو یار نے کیا کہہ دیا کیا کر دیا

## مائل خیر آبادی

اُس نے شاید غیر کے دھوکے میں پُوچھا تھا ہمیں — کیا سمجھ کر ہم نے اظہارِ تمنّا کر دیا

چار جانب کی فضائیں منقلب ہونے لگیں — پھیر کر آنکھیں اُنھوں نے کیا اشارا کر دیا
کیا ہوئیں وہ شوخیاں، بیباکیاں، خود بینیاں — حشر میں کیوں آج کہتے ہو کہ رسوا کر دیا

## ماہر شاہ آبادی

خونِ حسرت کر دیا خونِ تمنّا کر دیا — اے تغافل کیش تُو نے کام دل کا کر دیا
موردِ الزامِ اُلفت ہم سہی ناصح گو — عشق پروانہ کے دل میں کس نے پیدا کر دیا
کوہ کن نے سر کو پھوڑا خاک چھانی قیس نے — تُو نے چاہا جس کو جیسا اُس کو ویسا کر دیا
بات تو جب ہے کہ خود پُوچھیں وہ دل کی آرزو — لُطف ہی کیا ہے جو اظہارِ تمنّا کر دیا

## ناصر تمبوری

وہ کیا ہم نے جو کچھ تم نے اشارا کر دیا — پیرِ مغ پیرِ طریقت تجھ کو اپنا کر دیا
ناخدا جس کو بنایا تھا وہی دشمن ہوا — غرق اُس نے آخرش دل کا سفینا کر دیا

## طالب نذر آبادی

کیا کیا اے عشق آخر تُو نے یہ کیا کر دیا — اُن کے حُسن بے وفا کا ہم کو بندا کر دیا

## قیس کاکوروی

پھر مرے ظالم نے اک جُھوٹا سا وعدہ کر دیا — پھر مرے مر مر کے جینے کا سہارا کر دیا
اک نظر دیکھا تمھیں جس نے تماشا بن گیا — اک نظر دیکھا جسے تم نے تماشا کر دیا
یا محمدؐ ایک انعامِ نبوّت کے سوا — ہر تجلّی نے تری کتنوں کو موسیٰ کر دیا

## قرار بسوانی

دیکھیے اس شوخ کی جادو نگاہی کا اثر — درد مرے دل جگر دونوں میں پیدا کر دیا

## نظر جالندھری

موت کی سُن کر خبر احساں اتنا کر دیا — مر چکے تھے ہم اُنھوں نے آ کر زندا کر دیا
سر جُھکائے دیر سے پچھتا رہے ہیں حشر میں — ہم نے ناحق خُون کا قاتل پہ دعویٰ کر دیا

## دامن بسوانی

قتل کرکے ان پہ احسان اے مسیحا کر دیا　　جان لے کر تو نے بیماروں کو زندا کر دیا
یہ ہوا انجام بیمارِ الم کی موت میں　　عمر بھر کا ختم اک ہچکی میں قصہ کر دیا

## ہمسر بارڑوی

گُل کھلائے آکے چشمِ خوں فشاں نے اس قدر　　خلد ہم نے کوچۂ قاتل میں پیدا کر دیا

## یوسف محمود آبادی

حُسن اپنا ہر طرح سے آشکارا کر دیا　　واہ کیا پردہ کیا خود کو ہویدا کر دیا
عاشقِ جانباز لاکھوں تھے یہ ہے اُن کا کرم　　سر ہمارے ناز برداری کا سہرا کر دیا

## طرب بسوانی

ہو گئے ہیں اس قدر فرقت میں ہم غم آشنا　　درد اپنے دل میں ہم نے آپ پیدا کر دیا

---

# امیر مینائی

۷؍جون ۱۸۹۱ء
حکیم برہم صاحب اڈیٹر ریاض الاخبار۔ گورکھ پور
پیارے برہم دعائیں لو! نورِ چشم ممتاز نے الممتاز سے متعلق تمہارے حکموں کی تعمیل کر کے کارڈ اطلاعی تم کو لکھ بھیجا اب اس خط میں کوئی جواب طلب بات نہ رہی، البتہ وہ قطعہ جس کا ایک مصرعہ تم نے لکھ کر تین مصرعے اُوپر کے مانگے ہیں وہ بھیجنا ہے ٹھیک ٹھیک وہی لفظ جو عہد واجد علی شاہ مرحوم میں کہے تھے یاد نہیں رہے اس لیے کہ عہد شاہی تک جو کلام مرتب ہوا تھا وہ غدر میں تلف ہو گیا۔ اس وقت خیال کرنے سے جو مصرعے یاد آئے وہ یہ ہیں:

مجھ کو حقّہ دے کے ٹالا غیر کو بوسہ دیا
دیکھتا جا او مرے دمباز اپنے طور کو
حصّہ کس کو دے دیا کس کو ذرا انصاف کر
دود بے حلوا مجھے حلوائے بے دُود اور کو

وسیم ایک برس سے اس دفتر میں نہیں ہیں۔ راجہ جون پور کی سرکار میں نوکر ہیں۔ سال بھر کے بعد کل اُن کا ایک خط آیا ہے۔ (امیر فقیر)

رام پور۔ ۸، ستمبر ۱۸۹۷ء

پیارے برہم !

اس وقت سلام و دعا سب نذار داس لیے کہ ایک تحریر سے معلوم ہوا کہ آپ رائے سین کے انسپکٹر ہو گئے۔ اگر یہ سچ ہے تو ہم سخت ناچار و مضطرب ہو گئے۔ اب دردِ دل کس کو لکھیں، کس کی رسائی ذہن کے اُمید گاہ میں رسائی تقدیر کی امید رکھیں۔ معلوم نہیں کیا مصلحت ہے کہ آپ نے پہلے تحصیلداری سے انکار کیا، اب انسپکٹری قبول کر لی۔ ہماری نظر میں آج وہ شہر سُونا ہو گیا خیر! غریبوں کا اللہ والی ہے، خدا سے دُعا ہے کہ آپ جہاں رہیں خوش رہیں اور ہمیشہ اپنی خوشی سے خوش ہونے والوں کا دل خوش کیا کریں اور ہم کو بتا دیں کہ اب ہم تحریکات خاص کی کیا سبیل نکالیں اور کوئی مطلب اس خط میں لکھنے کا موقع نہیں۔ ایک خط اور کلام تمہارا کئی روز ہوئے بھیجا ہے۔ اس کی رسید کا انتظار ہے۔ (امیر فقیر)

۳۱، مارچ ۱۹۸۹ء

میرے پیارے کوثر!

مَیں نے کس خط کا جواب تلم انداز نہیں کیا۔ وسیم گواہ ہیں کہ خیر آباد کو خاتون کی مزاج پرسی کا خط فوراً بھیجا صاحب گنج سے جو آیا تھا اس کا جواب بھی دوسرے یا شاید تیسرے دن روانہ کیا خدا جانے کون دشمن راہ سے اڑا لیتا ہے۔ یہ خط مورخہ ۲۵، رجب کو اس وقت آیا اگرچہ فرصت نہ تھی مگر سب کام چھوڑ کر غزلیں دیکھیں بنانا تو کہاں ہو سکتا ہے، ایک دو جگہ عیوب پر آگاہ کر دیا۔ ایک دو جگہ آہستہ آہستہ والی غزل میں بنا بھی بنا دیا اور انتخاب کے صاد کر کے وسیم کو غزلیں دے دیں کہ لکھوا کر نثار کو آج ہی بھیج دیں اور مسودے کو داخلِ ذخیرہ مسودات کر کے آپ کو بھیج دیں۔ اُمّید ہے کہ آپ روانہ کریں۔ میری طاقت روز بروز گھٹتی جاتی ہے اور مکروہات بڑھتے جاتے ہیں۔ لغت میں مصروفی اور محنت کی بہت حاجت ہے۔ شاعری بہت چھوٹی ہے اصلاح کو کلام بکثرت آتا ہے کون بنائے کون جواب لکھے۔ انقلابات و تغیرات جو ریاست میں ہو رہے ہیں وہ اور پریشان کر رہے ہیں۔ مولوی محمّد عبدالحق صاحب کے اعزاز و امتیاز و ترقّی مراتب سے بہت جی خوش ہوا۔ خدا خوش رکھے اور توفیقات نیک دے۔ (امیر فقیر)

مجبّی و مکرّمی :

سلام وشوق واخلاص و نیاز و سپاسِ یاد آوری کے بعد التماس ہے کہ نوازش نامہ آیا۔ آپ کی غزل پیام یار میں نہ چھپنا میرے قصور سے نہیں ہے میں نے جلد دیکھی تھی۔ وسیم و نعیم و اصغر وغیرہ کی غزلیں بھی گئی تھیں۔ عابد کی غزل بھی روانہ ہوئی تھی۔ کسی کی نہیں چھپی خدا جانے کیا سبب ہوا۔ پھر غزل ابھی آئی ابھی دیکھی اور آپ کو بھیجتا ہوں تاکہ آپ بھیجیں، اللہ تعالیٰ وبا کو وہاں سے دفع فرمائے۔ بارش ادھر کم ہے، آب و ہوا میں اب تک وبائیت نہیں ہے۔ رسید لکھیے گا تاکہ اطمینان ہو۔ انتخاب الانتخاب بھیجیے گا۔ (امیر فقیر)

---

پیارے کوثر : ترکیب استعمال دوا کی معلوم ہوئی سفوف پھانک لینا آسان، مگر یہ عرقیات کی قدرح پینا محال۔ کوئی سہل راہ نکالیے۔ غزل تو دیکھی ہوئی رکھّی تھی۔ تتمہ اس وقت دیکھا اور جو شعر پسند آیا اس پر صاد کیا۔ گلچیں میں جو مجھ سے طرح کی فرمائش ہوئی تھی میں نے یہ مصرع لکھ کر بھیج دیا ہے۔ "کنی ہیرے کی نیلم یہ بری ہے"۔ سب اعزہ و احباب تسلیم رساں ہیں۔

فقط (امیر فقیر) ۱۳ ستمبر

---

رام پور ۸ مارچ ۱۸۹۸ء

مجبّی حکیم صاحب ! سلام مسنون دعا مشحون۔ مہربانی نامے نے پہنچ کر شکر گزار یاد آوری کیا ؎

اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی

---

خداوند عالم آپ کا ارادہ اور میری تمنّا بعنوان احسن پوری کرے۔ پرانے مہربان دوستوں میں اُن کا دم باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے انفاس میں برکت دے۔

---

محب ساقی کوثر سلامت کل محبّت نامہ آیا ممنون کیا

---

سیّد صاحب مہربان وکرم فرمائے مخلصاں سلامت

---

حضرت زاہد کو ایک رند آلودہ گناہ کا سلام پہنچے۔ اور خالی خاطر محبت مآثر ہو

دلنواز! سلام ونیاز۔ ورنہ آپ کا شوق چمک جاتا۔
سعید ورشید دارین عزیزی! الٰہی پیارے زاہد کو مکروہات سے محفوظ اور مرغوبات سے محفوظ رکھ۔
شادی بخیر وخوبی ہو گئی۔

---

جوانی کی راتیں مرادوں کے دن دلہن کا ہو کیوں طلب گار سہرا
چمکتی ہیں کیا بجلیاں نورِ رُخ سے ہوا سے جو ہلتا ہے ہر بار سہرا
یہ ہم رنگ کی دون اللہ رکھے
طرحدار نوشہ طرحدار سہرا

---

# فدا وارثی

ہمیں آیا اگر کچھ ذوق اپنی خود نمائی کا پکار اُٹھے گا خود ہی ناز اس کی کبریائی کا
مزہ ہیں دم بھرا وارث کی سچّی آشنائی کا یہ کیا معلوم تھا ہم کو کہ غم ہو گا جدائی کا
خدا سمجھے تجھے ناصح ملامت پر ملامت کی کیا آخر کو تُو نے فاش پردہ پارسائی کا
تمہاری چشم پُر فتنہ کے یہ سارے کرشمہ ہیں چُرا لائے کسی کا دل مرض ہے دلربائی کا
فلک خود پیر ہے گردش ستائے آپ ہے اُس کو اسی سے آہ کو شکوہ ہے اپنی نارسائی کا
دکھا دو جلوۂ وارث کہ ہم مُشتاق مرتے ہیں اگر کچھ بھی تمہیں دعویٰ ہے اپنی خود نمائی کا
کیا کرتے ہیں کافر اور مومن وارثی سجدہ
فدا کس آنکھ سے دیکھیں تماشہ ہے خدائی کا

ماہنامہ "صحیفۂ وارث" جمادی الاوّل ۱۳۳۶ھ
دیویٰ شریف

---

# اصغر وارثی

آنکھوں میں آئے وارث دل میں سمائے وارث
تیرے لیے ٹھکانے کیا کیا بنائے وارث

یوسف کا اے زلیخا تو نام بھی نہ لیتی
تو بتلائے لیلیٰ ہم بتلائے وارث

خاکِ شفا سے بہتر کحل البصر سے بڑھ کر
اکسیرِ عاشقوں کی ہے خاکپائے وارث

اے آفتابِ محشر، محشر سے مت ڈرا تو
سایہ فگن ہے ہم پر ظلِّ ہمائے وارث

اب ڈوبتی ہے اپنی بحرِ الم میں کشتی
کیونکر نہ یاس سے میں چلاؤں ہائے وارث

اصغر کی یہ تمنّا بر آئے یا الٰہی
دل کو نثار وارث جاں ہو فدائے وارث

"صحیفہ وارث" جمادی الاوّل ۱۳۳۶ھ دیوی شریف

---

# اختر قدوائی وارثی

ہاں وارثِ محمدؐ وارث علی تمہیں ہو
شاہوں کے شاہ تم ہو حق کے ولی تمہیں ہو

یہ دل ہے گھر تمہارا اس میں تم ہی تمہیں ہو
تم مظہرِ خدا ہو سرِّ خفی تمہیں ہو

تم کو بنایا حق نے شمعِ رہِ ہدایت
موسیٰ نے تھی جو دیکھی وہ روشنی تمہیں ہو

تم ہی نے مجھ کو مارا تم ہی کروگے زندہ
جانِ حزیں تمہیں ہو دل کی خوشی تمہیں ہو

ہو شکر یا شکایت سب ہے تمہیں سے مجھ کو
جو مدعا ہے اپنا وہ مدعی تمہیں ہو

دیکھا جمالِ احمدؐ پایا جلالِ حیدرؓ
روحِ نبیؐ تمہیں ہو جانِ علیؑ تمہیں ہو

کھولی جو چشمِ حق بیں دیکھا بشر ہو لیکن
جن و ملک فلک کیا سب کچھ تم ہو تمہیں ہو

وہ مطلعِ حقیقت پنہاں تھا جو ازل میں
ظاہر ہوا وہ آخر نورِ نبیؐ تمہیں ہو

دیکھا چھپا خدا کو ہے کسوتِ بشر میں
شورِ اَنا تمہیں ہو رمزِ خفی تمہیں ہو

پاتے ہیں نور جس سے شمس و قمر فلک پر
وہ اخترِ درخشاں مہرِ جلی تمہیں ہو

(ماہنامہ "صحیفہ وارث" دیوی شریف)

# جرٹبرٹ شاہ وارثی

اے میرے وارث میرے آقا سلام
اے میرے مالک میرے مولا سلام

السّلام اے مہرِ عرفاں السّلام
السّلام اے سیّد عالم مقام

السّلام اے حق کے پیارے السّلام
اور محمدؐ کے دلارے السّلام

السّلام اے ظلِّ پاک مصطفےٰ
السّلام اے نُورِ عین مرتضےٰ

السّلام اے فاطمہؓ کے لاڈلے
السّلام اے راحت خستہ دلے

آپ پر سو جان سے قربان السّلام
السّلام اے شاہِ شاہاں السّلام

حال دل سُن لیجیے بہرِ خدا
کیجیے مقبول میری التجا

آپ کا لطف و کرم درکار ہے
اک اشارے میں تو بیڑا پار ہے

آپ کا ہے وارثیؒ ادنیٰ غلام
کیجیے قبول عاجز کا سلام

---

# رئیس وارثی

ہر مسافر سے مَیں خاکِ رہ طیبہ مانگوں
خشک صحرا ہوں مگر عشرتِ دریا مانگوں

لفظ ملتے ہی نہیں عرضِ تمنّا کے لیے
مل گیا تو جو مجھے اب مَیں دُعا کیا مانگوں

لوٹ آیا ہوں مدینے سے مگر مَیں ہر دم
وہی روضہ وہی منظر وہی جلوہ مانگوں

مَیں جلاتا ہوں تیری یاد کی شمعیں مولا
اپنے تاریک گھروندے میں اُجالا مانگوں

دیکھتے ہیں یہ فرشتے مجھے حیرت سے رئیس
جب مَیں اللہ سے محبوبؐ اُسی کا مانگوں

---

# بے خود وارثی

سلام اے مرے وارث سلام اے سرکار
خدا کے نور نبیؐ کے ظہور پُر انوار

مئے الست کے پُر کیف میکدے کی بہار
ریاضِ حق کے مہکتے ہوئے گل بے خار
علی کے اور خدا کے حبیب کے دلدار
کیا ہے تم نے دو عالم کو بے خود و سرشار

سلام اے مرے وارث سلام اے سرکار
خدا کے نور نبیؐ کے ظہور پُر انوار

علی کے لختِ جگر فاطمہ کے نورالعین
بہارِ باغِ حسن پر تو جمالِ حسین
سرورِ قلب حزیں عاشقوں کے دل کے چین
برائے خلقِ خدا اک وسیلۂ دارین

سلام اے مرے وارث سلام اے سرکار
خدا کے نور نبیؐ کے ظہور پُر انوار

جہاں عشق کے سلطان پاک باز ہو تم
حریمِ حُسن کے محبوب دل نواز ہو تم
ازل کے نغمۂ رنگیں کے سوز و ساز ہو تم
رموزِ معرفتِ حق کی شرح راز ہو تم

سلام اے مرے وارث سلام اے سرکار
خدا کے نور نبیؐ کے ظہور پُر انوار

بہت دنوں سے ہے بیمار بے خود مضطر
نہ چارہ ساز ہے کوئی نہ کوئی چارہ گر
تری نگاہِ کرم سے ہے اس کو آس مگر
چلے گا بسترِ غم سے یقیں ہے وہ اٹھ کر

سلام اے مرے وارث سلام اے سرکار
خدا کے نور نبیؐ کے ظہور پُر انوار!

# اختر محمود وارثی

سلام اس پر جو والی و وارث ہے محمدؐ کا
کیا ہے نام روشن جس نے اپنے جد امجد کا

سلام اُس پر جو رُوح پنجتن جان پیغمبر ہے
وہی مسند نشیمن ہے سید عالم کی مسند کا

سلام اُس پر محبّت کا سبق جس نے دیا ہم کو
کیا تازہ مذاق عشق منصُور اور سرمد کا

ملا ہے سر تو سجدہ اس کے سنگ در کا لازم ہے
جو آنکھیں ہوں تو نظارہ ہو اس کے سبز گنبد کا

گدائی میں ملی شاہی مجھے اس کی عنایت سے
بھلا کیونکر ادا ہو شکر اُس کے لطف بے حد کا

سلام اس پر جو ہم رندوں کا ہے پیرِ مغاں اختؔر
پلایا جام رنگیں جس نے سب کو حب احمدؐ کا

---

# ہمدم وارثی

السّلام اے مہر تاباں السّلام
السّلام اے نورِ یزداں السّلام

السّلام اے نور بخشش خاص وعام
السّلام اے سیّد عالی مقام

السّلام اے سرور عالی گہر
السّلام اے نور حق شکل بشر

السّلام اے وارثِ جانِ بتولؑ
السّلام اے جوہرِ کانِ بتولؑ

السّلام اے واقفِ سرِّ رضا
السّلام اے دستگیر باصفا

ہمدمؔ حاضر آمدہ بہر سلام
یا بد ایں مقبولیت شاہِ انام

---

# مہتاب شاہ وارثی

السّلام اے وارث عالی مقام
السّلام اے رحمتِ ربّ الانام

السّلام اے سرور عالی حشم
السّلام اے منبع جود و کرم

السّلام اے عاصیوں کے مہرباں    السّلام اے مرہم دل خستگاں
میری اب سُن لیجیے یہ التجا    آپ کے در پر ہے یہ سائل کھڑا
رحم کن شاہاں بحال بے کساں    رحم کن اے وارث فخرِ زماں
عمر بھر ہوتا رہے مجھ کو شہا    رات دن نظارہ اس درگاہ کا

زندگی بھر ہو ترے در پہ قیام
ہو ترا مہتاب درباں صبح و شام

---

سلام اے عاشق وحدت سلام اے پیرمیخانہ    پلا کر بادہ عرفاں کیا عالم کو مستانہ
سلام اے رہبر عالم سلام اے مرشد دوراں    سجا کر فقر کی مسند دکھائی شانِ شاہانہ
سلام اے گنج عرفاں سلام اے یوسف ثانیؒ    سلام اے جانِ محبوبی سلام اے جانِ جانانہ
سلام اے مرشد کامل سلام اے وارث ذیشاں    سلام اے عارف حق کوش قدسی رشکِ رندانہ

عطا مہتاب خستہ کو رہِ عرفاں ہو شاہا
تمام عمر تجھ پہ ہی رہے قربان و دیوانہ

---

# لطیف شاہ وارثی

السّلام اے مظہرِ ذاتِ خدا    السّلام اے شاہ تسلیم و رضا
السّلام اے جاں نشیں و مصطفیٰ    وارث ارث علی مرتضیٰ
السّلام اے سروِ بستانِ رسُول    السّلام اے گلشنِ زہرا کے پُھول
السّلام اے وارث عالی مقام    سیرت وصورت شہ خیر الانام
رحم کر وارث رحیم بے کساں    چھوڑ تیرا آستاں جاؤں کہاں
السّلام اے وارث آلِ رسولؐ    ہو تمنائے دلی سب کی حصول

در پہ حاضر ہے لطیفؔ ادنیٰ غلام
کیجیے مولیٰ قبول اس کا سلام

# حیدر شاہ وارثی

السّلام اے وارث عالم نواز | السّلام اے بیکسوں کے چارہ ساز
السّلام اے تاجدارِ اولیاء | السّلام اے رہنمائے اصفیا
السّلام اے نورِ پاک ذوالجلال | السّلام اے بے مثال و لازوال
السّلام اے بُلبلِ باغِ رسُولؐ | السّلام اے قرۃ العین بتول
اس طرف بھی اک نظر سرکار ہو | تم کرم کر دو تو بیڑا پار ہو
حال پر ہو اب مریدوں کے کرم | تاکہ رہ جائیں ہمارے سب بھرم

از طفیل حضرت خیر الانام
کیجیے قبول حیدر کا سلام

---

# ابوالکاظم وارثی

السّلام اے وارث ہر سجدہ گاہ عرشیاں | السّلام اے وارث سرمایۂ جان و جہاں
السّلام اے وارث ہر منبع باغ جناں | السّلام اے وارث دنیا و دین کون و مکاں
وارث فرمان و انجیل و ہمہ آیات ربّ | وارث توریت و الہام زبور خوش لقب
وارث ہر ممکنات و کائنات روز و شب | وارث ہم اوّل و آخر توئی عالی نسب

عاصیاں را عذر خواہا دلنوازا چارہ ساز
رحم فرما بر گنا ہم وارثا مسکین نواز

(نغمۂ محبوب ۔ محبوب وارثی)

---

# اسحاق وارثی

سلام اے مصدر لطف و عطا قسام پیمانہ
سلام اے واقفِ رازِ حقیقت پیر مے خانہ
سلام اے حسن جلوہ ریز نور شمع کاشانہ
سلام اے روشنی دل فروغ حسنِ جانانہ
سلام اے مظہر ذاتِ الٰہی عارف یزداں
سلام اے رہبر راہ حقیقت صاحب عرفاں
سلام اے گوہر بحر ہدایت خسروِ خوباں
سلام اے نیرّ برج ولایت مرشد دوراں
قرار آتا نہیں دل کو کسی پہلو کسی عنواں
بلا کر روضہ اقدس پہ اے وارث کرو احساں
تمہارے در پہ ہر قسمت بدلتی ہے مرے وارث
بہت بگڑی ہوئی حالت سنبھلتی ہے مرے وارث

دعا اسحاقؔ کی قبول ہو اے خالقِ اکبر
کہ دیوہ میں پہنچ کر جان دے وارث کے قدموں پر

---

# سلیمان وارثی

جور کرتے جائیے اور مسکراتے جائیے
شکوۂ الفت کو شکرانہ بناتے جائیے
جی میں آتی ہے نئے فتنے اٹھاتے جائیے
دل کے ذرے خاکِ گلشن میں ملاتے جائیے
اے جنونِ شوق منزل تو ہے سب سے پیش پیش
کیوں نہ میرِ کارواں تجھ کو بناتے جائیے
سرخیاں ترکیب پا جائیں جو حسن و عشق کی
دل کے دو حرفوں کو افسانہ بناتے جائیے
سلسلے میں عشق کے ہے ایک ہی سود و زیاں
جس قدر کھو جائیے اتنا ہی پاتے جائیے
اے سلیمانؔ درد سے جن کے مزّکی ہوں نہ دل
گفتۂ سیمابؔ کچھ ان کو سناتے جائیے

---

فکر اس کی نہ کر جلوہ گاہِ ناز کہاں ہے
یہ دیکھ اب کوئی نظر باز کہاں ہے
جز شاہدِ فطرت کوئی دمساز کہاں ہے
میں راز ہوں اس کا مرا ہمراز کہاں ہے
کیوں اے دلِ مضطر ہوئے کیا وہ ترے نالے
اے سازِ شکستہ تری آواز کہاں ہے
اب اپنے تصوّر میں اڑا پھرتا ہے گلشن
تقدیرِ اسیری پہ پرواز کہاں ہے

کونین کا حاصل لیے پھرتے ہیں فرشتے          یا رب یہ بہائے دلِ بے آز کہاں ہے
حملے سے ترے پہلے تھا پہلو میں دل اور اب          یہ کون بتائے نگہ ناز کہاں ہے
خود سازی میں مصروف خدائی ہے سُلیمان
دُنیا میں کوئی مردِ خدا ساز کہاں ہے

---

# مظفر وارثی

مظفر وارثی صاحب حضرت قبلہ صوفی شرف الدینؒ وارثی میرٹھی کے صاحبزادے ہیں اور عصرِ حاضر کے جن غزل گو شعراء نے زلف و رخسار کے عارضی اور فانی حُسن کے سحر سے آزادی اختیار کی اور دُنیائے غزل کے علاوہ شاہکارِ قدرت خلاصۂ حُسنِ کائنات حضور نورِ مجسم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی مدحت سرائی کو زندگی کا شعار بنایا، آپ کا نام اُن میں بڑا نمایاں اور سربرآوردہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مظفر وارثی صاحب نے نعت کے ماحول اور اس کے تقاضوں کے مطابق خود کو ڈھال لیا۔ موضوع کی نزاکت اور عظمت کے احساس و وسیع مطالعہ اور حضرت حافظ حاجی سیّد وارث علی شاہؒ سے توسّل اور عقیدت نے آپ کے لیے اس منزل کو آسان کر دیا۔

اب تک مظفر وارثی کے تین مجموعہ ہائے نعت "بابِ حرم، نورِ ازل اور کعبۂ عشق" چھپ کر منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ بابِ حرم میں اپنے آپ کو شاعرِ بزمِ رسالت اور خاکِ پائے مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہونے پر مفتخر ہو کر اپنی پہچان اس طرح کروائی۔ ؎

خاکِ پائے مصطفیٰؐ بھی ایک میرا نام ہے
جو زمین سے آسمان کو ہے وہ نسبت بھی تو ہوں

دعائیہ شعر:

رحم افلاس پہ میرے یا رب     :     یا محمدؐ ہو وظیفہ میرا

"نورِ ازل" سے نمونہ کلام :     مرا پیغمبرؐ عظیم تر ہے
کمالِ خلاق ذات اس کی ـــــ جمالِ ہستی حیات اس کی
بشر نہیں عظمتِ بشر ہے ـــــ مرا پیغمبرؐ عظیم تر ہے

آپ نے نعتوں کے علاوہ سلسلہ وارثیہ کے بانی حضرت حافظ سیّد وارث علی شاہؒ کی منقبت بھی لکھی ہے۔

"کعبۂ عشق" سے نمونۂ کلام :

مجھے بھی یارب قبول کرنا
مَیں خاکِ پائے محمدیؐ ہوں
امامِ عالم کا مقتدی ہوں
مجھے فنا فی الرسولؐ کرنا
مجھے بھی یارب قبول کرنا

اس کے علاوہ نعتیہ کلام:

سُخن کی داد خدا سے وصول کرتی ہے
زبان آج ثنائے رسُولؐ کرتی ہے

سیاحِ عرش نقش کفِ پائے مصطفیٰؐ
کون و مکان سفینۂ دریائے مصطفیٰؐ

تُو ابد آفریں، مَیں ہوں دو چار پل — تُو یقیں مَیں گماں مَیں سُخن تُو عمل
تُو ہے معصومیت، مَیں نری معصیت — تُو کرم مَیں خطا، تُو کجا من کجا

آپ کے کلام میں تشبیہات و استعارات اور مضامین میں بھی جدّت اور ندرت کا رنگ نمایاں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ صنائع و بدائع کے بھرپور، برمحل، اور موزوں استعمال سے کشتِ نعت کو سرسبز و شاداب بنا دیا ہے۔

نقطہ کہلاؤں گا کٹ جاؤں لکیروں سے اگر
جدّتوں سے ہی نہیں ناتا، روایت بھی تو ہوں

## محمّد یامین وارثی

محمّد یامین وارثی منسلک سلسلہ وارثیہ کے کم عمر شاعر ہیں۔ آپ کے استاد ڈاکٹر بے تاب نظیری مظفر نگری ان کے مجموعۂ نعت "منبعِ انوار" کی تقریظ میں لکھتے ہیں "میرے جملہ تلامذہ میں یامین وارثی صاحب سب سے کم عمر شاعر ہیں۔ آپ اپنی دکان پر بیٹھ کر اخبار و جرائد اور کُتب کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتے ہیں۔ بزرگوں کے نقشِ قدم پر چل کر اُنہی کے اصولِ فن کے تحت شعر کہتے ہیں اور ہمیشہ نعت ہی لکھتے ہیں۔

## نمونۂ کلام

اضطرابِ دل کس سے جا کر کہوں آپ کے ماسوا میرا کوئی نہیں
یا محمدؐ ! ادھر بھی نگاہِ کرم آہ، دربارِ عالی کی کیا بات ہے

---

یہ حسرت ہے دل میں یہی مدعا ہے
بنوں مٹ مٹا کر غبارِ مدینہ

---

تن بھی میلا من بھی میلا، کرپا کرو سرکارؐ !
نیّا بھنور میں آن پھنسی ہے اس کو لگا دو پار

---

محمدؐ محمدؐ کہے جاؤ ہمدم !
کسی دن لگے گی یہ کشتی کنارے

---

کچھ ایسا کرم کیجیے یامین پر اب تو
بس آپ کی مدحت میں کٹیں شام و سحر بھی

---

# شاہ امین الدّین وارثی

اُردو زبان کی مقبولیت سے پہلے ہی ہندوستان کے ادب اور ملک اودھ کی زبان بھاشا یا باکھا پر تصوف کا اثر ہو گیا تھا۔ خود مسلمان شعراء نے بھاشا میں متعدد تصانیف چھوڑی ہیں۔ مثال کے طور پر امیر خسروؒ اور ملک محمد جائسی سے لے کر آج تک صدہا ایسے مسلمان شعراء کی سوانح عمریاں بہم پہنچائی جا سکتی ہیں۔ ملک اودھ میں تو بعض اضلاع ایسے ہیں جن میں بھاشا زبان کے شاعر اُردو زبان کے شعراء سے کہیں زیادہ ہیں۔ مثلاً ضلع سلطان پور اور بارہ بنکی وغیرہ میں یحییٰ ایچولوی کی ہستی ایسی ہے جس کا کلام مسلمان کسان شام کے وقت یکجا ہو کر ہندی نعتیہ نغمے گاتے ہیں۔

آسنا دیں تو ہے اب حال زلیخا کا ہم
اپنی نگری ماں تو یوسف کا بھرت رہے دم

ڈھیر سندر بھٹے دھرتی پہ مُدا توسے کم

"ہنس جواہر بھاکھا" اور "پدماوت" وغیرہ کتابوں سے حضرت حاجی سیّد وارث علی شاہ علیہ الرحمۃ بھاشا زبان سے کس قدر دلچسپی فرماتے تھے۔ آپؒ عموماً پدماوت پڑھا کرتے تھے، اور آپ کے پڑھنے پر ہندو، مسلمان، پارسی، یہودی اور نصاریٰ غرض ہر ملّت و مشرب کے اصحاب خواہ زبان سمجھتے ہوں یا نہ سمجھتے ہوں ایک وجدانی کیفیت میں ڈوبے ہوئے نظر آتے تھے۔ آپؒ کے مریدین میں سے ایک معزز ہستی شاہ امین الدینؒ وارثی احمد پوری کی تھی جو احمد پور ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے تھے اور مرشد پاک کے حسب الحکم سیاحی اختیار کی اور تمام متبرک مقامات کی زیارت کا شرف حاصل کیا تھا۔ ان متبرک مقامات میں بغداد شریف، کربلائے معلّٰی بھی شامل تھے۔

حضرت قبلہ سیف الدین سید ابراہیمؒ القاہری فرماتے تھے:

"امین الدین وارثی ابن تہور علی من الدرویش السالکین قدم بغداد قرار حضرت جدی قطب العارفین و مرشد السالکین السید الشیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ"

شیخ امین الدین صاحب نے اپنے پیر کے تتبع پر بھاشا زبان میں طبع آزمائی کی۔ آپؒ کے کلام میں پدماوت کا سا کیف اور ہنس جواہر کا سا بانکپن تھا، حالانکہ بھاشا زبان میں آپؒ کی تعلیم و تربیت نہیں ہوئی تھی۔ جو کچھ لکھا اپنے پیر و مرشد کے فیض سے لکھا۔ چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں۔ ؎

امی ہوں میرے حال پہ فضل پیر کا : کرتا ہوں میں مقابلہ ہر دم و بیر کا !

آپ کی جائے پیدائش احمد پور ضلع بارہ بنکی ہے۔ یہ نہیں معلوم کب پیدا ہوئے لیکن وفات کے وقت آپؒ کی عمر اسّی پچاسی ۸۵ برس تھی۔ آپ کا وصال ۱۹۲۷ء میں ہوا۔ آپ کے والد ماجد شیخ تہور علی تمام عمر لکھنؤ میں رہے۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کے دربار میں اکثر مصاحبین ان کے شاگرد تھے، کیونکہ ان کا شمار علمائے لکھنؤ میں سے تھا۔ شاہ صاحب نے خود اپنے ایک شعر میں والد کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے۔

؎ تہور علی شیخ ابرارا : عابد زاہد سدھ کرتارا

آپ کی ددھیال قصبہ امیٹھی میں تھی۔ خود لکھتے ہیں:

؎ محمّد عطا ہیں دادا ہمارے شہر امیٹھی بسات
قاضی خدا کی پوتی بکھانی بندگی میاں کی نات

احمد پور قصبہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:۔

احمد پور سوہاون گانوں : بدھنا دین بساون تھانوں
سورج پور، پرگنہ جاناں : سنہی، گھاٹ تحصیل بکھاناں

بارہ بنکی، ضلع کھادا : ملک اودھ، لکھنؤ بتادا

آپ کا ننھیال قصبہ "سدھور" میں تھا۔ آپ نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی زوجہ بسوان ضلع سیتاپور کی تھیں اور دوسری قصبہ سیدن پور ضلع بارہ بنکی کی۔ آپ کا انتقال "ردولی شریف" میں ہوا۔ وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کو میلاد شریف پڑھنے کا شوق فطرتاً تھا۔ مولانا غلام امام شہیدؒ سے آپ کی ددھیالی قرابت تھی۔ اس لیے یہ ذوق حقیقی تھا۔ وراثت میں ملا تھا۔ آپ نے عرصہ تک بمبئی میں قیام کیا۔

بھاشا شاعری کی ابتدا آپ نے حاجی وارث علی شاہؒ کی حیات ہی سے کی۔ آپ کی پہلی تصنیف مشتمل بر شجرۂ بزرگانِ دین موسومہ "وارث بیکنٹھ پتھاون" حافظ عبدالرزاق ساکن بارہ بنکی کی فرمائش سے طبع ہو چکی ہے۔ یہ تصنیف بالکل بھاشا زبان میں ہے۔ دوسری تصنیف یعنی "پیہم کہانی" ۱۳۳۰ھ میں نواب صولت جنگ کی فرمائش سے حیدرآباد دکن میں طبع ہوئی۔

نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیے :-

سمر سنور من من چت لائی : الکھ الکھ لکھ سیس نوائی
دہی اھی کوئی آھی نہ دوجا کوئی : گھٹ گھٹ ہر پرگھٹ سب پوجا

## نعت

پاپ ہرت سکھ دیت ادھارا : ایسا نام محمدؐ پیارا
سلام ہاتھ نت دوت پٹھاوے : کھیم کوسل سب بوجھ منگالے
چاریو رتن محمدؐ ساتھا : پل پل دین بڑھا دیں ہاتھا
ابوبکرؓ صدیق سیانے : دین لیں گر گیان سیانے
علیؓ علیؓ سب دیس پکارے : عرضی غرضی باٹ نہاری

آپ کی دوسری تصنیف "پیم کہانی" جس میں بھجن، ٹھمری، بسنت، ہولی اور ملار وغیرہ کا مجموعہ ہے۔ یہ سارا کلام عرفان میں ڈوبا ہوا ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیے :-

ہر سوں کون کہے موری باتا : پیت کروں کہہ بھاتا
ماتھے وا کے چندر براجے : مکھ پھولن کی باسا
ہر سوں کون کہے موری باتا

سرون سنت بات برھن کی : نین رہت مدھو ماتا
من موہن موہنی بھر باجے : سبد سہاون آسا
ہرسوں کون کہے موری باتا
امین الدین وارثؒ ہر راجی : یہی ملن کی گھاتا
ہرسوں کون کہے موری باتا

---

سب مال ہو مہاراج : من من میں من راج
چرتر اپار ماگن گیانی : بھانت بھانت کرتار کاج
سب مال ہو مہاراج
دیو دیال دیا جگ وانی : کرپا کرت کی لاج
امین الدین وارث گروانی : بھچھیا درب سماج
سب مال ہو مہاراج

---

نشت کنشٹ ڈوبے جل ساگر : دام بھٹے ہر نام محمدؐ
رُوپ سروپ اُجیاگر جاگر : پریم بست ہر کام محمدؐ
چتے چتے پرلوگ پٹھاوا : جگیئے جگیئے بھیو نام محمدؐ
امین الدین وارث رس بھاگن : پایو سری سرنام محمدؐ

---

جن چاہا تن پاؤ رے سادھو : تنگا تن میں ملاؤ رے سادھو
نین کھول وہی صورت مورت : وہی سکل پھیلاؤ رے سادھو

---

تم چترائی کوؤ جان نپائی : کوؤ چھل بل سنسار لبھائی
رُوپ رُوپ سُروپ سلونا : سکل سبھا، نسدن گن گائی
منتھر اچھانڈ برہا جگ بویو : کو بر کل، بندرا بن چھائی
انجن نین میں مُکھ موہنی : تاک بھاک مرجیون جائی
بھل مہاراج گوسائیں صاحب : چرن دھریو سرنائی

دُکھ برنن کا برن سناؤں : جانت بھید لکھائی
جن کی ڈور پیتم سنگ لاگی : جگت چھانڈ بھئے بیراگی

---

ساون بیری برکھا بھیو : ہری چھایو ہر دوار
اُن بن سیجا ناگن بھیو : ڈر لاگے ادھی کار
امین الدین لکھ وارث رہیو : جگت تارن اوتار

---

(اُردو سہ ماہی۔ حیدر آباد دکن ۱۹۳۱ء)

# حاجی سلیم دردؔ وارثی

نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیے :

اگر چاہو خدا کی رحمتوں سے واسطہ رکھنا
تو ہر لمحہ لبوں پر اپنے ذکرِ مصطفےٰ رکھنا
بروزِ حشر بخشش کے لیے اتنا ضروری ہے
درُود پاک ہونٹوں پر سدا اپنے سجا رکھنا
مَیں ایسی بیخودی کو ہوش سے بہتر سمجھتا ہوں
کہ یادِ مصطفےٰ میں دونوں عالم کو بھلا رکھنا
مَیں دیوانہ تمہارا خود کو کہتا ہوں زمانے میں
خیال اس بے ادب کا بھی قیامت میں ذرا رکھنا
وہ جن کے عشق میں مرنا بھی سو جینے کا جینا ہے
انہی کے عشق میں تم اپنی ہستی کو فنا رکھنا !
شرف حاصل ہے مجھ کو ان کے روضے کی حضوری کا
اُمیدِ گلشنِ فردوس دل میں دردؔ کیا رکھنا !

(دردؔ وارثی۔ متاعِ درد، ناشر مصنّف، مدن پورہ بمبئی)

# سیّد عبد الغنی وارثی

حضرت مولانا سیّد عبد الغنی وارثی لمشرقی پٹنہ (مگدھ) کے ایک مشہور گاؤں استھانواں کے رہنے والے تھے۔ مگدھا دلیش جو بعد کو مہاتما بدھ کی دھاروں کے مرکز ہونے کے سبب سے بہار کے نام سے مشہور ہوا' دریائے گنگا کے جنوبی ساحل کی وادی کا وہ حصّہ جو دریا سے کم وبیش سات آٹھ کوس کے فاصلہ پر شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے اور شمال میں جس کی حد بندی بہار و گریگ بھیکم پورہ کوسی شیخ پورہ کی وہ پہاڑیاں کرتی ہیں جن کا شمار سلسلہ وندھیاچل کی زنجیروں میں ہے مشرقی پٹنہ اور ضلع مونگیر کا مغربی حصّہ، گیا کا شمالی علاقہ ان کے مجموعہ کا نام مگہ یا مگدھ ہے جس کا مرکزی شہر اب وہ قصبہ ہے جو کسی زمانہ میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے تمام صوبہ کا نام تھا یعنی سب ڈویژن بہار المشہور بہ بہار شریف مگدھ کی داستان سے قدیم ہند کی تاریخ معمور ہے روحانی و اخلاقی حیثیت سے قرن ہا قرن تک یہ سارے ہندوستان کا قلب ودماغ بنا ہوا تھا ہندوستان کی سب سے بڑی سلطنت عہدِ قدیم میں یہیں قائم ہوئی۔ اسی سرزمین میں مولوی عبد الغنی وارثی پیدا ہوئے جس کے گرد ونواح کا علاقہ دسنہ گیلانی، ڈھرانواں، بازید پور، دیوکلی، رمضان پور، معانی، بلیچھی اور شکرانواں کے نام سے موسوم ہے۔ ان بستیوں میں مسلمانوں کی مختلف قومیں آباد تھیں۔ ان میں سادات گیلانی بھی ہیں جیسے استھانواں، دسنہ اور بعض میں شیوخ کرام آبادیاں ہیں جیسے رمضان پور اور جانا۔ مولوی سیّد عبد الغنی وارثی کا تعلق استھانواں ضلع پٹنہ عظیم آباد کے تعلقہ سب ڈویژن بہار سے تین کوس پورب ایک متوسط درجہ کا گاؤں ہے۔

محمّد بن بختیار خلجی کے مفتوحہ علاقے سے لکھی سرائے کے راجہ نے جب مسلمانوں کو بے دخل کیا تو قطب الدین کے حُکم سے سادات اور ملوک کی ایک فوج پھر بہار آئی۔ اس فوج میں جاجیزی سادات کے ایک بزرگ حضرت مولانا سیّد احمد جاجیزیؒ بھی تھے جن کو وندھیاچل کی ایک شاخ "کوہ یم" کے دامن میں جاگیر ملی۔ اس جاگیر کا مرکزی گاؤں اکساری تھا' اس کے اردگرد سادات کی بارہ بستیاں آباد ہوئیں جن کو بارہ گانواں کہتے تھے۔

جاجیزی سادات کے اس خاندان سے جو اکساری سے منتقل ہو کر استھانواں میں آباد ہوئے' مولوی سیّد عبد الغنی وارثی کا جدی تعلّق ہے۔ آپ کے والد کا نام سیّد واحد علی بن سیّد فرزند علی بن سیّد کرم علی تھا۔ آپ کی ولادت ۱۲۶۱ھ بمقام استھانواں میں ہوئی' اور آپ کی والدہ کا انتقال شیر خوارگی میں ہو گیا تھا۔ آپ نے بڑی مشکل سے پرورش پائی۔ ان کے والد نے دوسری شادی کر لی۔ خود فرماتے ہیں: "سرما کا موسم ہم پر یُوں بھی گزرا ہے کہ کھدر کی صرف ایک دوہر ہوتی جس میں ہم تینوں بہن بھائیوں نے جاڑے کے چار چار مہینوں کو کاٹا"۔

یہ سب کچھ تھا' لیکن جس کو پالنے والا پالنا چاہتا تھا وہ پل رہا تھا بڑھ رہا تھا۔ اس کے قدرتی ملکات اور فطری صفات روز بروز شگفتہ ہو رہے تھے۔ جب ذرا ہوش سنبھالا تو مکتب کی تعلیم بستی کے مختلف مکتبوں میں ہوئی۔

آپ کے ایک چچا مولوی مسیح اللہ بہار سب ڈویژن کے ایک ممتاز اور سربرآوردہ وکیل تھے' ان کے ساتھ بہار چلے گئے۔ وہاں پر انہوں نے تعلیم کا مکمل بندوبست کر دیا۔ چچا لاولد تھے، قدرت نے ایسا کچھ کر دیا کہ انہوں نے آپ کو منہ بولا بیٹا بنا لیا۔ یہاں ہر قسم کی رفاہیت اور تنعم مل گئی۔ مولوی سمیع اللہ مرحوم کی آمدنی اچھی خاصی تھی۔ ہر قسم کی راحت اور آسانیاں موجود تھیں۔ یہیں پر فارسی اور عربی کی تعلیم مولوی تفضل حسین صاحب سے شروع کی جو اچھے خاصے طبیب تھے اور مولوی مسیح اللہ صاحب کے برادرِ نسبتی تھے۔ بعد میں مولوی تفضل حسین کے ساتھ آپ گیا آ گئے۔ پھر حالات کچھ ایسے پلٹے کہ آپ پھر دوبارہ بہار آ گئے اور مولوی ناظر حسین کے مدرسہ میں داخل ہو گئے' لیکن وہاں بھی نامساعد حالات کے پیشِ نظر آرہ جس کا نام شاہ آباد بھی ہے آ گئے۔ قدرتِ کاملہ سے مولوی وحید الحق صاحب مل گئے جنہوں نے پڑھائی کا ذمّہ لیا۔ خود مولوی وحید الحق صاحب نے علاوہ معمولی درسی کتابوں کے عربی ادب کا مختلف طور پر سبق دینے کا آغاز کیا اور ہر طرح سے اس میں تکمیل کی۔ پھر ملازمت بھی مل گئی اور درس و تدریس کا کام شروع کر دیا۔

آپ حضرت وارث پاک علیہ الرحمۃ کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے۔

مولوی سید عبد الغنی شاہ وارثی حضرت وارث پاک علیہ الرحمۃ کے دو تین واقعہ جات بیان کرتے ہیں کہ جب حضور انور بلچھی صوبہ بہار میں رونق افروز تھے تو فضیحت شاہ وارثی بھی حاضر تھے۔ اس زمانہ میں فضیحت شاہ وارثی کو احرام مرحمت نہیں ہوا تھا اور نام بھی ظہور علی تھا۔ ایک روز فضیحت شاہ وارثی نے عرض کیا کہ آج شب کو میرے دادا پیر صاحب کا عرس چشتی پور میں ہے اجازت ہو تو ہو آؤں۔ آپؒ نے ارشاد فرمایا:

"اچھا جاؤ ایک کام اور بھی کرتے آنا"

لیکن اس وقت کچھ نہیں بتایا کہ وہ ایک اور کام کیا ہے۔ نہ فضیحت شاہ کو کچھ علم ہوا اور وہ چلے گئے۔ دوسرے روز عُرس میں شریک ہونے کے بعد جب فضیحت شاہ وارثی واپس تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ ان کے پیر صاحب کے صاحبزادہ اور جانشین شاہ غیاث الدین صاحب کے ایک مرید کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ وہ بے روک ٹوک ہر پیغمبر اور اولیاء انبیاء کو گالیاں دیتا تھا اور اس کی زبان نہیں رُکتی تھی۔ ہر چند شاہ صاحب موصوف نے کوششیں کیں مگر اس کی حالت نہیں بدلی۔ فضیحت شاہ وارثی نے حضور پُر نُور کی مقدس روحانیت کی مدد سے فوراً اس کی وہ حالت رفع کر دی، جب سمجھ میں آیا کہ وہ ایک اور کام کیا تھا۔

ایک اور واقعہ:

زمانہ قیام بلچھی پور میں حضور انورؒ نے مجھ سے فرمایا "عبد الغنی تمہاری ترقی ہو گئی"۔ مَیں حضور انور کے اس اندازِ تکلّم سے واقف نہیں تھا، اس لیے سادگی سے جواب دیا "نہیں حضور"، حضور انورؒ خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد جب

میں ۱۸۹۱ء میں مرید ہونے کے بعد حیدر آباد دکن پہنچا تو بغیر کسی کوشش اور دوا دوش کے بے شان وگماں میری تنخواہ دو سو روپے سے سوا تین سو روپے ہو گئی اور یہی تنخواہ دس بارہ سال تک ملتی رہی، لیکن جس محکمہ میں میری تعیناتی تھی وہ عارضی تھا اور اس کا کام عنقریب ختم ہونے والا تھا اور اس بات کا بہت اندیشہ تھا کہ مجھے دوسرے محکمہ میں جگہ نہ ملے اور مَیں تخفیف میں آجاؤں۔ اسی زمانہ میں وطن جانے کے لیے مَیں نے رخصت لی اور ارادہ کیا کہ حضور پُر نُور سے قدم بوس ہوتا ہوا وطن جاؤں۔ چنانچہ مَیں آستانہ فیضِ نشاں پر پہنچا اور بعد اطلاع جب شرف باریابی حاصل ہوا تو تو بصورت سوال کے لہجہ میں ارشادِ عالی ہوا: "عبدالغنی تم نوکر ہونا؟" مَیں نے (جو اب طرزِ تکلم سے واقف ہو چکا تھا) عرض کیا کہ ہاں حضور نوکر ہوں۔ چنانچہ وطن سے واپس آکر غیر مترقب طور پر ایسے اسباب غیب سے پیدا ہوئے کہ مَیں دوسرے محکمہ میں چلا گیا اور چند مہینے وہاں کام کرنے کے بعد میری تنخواہ سوا تین سو روپے سے پانچ سو ہو گئی اور اب بتدریج میری تنخواہ سات سو روپے اور قائم مقامی کی حیثیت سے آٹھ سو روپے ہے۔ یہ حضور انورؒ ہی کا صدقہ ہے۔

ایک اور واقعہ:

مَیں نے دیکھا ہے کہ زمانہ قیام بلچھی پور میں حضور انورؒ صبح کے وقت مثنوی شریف طلب فرماتے اور حاضرین میں سے جس کے حسبِ حال جو شعر ہوتا اسی کی طرف مخاطب ہو کر اس کے معنی بیان فرماتے تھے۔ یہ بھی حضور انورؒ کی شانِ تکلم تھی کہ مثنوی شریف کے اشعار سے حسبِ حال تعلیم ہوتی تھی تصوف میں آپ کو انہیں کتابوں سے زیادہ تر شوق تھا۔

---

مولوی سید عبدالغنی وارثی ایک اعلیٰ درجے کے مصنف تھے۔ شعر و شاعری کے متعلق تو خبر نہیں، مگر نثر میں آپ یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کی ایک تصنیف "طبقات الاولیاء" بہت ہی مشہور ہے۔

(رسالہ ندیم "بہار نمبر" پٹنہ صوبہ بہار)

---